پروردۂ ابوطالبؑ

ادارہ منہاج الحسین (رجسٹرڈ) لاہور

ادارہ منہاج الحسینؑ لاہور کی مطبوعات

- ☆ احکام حج
- ☆ اسلام اور نئی منزلیں
- ☆ دین اور سیاست
- ☆ اصول دین
- ☆ نور ولایت
- ☆ بعثت سے ہجرت تک
- ☆ نماز امامیہ
- ☆ استعمار صیہونیت کے روپ میں
- ☆ علیؑ کا راستہ
- ☆ قول جلی فی عقد بنت علیؑ
- ☆ جام غدیر
- ☆ حسن کلام
- ☆ کلام مصطفیٰ بزبان مرتضیٰؑ (زیر طبع)
- ☆ زندگانی امام رضاؑ (زیر طبع)
- ☆ سیرت معصومینؑ
- ☆ کتاب الاسئلہ

ادارہ منہاج الحسینؑ رجسٹرڈ لاہور کی عظیم الشان پیشکش

سیرت معصومینؑ کے موضوع پر پہلی گرانقدر تخلیق

پروردۂ ابوطالبؑ

تالیف

رائے ظفر علی

ناشر

ادارہ منہاج الحسینؑ رجسٹرڈ لاہور

نام کتاب	پروردۂ ابو طالبؑ (سیرت معصومینؑ)
تالیف	رائے ظفر علی
ناشر	ادارہ منہاج الحسینؑ رجسٹرڈ لاہور
کمپوزنگ	ایم یو کمپوزنگ سینٹر ۵ دربار مارکیٹ لاہور
ایڈیشن	اول 500/00
پرنٹرز	کاظم پرنٹرز ریٹی گن روڈ لاہور
تاریخ اشاعت	جون 1992ء
قیمت	75 روپے
ملنے کا پتہ	جامعہ اسلامیہ منہاج الحسینؑ قلعہ ستار شاہ شیخوپورہ
	افتخار بک ڈپو مین بازار کرشن نگر لاہور
	پوسٹ بکس نمبر5246 ماڈل ٹاؤن لاہور
	دفتر ہفت روزہ کلمتہ الحق لاہور
	شیخ ہندی سٹریٹ دربار مارکیٹ
	نزد کربلا گامے شاہ لاہور
فون	851412، 239444، 212515، 225038

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ یَا اَبَا الْقَاسِمِ ' یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ' یَا اِمَامَ الرَّحْمَۃِ ' یَا سَیِّدَنَا وَ مَوْلٰنَا ' اِنَّا تَوَجَّھْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَ تَوَسَّلْنَا بِکَ اِلَی اللّٰہِ وَقَدَّمْنَاکَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا ' یَا وَجِیْھًا عِنْدَ اللّٰہِ ' اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰہِ

خداوندا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوں تیرے نبیؐ کے واسطے کے ساتھ جو نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اے ابو القاسمؑ ! اے خدا کے رسولؐ ! اے رحمت کے امام ! اے ہمارے سردار اور اے ہمارے آقا ! ہم نے آپ کی طرف رخ کیا ہے اور آپ کی سفارش کے طلب گار ہیں۔ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہم نے آپ کو وسیلہ بنایا ہے۔

اور ہم نے اپنی حاجتیں آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں اے خدا کے نزدیک صاحب عزت ! اس کے پاس ہماری شفاعت فرمائیے۔

انتساب

حضرت خاتم الانبیاء معلم انسانیت باعث خلقت کائنات رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر اپنے چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ پر مشتمل کتاب "پروردۂ ابو طالبؑ" کو میں اپنے مربیوں اور اساتذہ کرام

سرکار علامہ سید مرتضیٰ حسین لکھنؤی قدس سرہ

سرکار علامہ سید محمد عارف لکھنؤی قدس سرہ

سرکار علامہ مرزا یوسف حسین لکھنؤی قدس سرہ

سرکار علامہ شبیہ الحسنین محمدی قدس سرہ

کے ساتھ منسوب کرتا ہوں۔ جن کی تربیت کی بدولت میں اس قابل ہوا

خداوند کریم میری اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے اس کا ثواب میرے جملہ اساتذہ کی روح کو ایصال فرمائے آمین

رائے ظفر علی

فہرست مضامین

تقریظ

حجتہ الاسلام علامہ ابوالحسن صاحب نقوی مدظلہ العالی
(خطیب مسجد صاحب الزمانؑ کرشن نگر لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر عرصہ دراز سے علماء عامہ و خاصہ نے کافی کام کیا ہے۔ اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک حق ادا نہیں ہو سکا۔ اور کسی بشر کی مجال نہیں کہ کماحقہ حق ادا کر سکے۔ بہت کتب تالیف کی گئیں! لیکن اس وقت میرے پیش نظر میرے محترم دوست اور عزیز بھائی حجتہ الاسلام عالی جناب مولانا رائے ظفر علی صاحب دامت برکاتہ کی تالیف کردہ کتاب "سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم" ہے۔ جس کا میں نے اجمالاً مطالعہ کیا ہے۔ اسے میں نے ہر لحاظ سے مفید پایا ہے۔ یہ کتاب بیک وقت مومنین کرام، طالب علموں اور علماء کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ مولانا موصوف کی یہ پہلی کاوش ہے۔ مجھے امید قوی ہے کہ مولانا محترم کا قلم اسی طرح چلتا رہے گا۔ اور علم کے پیاسوں کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ امید ہے کہ مطالعہ کرنے والے مستفید ہوں گے۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم بحق چہاردہ معصومین علیھم السلام مولانا موصوف کی اس کاوش کو شہرت کی بلندیوں پر لے جائے۔ آمین ثم آمین۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ
بقلم ابوالحسن نقوی

تقریظ

عالی جناب مستطاب مولانا حافظ تصدق حسین ایم اے

امامیہ کالونی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے مکرم عزیز دوست عالی جناب مولانا رائے ظفر علی صاحب واعظ مدرسۃ الواعظین نے اپنی کدو کاوش سے نہایت جامع کتاب سیرت النبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تصنیف و تالیف فرمائی ہے۔ جس میں موصوف نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سوانح حیات اختصار اور جامعیت کے ساتھ ساتھ نہایت دلچسپ انداز سے تحریر فرمائی ہے' جس سے عوام اور خصوصاً علماء کرام لطف اندوز اور مستفیض ہو سکتے ہیں۔ کتاب حقائق اور خاص تحقیقات سے پر اور حوالوں سے مرصع ہونے کے علاوہ اس قدر سادہ اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہے کہ قاری پوری کتاب کو ختم کئے بغیر چین محسوس نہیں کرتا۔

کتب کے حوالہ جات موجود ہیں' قرآنی آیات اور عربی عبارات موجود ہیں' جو کتاب میں روح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ خداوند کریم مولانا صاحب کو اس سے بھی بہتر خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور قارئین کو اس سے مستفیض ہونے کا موقع بخشے۔ آمین۔

والسلام

حافظ تصدق حسین

امامیہ کالونی

مقدس سلسلہ تحریر

زندہ قومیں اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں کو ہمیشہ محفوظ رکھتی ہیں اور اسلاف کی اس امانت کو آئندہ نسلوں کے سپرد کرنے کا ٹھوس اقدام کرتی آئی ہیں جن کی روشنی میں وہ زمانے کی ستم کاریوں کا مقابلہ کر کے کامیاب و سرفراز ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسے معصوم رہنما عطا فرمائے ہیں جن کی پاک و پاکیزہ سیرت موجودات کائنات کے لئے مشعل راہ ہے ہم یہ شرف حاصل کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ ہم نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کی سیرت طیبہ کے مقدس سلسلہ کی اشاعت کا آغاز کیا ہے۔ اور اس سلسلے کی پہلی کڑی سید الانبیاء خاتم المرسلین حضرت محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ "پروردۂ ابو طالب" آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ جن کی بے داغ سیرت جس کے اپنانے کا خداوند متعال نے خصوصی طور پر حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "**لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ**" فاضل دانشور علامہ رائے ظفر علی صاحب کی یہ کاوش قابل صد ستائش ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس مقدس سلسلہ تحریر کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ادارہ منہاج الحسین رجسٹرڈ لاہور ان مخلص معاونین اور مخیر مومنین کرام کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ادارے کے ساتھ تعاون فرمایا ہے قارئین کرام سے ان کے مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے التماس دعا ہے۔ اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو ضرور مطلع کریں تاکہ آئندہ اڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔ اللہ کرے کہ ہم اسی طرح دین محمد و آل محمد علیہم السلام کی نشر و اشاعت کرتے رہیں آمین۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

محمد حسین اکبر

سرپرست ادارہ منہاج الحسین رجسٹرڈ لاہور

مقدمہ

از حجتہ الاسلام علامہ کاظم حسین اثیر جاڑوی اعلی اللہ مقامہ

سیرت النبیؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ والہ الامین امابعد

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات کا سلسلہ اس عالم آب و گل میں ہزاروں برس قبل سے شروع ہوتا ہے، بنا بریں آپ کی مکمل سیرت نگاری نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ جس ذات کی تاریخ نبوت تخلیق آدم سے قبل ہو۔ **کنت نبیاو ادم بین الماء والطین** میں تو اس وقت سے نبی ہوں جب آدمؑ ابھی مراحل آب و گل میں تھے۔ اس کی کماحقہ مکمل سوانح حیات کون لکھ سکتا ہے۔؟

اگر کوئی کامل سوانحی خاکہ لکھنا چاہے تو اسے آپ کی سوانح کو کم از کم کئی ابواب میں تقسیم کرنا پڑیگا مثلاً

(۱) جب کچھ نہ تھا۔

(۲) جب صرف آپؐ تھے۔

(۳) جب آپؐ کے ساتھ اور بھی عالین ہو گئے۔

(۴) تخلیق آدمؑ سے قبل۔

(۵) تخلیق آدمؑ کے بعد اور ظہور در عالم سے قبل۔

(۶) ظہور در عالم کے بعد آغوش آمنہؑ میں۔

(۷) وفات آمنہؑ کے بعد آغوش عبدالمطلبؑ میں۔

(۸) جناب حلیمہ سعدیہؓ کے دیہاتی گھر میں۔

(۹) جناب عبدالمطلبؑ کے بعد آغوش ابو طالب میں۔

(۱۰) آغوش ابو طالبؑ سے بعثت تک۔

(۱۱) بعثت سے وفات ابو طالبؑ تک۔

(۱۲) وفات ابو طالبؑ سے ہجرت تک۔

(۱۳) ہجرت کے بعد یثرب میں۔

(۱۴) علمی مظاہر۔

(۱۵) اخلاقی مظاہر۔

(۱۶) معاشرتی رہن سہن۔

(۱۷) قوت و طاقت کے مظاہر۔

(۱۸) جنات کی نبوت۔

(۱۹) کفار و مشرکین سے سلوک۔

(۲۰) دائرہ نبوت۔

(۲۱) از دواجی زندگی۔

(۲۲) مکہ میں صرف ایک اور مدینہ میں متعدد بیویاں۔

(۲۳) حلم۔

(۲۴) ہیبت۔

(۲۵) معجزات۔

(۲۶) دفاع۔

(۲۷) پیش قدمی۔

(۲۸) سفارتی وفود۔

(۲۹) بیرون مدینہ وکلاء۔

(۳۰) ازواج۔

(۳۱) سسرال۔

(۳۲) داماد۔

(۳۳) اولاد۔

(۳۴) شفقت۔

(۳۵) معراج۔

(۳۶) شفاعت۔

(۳۷) قدرت۔

(۳۸) فیصلے۔

(۳۹) کلام۔

(۴۰) انداز تبلیغ دین۔

وغیرہ جیسے اور بھی کئی عنوان زیر بحث لائے جا سکتے ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں مذکورہ عناوین اور ان جیسے دیگر عناوین میں سے ہر عنوان ایک باب نہیں بلکہ ایک منفرد ضخیم جلد کا متقاضی ہے اور اگر حالات فرصت اور وسائل ساتھ دیں تو میرے جیسا معمولی سمجھ بوجھ کا ہیچمدان اور کندہ ناتراش تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی ہر عنوان پر کم از کم دو ضخیم جلدیں تالیف کر سکتا ہے۔ جہاں تک محقق اور مدقق علماء کا تعلق ہے تو وہ خدا معلوم کتنا کچھ لکھ جائیں گے لیکن پھر سیرت نبویہ کے دسیوں گوشے' (ھل من مزید) پکارتے محسوس ہوں گے۔

کیونکہ جو ہستی اپنی ذات میں فرد بھی ہو' انجمن بھی ہو' ادارہ بھی ہو' تنظیم

بھی ہو، بستی بھی ہو، شہر بھی ہو، ملک بھی ہو اور ایک عالم بھی ہو۔ اس کی سیرت نگاری الفاظ کی حدود اور معانی کی پہنائی میں کیسے ممکن ہے ؟ جب الفاظ کی ایجاد ہمارے محدود مشاہدات اور معانی کی اختراع ہماری وہ فکر نارسا کرتی ہے، جس سے ایک چڑیا کا پیٹ بھی نہ بھر سکے۔ جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالق اور مداح وہ ذات ہے، جس نے فکر کو شعور، ذہن کو ادراک، آنکھ کو مشاہدہ اور کان کو ذوق سماع سے آشنا کیا ہے۔

مگر بایں ہمہ ! علمائے اعلام کثر اللہ تعداد ہم و شرفہم اللہ بمزید التشریفات نے ہر دور میں کثرت مسائل اور قلت وسائل کے باوجود اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق بڑی ہمت سے کام لیکر کچھ نہ کچھ کیا ضرور ہے۔

انہی میں سے ہمارے نوجوان فاضل اور شریف النفس حقیقت آشنا حجۃ الاسلام مولانا رائے ظفر علی مدرسۃ الواعظین کے فارغ التحصیل ہیں۔ جنہوں نے بارگاہ ختمی مرتبت میں اپنا ایک مختصر سا نذرانہ پیش کیا ہے۔

اگرچہ قلت وقت کے پیش نظر میں زیر نظر مختصر مگر جامع سیرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مجموعہ کا حرف بحرف تو مطالعہ نہیں کر سکا۔ لیکن چیدہ چیدہ جن مقامات کو دیکھ سکا ہوں ان کے متعلق یہی سمجھا ہوں کہ موصوف کی ابتدائی کوشش ہے اور اچھی کوشش ہے۔ امید ہے قارئین مستفید ہوں گے۔ دعا ہے کہ خداوند قدوس موصوف کو مزید توفیقات سے نوازے اور ان کا یہ قلم چلتا ہی رہے۔ البتہ مومنین کے تعاون کی بھی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر مومنین تعاون نہیں فرمائیں گے تو ایک طرف جوانی کے ابھرتے جذبات سرد پڑنے لگتے ہیں اور دوسری طرف علمی خزانہ پر تالا پڑ جاتا ہے اور استمداد زمانہ اسے زنگ آلود کر دیتا ہے۔

اثیر جاڑوی

تمہید

سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کئی ایک کتابیں لکھی گئیں اور اہل علم اب بھی لکھتے چلے آرہے ہیں' یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اس پر جتنا لکھا جائے کم ہے' جتنا تحریر کیا جائے تشنگی باقی رہتی ہے۔ مصنف و مولف نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر یہ آخری کتاب ہے۔ لکھتے لکھتے تھک کر قلم روکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں' پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ابھی ہزار ہا گوشے باقی ہیں جو ہم ضبط تحریر میں نہ لا سکے اور قاری کتاب پڑھنے کے بعد مزید کتب کی جستجو کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ ہر طائفہ انسانی کے لئے مشعل راہ ہے اور اس کی اتباع و پیروری ہی میں دنیا اور آخرت کی نجات ہے۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر اطاعت و اتباع رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ہی اطاعت الٰہی ہے اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بلاچوں و چراں مان لیا جائے' ورنہ ایمان کفر میں بدل جائے گا۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورۂ النساء ۔ ۸۰)

وما اتکم الرسول فخذ وہ وما نھکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (سورۂ حشر ۔ ۷)

اسلام میں بادشاہ ہو' بے وارث ہو' یتیم ہو یا والدین رکھتا ہو' فقیر ہو یا دولتمند ہرگر وہ انسانی کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کو نمونہ بنائے اپنی ذاتی قیاس آرائیاں اسلام میں شامل کرنے کی

جسارت نہ کرے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیں اسی پر عمل کرے اور جس سے منع کریں اس سے منع ہو جائے۔ اگر کوئی چاہے رشتہ دار ہو، چاہئے غیر، چاہئے صحابی ہو، چاہئے تابعی، غرض کہ کسی کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احکام کے سامنے مجال انکار نہیں اور اگر کوئی ایسی گستاخی کرنے کی جسارت کرے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسے شخص کو اپنی بزم سے ہمیشہ کے لئے اٹھانے کا اختیار رکھتے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ چند دن کے لئے نکل جائے گا بلکہ واپسی ممکن نہ ہو گی۔ قیامت تک بلکہ روز حشر بھی بزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بیٹھنا نصیب نہ ہو گا اور تقاضائے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہی ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بٹھائیں اسے کبھی نہ اٹھاؤ اور جسے آپ اٹھا دیں اسے کبھی نہ بٹھاؤ۔

دین فطرت کو پھیلانے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بڑی قربانیاں دی ہیں، ان قربانیوں کو اپنی ذاتی اغراض اور قیاس آرائیوں کی بھینٹ چڑھانا اسلام دشمنی ہے۔ دین پھیلانے میں جن مشکلات کا مقابلہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیا ہے اس کا عام آدمی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ عام انسان کے مقابلے میں نبی و رسول کی مشکلات دوہری ہوتی ہیں، ایک طرف خدا کے عرفان کے ساتھ اس کی عبادت کرنا، دوسری طرف بگڑی ہوئی نسلوں کو صراط مستقیم پر لانا، ہر بچے کی تربیت میں کیا کیا امور زیر بحث لانے پڑتے ہیں کن کن حالات سے بچے کو گزارنا ضروری خیال کیا جاتا ہے، ماں باپ استاد علیحدہ علیحدہ اس کی تربیت کرتے ہیں اس کے باوجود صرف امید کی جاتی ہے کہ اچھا انسان بن جائے یقین بھی نہیں ہوتا اور اگر سنور گیا تو ٹھیک ورنہ نام نہاد سپر پاورز بھی اس کو سنوارنے میں ناکام ہوتی نظر آتی ہیں۔ جب ایک فرد کی تربیت اتنی مشکل اور کٹھن ہے تو پھر پوری قوم کی تعمیر سیرت و کردار کتنا مشکل کام ہو گا وہ کام کہ جن

کو بڑی بڑی طاقتیں نہ کر سکیں اگر وہی کام ایک یتیم " کے سپرد کر دیا جائے جس کے پاس حکومت نہ ہو' دولت نہ ہو' جماعت نہ ہو' سیاست اور مصلحت سے کام نہ لیتا ہو" اور وہ اس مشکل ترین کام کو اپنے سینے سے لگائے اور ایک فرد کی نہیں بلکہ عالم انسانیت کی تقدیر بدل کر رکھ دے ایسے انسان کی اطاعت و پیروی تقاضائے انسانیت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عرب کی منتشر قوم کو اگر قومیت یا وطنیت یا قومی حکومت کے نام پر جمع کرتے تو انقلاب لانے میں آسانی ہوتی ابوجہل ' ابوسفیان ابولہب اور ان کی جماعت جنہوں نے انسانیت سوز مظالم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ڈھائے وہ قومی حکومت کے نام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گرد ہالہ بنا لیتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اپنی جان قربان کرنا فخر محسوس کرتے' مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کی طیب طبیعت نے سیاسی انقلاب کے بجائے اخلاقی انقلاب کا نعرہ بلند کیا جس کے عوض دنیا میں پاکیزہ زندگی اور آخرت میں جنت کا وعدہ تھا۔ ملک و مال کا وعدہ نہ تھا' اس مشکل کام کے لئے ابوجہل کے تنومند بااثر اور پر قوت ٹولہ کی بجائے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوذرؓ' عمار یاسرؓ' سلمانؓ اور ان کے ہم کردار افراد سے کام لیا جو تقریباً سب کے سب مصیبتوں کے مارے ' غلامی کے شکنجے میں کسے بے چارگی اور درماندگی کے ستائے ہوئے ہیں ' اب یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صلاحیت قوم گری تھی کہ پتھروں کو شیشوں سے توڑا' ظلم کو درد سے موڑا' خاروں کو پھول بنا کے چھوڑا' مزہ یہ ہے کہ ہاتھوں میں نہ تلوار لی نہ کوڑا۔ اس طرح انسان کو انسان بنا کر چھوڑا۔

نبی اور مصلح کا فرق کم لوگوں کی نظر میں ہے چنانچہ اکثر مقررین و مصنفین کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نبی یا امام کے تعارف و تقابل کے لئے گوتم بدھ وغیرہ قسم

کے مصلحین کا تذکرہ کرتے ہیں' یہ تقابل نہ صرف ایک گھٹیا بات ہے بلکہ نبوت و امامت کے بارے میں ناواقفیت اور اپنی تاریخ و مذہب کے لئے احساس کمتری کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح سخت تنفیر کے قابل یہ بھی ہے کہ اکثر حضرات معصومین علیہم السلام کو غیر مسلم مشہور افراد کے تاثرات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے اپنے ایڈوانس ہونے کا ثبوت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید اب مستشرقین کے ترجموں سے سمجھا جاتا ہے اور معصومین علیہم السلام کی سیرتیں کارلائل' گبن وغیرہ کی کتابوں سے معلوم کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے قرآن و معصومین علیہم السلام کو اپنے نقطہ نظر سے سمجھا ہے۔ قرآن مجید کو قرآنی نقطہ نظر سے اور معصوم کو ان کے مقاصد و طریقہ کار کے مطابق نہیں سمجھا ہے' ظاہر ہے جو خود پورے طور پر نہیں سمجھے ہیں ان سے سمجھنے والے نامعلوم کیا سمجھیں گے'؟ جو چاہے کچھ بھی ہو مگر وہ نہ ہو گا جس کو سمجھنے کی کوشش انہوں نے کی تھی تنقید نیت پر نہیں ہے بلکہ گذارش ہے کہ نیک نیتی کافی نہیں ہوتی جب تک طریقہ عمل بھی صحیح نہ ہو اپنے مذہب کو غیروں سے سمجھنا غلامانہ ذہنیت کی پیداوار ہے۔ ایسے لوگ پاکستان کے بنے ہوئے مال کو دیسی ہونے کی بنا پر ناقابل قدر سمجھتے ہیں اور وہی مال جب Foringen سے آتا ہے حالانکہ پاکستان سے ہی گیا تھا تو وہ قیمتی اور پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ ہنسی کیسے رکے' جب ہماری اعلیٰ سوسائٹی کے مجنون لوگ کھیت کے تازہ مٹر کو بدمزہ قرار دیتے ہیں مگر جب وہی مٹر یہاں سے جا کر Foringen سے پیک ہو کے آتا ہے تو وہی ان کو خوش مزہ نظر آتا ہے اور شوق سے کھاتے ہیں' فخر سے کھاتے ہیں۔ یہی مذموم بلکہ مسموم ذہنیت اب مذہب میں داخل ہو رہی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کیا کیا ؟ اس سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہوتی ہے کہ عیسائی مورخ نے آپؑ کے لئے کیا کہا ہے۔

مضمون کا یہ حصہ موضوع سے غیر متعلق ہونے کے باوجود عمدہ اور اتنا طویل اس لئے لکھا گیا تاکہ مصلح اور نبی کا فرق سمجھانے سے پہلے ناظرین کی پوری توجہ حاصل کی جا سکے۔ مصلح کے لغوی معنی پر گفتگو نہیں ہے' اصطلاحی معنی پر بحث ہے' جس کی مثال۔ گوتم بدھ وغیرہ کا نام آچکا ہے نبی اور مصلح میں فرق یہ ہے کہ مصلح قوم میں چند نمایاں خرابیوں کو دیکھ کر ان میں سے ایک یا چند کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ستی کی رسم' بیوہ کے عقد ثانی کی مخالفت' شراب اور جوا وغیرہ کو دور کرنے کے لئے مصلح پیدا ہوتے رہتے ہیں لیکن نبی جسم انسانی کے ایک یا دو نمایاں مرض کو دور کرنے نہیں آتا بلکہ پورے نظام کو امراض سے پاک کرنے اور ہر آب و ہوا کو صحت مند رکھنے کے لئے آتا ہے۔ آسانی سے اس کو اس طرح سمجھا جاتا ہے' بغیر تعلیم گدی نشین جراح یا عطائی حکیم اپنے موروثی چٹکلوں سے مخصوص امراض کا علاج کرتے ہیں' بلاشبہ ان سے بھی سماج کو فائدہ ہوتا ہے' ان کے یہاں بھی مریضوں کی بھیڑ نظر آتی ہے' لیکن وہ پورے نظام جسم پر نظر رکھ کر علاج نہیں کر سکتے' اکثر علاج ایک مرض کو دور کرتے ہوئے دوسرے مرض کو پیدا کر دیتا ہے' اس کے خلاف تعلیم یافتہ حکیم طبیب اور حاذق حکیم یا ڈاکٹر پورے جسم پر نظر رکھ کر صحت کلی کے لئے کوشاں ہوتے ہیں' ان پڑھ جراح اور حکیم میں تجربہ کار کمپاونڈر اور مکمل سرجن میں جو فرق ہے وہی مصلح اور نبی میں ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہاں سیاسی انقلاب پیدا کرنا مناسب نہ جانا وہاں وہ عربوں میں کئی مخصوص اصلاحی مشن کے علمبردار بھی نہ بنے بلکہ عالمی انقلاب کے ذریعے تمام انسانوں اور قوموں میں انسانی کردار پیدا کرنا چاہا' قومی کردار پیدا کرنا آپؐ کا مقصد نہ تھا اس پر کمال یہ ہے کہ قومی کردار سے بالا تر انسانی کردار کی ترویج کے لئے ان عربوں سے کام نہ لیا جو ہماری غیر عرب دنیا کو حقارت و نفرت سے دیکھتے تھے سوچئے کتنا مشکل مقصد تھا'

بلکہ مشکل تر تھا اس کا ذریعہ۔

والله کہ اے رسول کا رے کردی

عرب ایک قوم نہ تھے بلکہ جتنے قبیلے تھے اتنی قومیں تھیں' ان کو ایک قوم بنانا نہ تھا بلکہ انسانی قوم کا ایک حصہ بنانا تھا اور ایسا جاندار اور روشن حصہ جو باقی حصوں کو روشن کر دے جن باتوں کا آج سوچنا مشکل ہے ان کو کر گزرنا کتنا مشکل تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس نہ پریس تھا' نہ اخبارات و رسائل' نہ لٹریچر' نہ ایڈیٹری' نہ کلچرل پروگرام' نہ آپ نے کبھی ملک کا تبلیغی دورہ نہ کیا۔ شاعری جو اس وقت کا بہترین ذریعہ نشرو اشاعت تھا اس کو بھی بروئے کار نہ لائے تاکہ اسلام و نبوت شاعری نہ بن جائے۔ چالیس برس چپ رہے اپنے عمل سے خود کو نہ ماننے والوں سے منوا لیا۔ حالات کا اندازہ لگایا اور اسی انداز کے مطابق جرات عمل کا ذخیرہ کیا۔ ۱۳ برس مکے میں رہے جس کی ہر صبح و شام کو مصائب کا نیا طوفان اٹھتا تھا' مسلمان اتنا ستائے گئے کہ ستانے والے تھک تھک گئے۔ قوت برداشت کے جواب دینے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو حبشہ اور مدینہ کی پناہ گاہوں میں بھیج دیا' مدینہ میں دس سال زندہ رہے جس میں ۸۸ بار مسلح حملہ کا مقابلہ کیا یعنی سالانہ ۹ حملوں کا دفاع آپ کا فریضہ تھا آپ کی تنہا ذات میدان میں افواج کی کماندار بھی تھی' مدینہ میں قاضی بھی' پوری فاقہ کش جماعت کی غذا و لباس کی ذمہ داری بھی' ۹ بیویوں کا خرچ اور ان کی کشمکش الگ 'طریقہ صرف احکام صادر کرنے کا نہ تھا بلکہ خود قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے حصے کی خندق بھی کھودتے تھے' مسجد کی اینٹیں بھی اٹھاتے تھے' خدا سے وحی لے کر مسلمانوں کو یاد بھی کراتے تھے۔

اتنی مصروفیات میں بھی عبادت یوں کرتے تھے کہ خدا عبادت میں کم

کرنے کی فرمائش کرتا تھا' عرضیکہ وسائل محدود' مشکلات عظیم' افکار کا ہجوم' صدمات پھر وہ بھی مسلسل' ذاتی بھی' قومی بھی اور دینی بھی۔ مقصد وسیع' مدت کم' طریقہ کار مشکل' انسانی صحت ہار جائے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں ہارے اور وہ کر دیا جو دنیا کے لئے واحد روشنی کا مینارہ ہے۔

دنیا جیسا بھی سبق حاصل کرنا چاہے بچہ ہو' جوان ہو' بوڑھا ہو' ہر ایک کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پاک درس دیتی ہوئی نظر آئے گی۔ اگر انداز تعلیم سکھایا تو یوں کہ آج شاید ہی کوئی ایسا علم ہو جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ شجاعت کے طریقے سکھائے تو یوں کہ آج بھی دنیا آپ کے آگے زانوئے ادب نہ کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ کسب معاش کی تعلیم دی تو یوں کہ عرب کے ریگستانوں میں حاصل رزق حلال کو کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مزدوری کا سبق دیا تو یوں کہ اپنے اصحاب کے ساتھ خندق کھودنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں۔

آج جو دنیا کے سامنے مثالیں ہیں ان میں کسی بھی انسان کو سامنے رکھ کر تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ وہ کسی نہ کسی ایک کام میں مہارت تو رکھتا ہو گا' لیکن دوسرے شعبوں میں وہ دوسروں کا محتاج ہو گا یعنی آج تک یہ تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان اگر علم میں کمال رکھتا ہے تو وہ شجاعت و مزدوری میں کمال حاصل نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص بہت بڑا بہادر ہے تو وہ علم اور عدالت میں کمال حاصل نہیں کر سکتا کہ ایک انسان ایک وقت میں ایک ہی چیز میں کمال حاصل کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی انسان دنیا میں ایسا بھی دیکھنا مقصود ہو کہ جو تمام علوم انسانی اور اعمال انسانی پر مکمل دسترست رکھتا ہو' جس میں تمام صفات اکمل طور پر موجود ہوں وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات طیبہ ہے۔

اگر علم میں دیکھو تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑا کوئی عالم نہیں، اگر محراب عبادت میں دیکھو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑا کوئی عابد نہیں، اگر مزدوری میں دیکھو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑا کوئی جفاکش نہیں، اور اگر میدان شجاعت میں دیکھو تو رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑا کوئی بہادر نہیں۔

یہی وہ منزل ہے کہ جہاں کہنا پڑتا ہے کہ اگر لباس امکان میں واجب الوجود کی مرقع کشی ممکن ہوتی تو وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات والا صفات ہوتی۔

مگر جتنا ممکن تھا اسی قدر صفات الٰہی بلکہ ذات الٰہی کے مظہر قرار پائے اسی لئے تو کبھی عین اللہ، یداللہ۔ وجہ اللہ غرض کہ نفس اللہ کے لقب سے یاد کئے گئے اور جاتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی تخلیق و غرض تخلیق

مقصد تخلیق کائنات پر کچھ تحریر کرنا ایک امر عظیمؐ سے قطعاً کم نہیں' علماء اسلام اس امر کو ضبط تحریر میں تفصیلا" لانے سے قاصر رہے' ایسے کچھ حضرات نے لکھنے کی کوشش کی بھی تو عاجز آکر قلم رکھ دیا اور اب میری کوشش بھی علماء اسلام سے کہیں کم تر ہے یہ ایک ایسا پیارا موضوع ہے کہ لکھنے کو جی چاہتا ہے اور پھر حقائق چاہئے تھوڑے ہی ہوں حقائق ہوتے ہیں اور پھر ہر ایک کے لئے کڑوے بھی نہیں ہوتے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خلقت کے لئے اکثر حضرات نے جب بھی لکھا ولادت سے لکھا لیکن میں آپ کی خلقت اول سے حالات شروع کرتا ہوں جملہ مکاتب فکر اس کے قائل ہیں کہ سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ نے پیدا کیا' خلقت اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نور ہے جس کی تصدیق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فرمان ہے :

اول ماخلق اللہ نوری انامن نور اللہ والخلق کلھم من نوری

تمام مخلوق سے پہلے اللہ نے میرے نور کو خلق فرمایا میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے یعنی کائنات کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور سے فرمایا۔

قد جاء کم من اللہ نور و کتٰب مبین ○

مفسرین نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود ذی جود کو نور مراد لیا ہے۔ پس اول بالذات سب سے پہلے نبی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی

ہیں۔ مگر چونکہ اس عالم کے لحاظ سے آپ کا ظہور آخر میں ہوا اس لئے آپ آخر انبیاء بھی قرار پائے، مگر اس لحاظ سے نہیں کہ ان کو نبوت آخر میں ملی بلکہ اس لحاظ سے کہ آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر مبارک سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانے میں کوئی فرق نہیں آپ ہر دور اور ہر حال میں نبوت و رسالت سے متصف رہے ہیں اور ہیں، چنانچہ شب معراج معنی اول و آخر کا ظہور ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امام ہوئے اور تمام انبیاء کرام از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام مقتدی۔

نماز اقصیٰ میں تھا یہ ہی سرعیاں، میں ہوں معنی اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

الغرض سب سے پہلے خلقت وجود سے مشرف ہونے والے اور سب سے پہلے وصف نبوت سے متصف ہونے والے یوم میثاق سب سے پہلے بلیٰ کہنے والے پیغمبر اکرام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی ہیں۔ اگرچہ وجود عنصری کے لحاظ سے بظاہر سب سے پہلے ہونے والے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی ذات اقدس ہے، لیکن اولا" بالذات باعتبار خلق و اوصاف نبوت اولیت کا سہرا ہمارے ہی طیب و طاہر مظہر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاصل ہے، جس میں آپؐ کا کوئی شریک نہیں ہے حتیٰ کہ آپؐ کو اس وقت نبوت سے متصف کر دیا گیا تھا جب کہ آدمؑ آب و گل کے درمیان تھے۔

کنت نبیاء و ادم بین الماء والطین ۔ کنت نبیاء و ادم بین الروح والجسد

حضرت آدم علیہ السلام روح و جسد اور آب و گل کے درمیان تھے، جب آپؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ حدیث بالا کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہے کہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علم الٰہی میں نبی تھے کیوں کہ نبوت ایک وصف ہے اور اس کے لئے ذات کا ہونا ضروری ہے اب اگر ذات نبی کا ظہور ہی نہیں ہوا تھا تو وصف نبوت سے کیسے سرفراز فرمایا گیا۔ ثانیا" حقیقت جب متعذر ہو یا کوئی قرینہ صارفہ ہو تو پھر مجازی معنی لیتے ہیں اور یہاں حدیث کے حقیقی معنی ترک کرنے کے لئے نہ کوئی قرنیہ ہے اور نہ ہی کوئی مانع۔

ثالثا" نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود تصریح فرمائی ہے کہ :

کنت اول الناس فی الخلق

میں انسانوں میں بلحاظ خلقت اول ہوں' اس لئے حدیث بالا میں حقیقی معنی ہی لیا جانا ہے اور ماننا ضروری ہے لہٰذا حدیث بالا کا مفہوم صحیح یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وقت نبوت سے نواز دیئے گئے تھے جب کہ آدم علیہ السلام میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا۔ یعنی خلعت نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس وقت پہنایا گیا تھا جب کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام نے ابھی خلعت وجود بھی نہ پہنا تھا۔ چنانچہ حافظ خفاجی شرح مشفاح میں فرماتے ہیں **کنت نبیا" و ادم بین الماء والطین** سے واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے ہی نبوت و رسالت سے حقیقتاً سرفراز فرما دیا گیا تھا اور جیسے صفت وجود میں آپ سب سے مقدم ہیں ایسے ہی صفت نبوت میں بھی آپ سب سے مقدم ہیں۔

جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اول النبین ہیں وہاں خاتم النبین بھی ہیں اور آپ کی ان اوصاف پر ایمان لانا ضروری ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے۔

قال تبارک و تعالیٰ جعلتک اول ا لنبیین خلقا واخرھم بعثاوجعلتک

فاتحاو خاتما"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر بھیجا' نبوت کی ابتداء کرنے والے اور انتہا کرنے والے تم ہی ہو۔

آیہ مبارکہ و اذاخذنا من النبیین میثاقھم و منک ومن نوح و ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم واخذنا منھم میثاقا" غلیظا (سورۃ احزاب)

کی تفسیر میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

کنت اول النبیین فی الخلق و اخرھم فی البعث

میں پیدائش کے اعتبار سے پہلے بعثت کے اعتبار سب سے آخری نبی ہوں۔

جابر ابن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے جابر وہ تیرے نبی کا نور تھا' سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ تو اس کو اپنے قرب خاص میں بارہ ہزار سال رکھا اور اس کو چار قسموں پر تقسیم کیا ایک قسم سے عرش بنایا اور ایک قسم سے کرسی بنائی اور ایک قسم سے حاملان عرش پیدا کئے اور چوتھی قسم کو اپنے محبت خاص میں بارہ ہزار سال رکھا پھر اس کو چار قسموں پر تقسیم کیا ایک قسم سے قلم بنایا اور ایک قسم سے لوح کو بنایا اور ایک قسم سے جنت کو بنایا اور چوتھی قسم کو اپنے مقام خوف میں بارہ ہزار سال رکھا اور پھر اس کی چار قسمیں کیں۔ ایک قسم سے ملائکہ پیدا کئے اور ایک قسم سے مہتاب اور ایک سے ستارے بنائے اور چوتھی قسم کو مقام رجاء میں بارہ ہزار سال رکھا اور اس کے بھی چار اجزا کئے' ایک جز سے عقل کو بنایا ایک جز

سے علم و حلم کو اور ایک جز سے عصمت و توفیق کو اور چوتھے جز کو اپنے مقام حیاء میں بارہ ہزار سال رکھا پھر اس نور پر نظر خاص فرمائی تو اس نور سے پسینے کے قطرے نکلے جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی' پس خدا نے ان قطرات سے انبیاء علیہم السلام کے ارواح کو پیدا کیا اور جب ان روحوں نے سانس لیا تو ان کے سانس سے اولیاء کی روحیں پیدا کیں اے جابر عرش و کرسی اور حاملان عرش اور خازنان کرسی میرے نور سے بنے اور لوح و قلم اور مقربین اور ملائکہ جنت اور جنت کی تمام نعمتیں میرے نور سے بنے اور ساتوں آسمان کے فرشتے' شمس و قمر اور سیارے میرے نور سے بنے اور عقل ، علم ، حلم و عصمت و توفیق میرے نور سے بنے اور ارواح انبیاء و رسل میرے نور سے ہی ظاہر ہوئے اور ارواح اولیاء و شہداء و سعداء و صالحین سب میرے ہی نور کے نتائج ہیں۔ پھر خدا نے بارہ حجاب پیدا کئے اور میرے نور کے چوتھے حصے کو ہر حجاب میں ایک ہزار سال رکھا وہ یہ ہیں۔

حجاب الرحمہ	حجاب الہیہ	حجاب السعادہ	حجاب الکرامہ
حجاب الوقار	حجاب الحلم	حجاب العلم	حجاب الرفعہ
حجاب الیقین	حجاب الصدق	حجاب الصبر	حجاب السکینہ

پھر جب ان حجابوں سے میرے نور کو نکالا تو میرے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے جس طرح چراغ سے اندھیرے میں روشنی ہو جاتی ہے' پھر خدا نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا میرے نور کو ان کی صلب میں رکھا وہ نور ان کی پیشانی اور انگوٹھے میں چمکنے لگا آدم علیہ السلام نے سوال کیا یا اللہ یہ نور کس کا ہے تو خدا نے انہیں بتایا یہ نور محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا ہے۔ جو تیری اولاد میں ہو گا پھر اس نور کو حضرت شیثؑ کے صلب میں رکھا اور اسی طرح وہ نور

پاک صلبوں سے پاک صلبوں میں منتقل ہوتا رہا پاک اصلاب کی تفصیل کچھ یوں ہے یہ اصلاب کفر و نجاست سے قطعاً پاک تھے۔ ان میں کفر کا شک کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے کیونکہ۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا
(سورۂ احزاب آیت ۳۲)

اس بات پر نص ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طاہر ہی نہیں مطہر بھی ہیں جس صلب میں آپ ہوں وہاں نجاست کا تصور عین جہالت ہے۔

(اللہ تعالٰی نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے صلب میں رکھا پھر شیثؑ پھر انوشؑ پھر قینانؑ پھر مہلائیلؑ پھر یردؑ پھر ادریسؑ پھر متوشلخؑ پھر لمکؑ پھر نوحؑ پھر سامؑ پھر ارفخشندؑ پھر قینانؑ پھر ساروغؑ پھر ناجورؑ پھر تارخؑ پھر ابراہیمؑ اور پھر اسماعیلؑ پھر قیذارؑ پھر حملؑ پھر نبتؑ پھر سلامانؑ پھر ہمیسنؑ پھر یسعؑ پھر اور پھر اودؑ پھر عدنانؑ پھر معدؑ پھر نزارؑ پھر مضرؑ پھر الیاسؑ پھر مدرکہؑ پھر خزیمہؑ پھر کنانہؑ پھر نضرؑ پھر مالکؑ پھر فہرؑ پھر غالبؑ پھر لوئیؑ پھر کعبؑ پھر مرہؑ پھر کلابؑ پھر قصیؑ پھر منافؑ پھر ہاشمؑ پھر عبدالمطلبؑ)

علامہ حموینی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب یہ نور حضرت عبدالمطلبؑ کے صلب میں پہنچا وہاں سے خدا نے اس کی دو قسمیں کر دیں ایک حصہ میرے باپ عبداللہؑ کے صلب میں رکھا اور دوسرا حصہ میرے چچا ابوطالبؑ کے صلب میں رکھا، پس میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں اس کا خون و گوشت میرا خون و گوشت ہے۔

مخلوق اول واکمل غرض دو جہاں کا ظہور مسعود ۱۷ ربیع الاول عام الفیل مطابق ۵۷۰ میلادی بوقت شب یا بوقت صبح صادق شعب بنی ہاشمؑ (جو بعد میں

شعب ابی طالبؑ کے نام سے مشہور ہوا) مکہ مکرمہ میں جناب آمنہؑ کے بطن مبارک سے جناب عبداللہؑ کے گھر ہوا۔

غرض تخلیق

حضرات انبیاء علیہم السلام و آئمہ کرام علیہم السلام ذات الٰہی کے مظہر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ یہاں خلافت کے معنی یہ ہیں خلیفہ آنکہ بجائے کسے باشددر کارے جو کسی خاص کام میں کسی کا قائم مقام ہو لہٰذا انبیاء کسی خاص کام میں خدا کے زمین پر جانشین ہیں اللہ کے اس خاص کام کو انسانوں تک قولاً" فعلاً" پہنچانے کے لئے تشریف لائے ہیں' مختلف ادوار میں جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا گیا تعلیمی ضروریات بدلتی گئیں اور انبیاء کی تبلیغ کا طریقہ مختلف رہا مختلف رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا آپس میں اختلاف تھا پرائمری جماعت کے لئے طریقہ تدریس اور ہے اور ایم۔ اے کے لئے اور ہے مگر مقصد ایک ہے مقصد انسانیت کی ہدایت' انسان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لانا ہے۔

بعض نبوتیں تشریعی تھیں اور بعض تبلیغی جب تک ایک شریعت کی تبلیغ سے مقصد پورا ہوتا رہا پہلی شریعت پر عمل ہوتا رہا اور جب زمانہ میں کچھ جدت پیدا ہوئی تو دوسری شریعت زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے اور انسانیت کو ظلم سے نکالنے کے لئے بھیجی جاتی ۔ انسانیت اسی طرح ترقی کے منازل طے کرتی رہی یہاں شہید مرتضیٰ مطہری کی کتاب ختم نبوت سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں باہمی اختلاف کسی درسگاہ کی اعلیٰ و ادنیٰ جماعتوں کی تعلیمات کی طرح کا ہے یا پھر ایک اصول کے مختلف حالات و شرائط

میں نفاذ سے پیدا ہونے والے اختلاف کا سا ہے۔

ہم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اعلیٰ جماعتوں کے طالب علم کو نہ صرف نئے نئے مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی رہتی ہے بلکہ ان پرانے مسائل کے بارے میں بھی اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے جس کا علم اس نے ابتدائی جماعتوں میں حاصل کیا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا بھی یہی حال ہے آگے چل کر لکھتے ہیں انبیاء کی غرض و غایت کی وضاحت فرماتے ہیں۔ دو عارفین اسلام نے عرفانی اصطلاحات میں معنی سیر و سلوک کے مراتب کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا ہے ہم طول کلام سے بچنے کے لئے اس کے صرف دو مرحلوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(الف) سفر از خلق بہ حق (مخلوق کی طرف سے خالق کی جانب سفر)

(ب) سفر از حق بہ خلق (خالق کی طرف سے مخلوق کی جانب سفر)

مخلوق کی جانب سے خالق کی طرف سفر پیغمبروں کے لئے مخصوص نہیں ہے پیغمبر تو مبعوث ہی اسی لئے ہوئے ہیں کہ اس سفر میں انسان کی مدد کریں جو کچھ پیغمبروں کے لئے مخصوص ہے وہ خالق کی جانب سے مخلوق کی طرف سفر ہے یعنی وہ مخلوق کی دستگیری اور ارشاد و ہدایت پر مامور ہیں اس سے مراد پیغمبر کی کثرت کی جانب جاتی ہے تاکہ اسے وحدت کی راہ دکھا سکے۔

پھر لکھتے ہیں کہ ایک مرد حق عارف تجربہ اتحادی (وصول حق) سے حاصل ہونے والے اطمینان و سکون کے بعد حیات دنیوی کی جانب واپسی کو پسند نہیں کرتا اگر وہ ضرورت کی بنا پر واپس بھی آتا ہے تو انسانیت کے لئے اس کی واپسی

چنداں سودمند نہیں ہوتی لیکن خلق کی طرف پیغمبر کی واپسی ثمر بخش اور تخلیقی پہلو کی حامل ہوتی ہے۔ پیغمبر واپس آتا ہے اور وقت کے دھارے میں اتر جاتا ہے تاکہ تاریخ کے دھارے کو قابو میں لائے اور اس طرح کمال مقاصد سے ایک جہاں تازہ پیدا کر دے۔ ایک مرد عارف کے لئے تجربہ اتحادی (وصول بحق) سے حاصل ہونے والا سکون ایک انتہائی مرحلہ ہے اور پیغمبر کے لئے اس کی روحانی قوت کو بیدار ہونا ہے جو ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیتی ہے یہ قوت ایک ایسے انداز کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ عالم انسانی میں ایک مکمل انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ پیغمبری کو ایک ایسی باطنی خود آگاہی رکھنے والی نوع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اس میں تجربہ اتحادی (وصول بہ حق) اپنی حدود سے باہر نکلنے کے قریب پہنچ جاتا ہے اور ایسے مواقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی کی طاقتوں کی از سرنو توجیہ کرے یا انہیں ایک تازہ شکل دے۔

موضوع کو طوالت سے بچانے کے لئے مذکورہ بحث سے اقتباس کیا جاتا ہے اور چند ایک آیات درج کی جاتی ہیں تاکہ انبیاء کی غرض تخلیقی معلوم ہو جائے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض تخلیق کا اندازہ لگانا آسان ہو گا مذکورہ بحث سے یہ اندازہ ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام توحید کو لوگوں سے منوانے اور خدا تک لوگوں کی رسائی کا وسیلہ ہوتے ہیں' ان کے بغیر خدا تک وصل ممکن ہی نہیں کیونکہ خود خدا فرماتا ہے کہ مجھ تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور لامحالہ وہ وسیلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد آئمہ طاہرین علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ فی الارض ہیں۔

غرض تخلیق پہ آیات بطور استدلال

اب انبیاء علیہم السلام کی غرض تخلیق پر چند آیات بطور راستہ استدلال

پیش کی جاتی ہیں۔

اذھب الی فرعون انہ طغی○ (سورۃ طہٰ آیت ۲۴)

لاالہ الااللہ ، یعنی سب سے پہلا کام انبیاء علیھم السلام کا غیر خدا پر تبرا ہے اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں ، فرعون و شداد اور لات و عزیٰ کی تکذیب ہی نہیں بلکہ ان کو توڑنا غرق کرنا بھی مقصود ہے۔

دوسرا کام ! محروموں اور **مستضعفوں** کو طاغوتی طاقتوں سے نجات دلانا ہے اور لوگوں سے اللہ کی سپرپاور منوانا مقصود ہوتا ہے۔

تیسرا قدم ! **وتااللہ لا کیدن اصناکم** (سورۃ انبیاء آیت ۵۷) شرک اور خرافات کے خلاف کوشش کرنا ہے۔

چوتھا قدم ! **یاداود انا جعلناک خلیفۃً فی الارض فاحکم بین الناس با لحق** (ص ۲۶) لوگوں میں حق کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ہے۔ یہی مقصد ایک دوسری آیت کریمہ میں بھی بیان ہوا ہے۔

ولکل امتہ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لایظلمون

(سورۂ یونس ۴۷)

پانچواں قدم ! **یامرھم بالمعروف** (سورۂ اعراف ۱۵۷) ہے

چھٹا قدم ! **وینھھم عن المنکر**

ساتوان قدم ! **یزکیھم ویعلمھم** ہے

آٹھواں قدم ! **لقد ارسلنا رسلنا" بالبینت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط و انزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس**

ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز (سورۂ حدید آیت ۲۵)

انبیاء علیہم السلام کی آمد کا مقصد ایسے معاشرے کی تعمیر تھا جہاں لوگ خود عدل و انصاف قائم کریں' وہ اس لئے آئے کہ ایسا ماحول تیار کریں جو نہ تسلط پسند ہو' نہ بقول قرآن پاک **لاتظلمون ولا تظلمون** ○

نواں قدم ! **ویضع عنھم اصرھم ولا غلل التی کانت علیھم** (اعراف۔ ۱۵۷) انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں ایک مسئلہ جو سامنے آتا ہے وہ سخت اور جابرانہ احکام اور غلط رسوم کو ختم کرنے کی ذمہ داری ہے۔

دسواں قدم ! **مبشرین اور منذرین** ہے

گیارھواں قدم ! **لیخرجکم من الظلمات الی النور** (احزاب ۴۳)

بارھواں قدم : **یاایھا الذین امنو استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم** (انفال ۲۴) زندگی بخش احکام کی دعوت دینا ہے۔

مذکورہ آیات سے انبیاء علیہم السلام کی غرض تخلیق واضح ہو گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیراللہ کا خاتمہ محروموں اور مستضعفوں کی جابر اور ظالموں سے نجات اور توحید کا سنگ بنیاد نصب کریں گے' شرک و خرافات کو مٹانے کی کوشش کریں گے' لوگوں میں عدل و انصاف قائم کریں گے' نیکی کی ہدایت اور برائی سے روکیں گے' تزکیہ اور تعلیم یعنی انسانوں کی نشو و نما اور جاہلی تعصبات خودغرضی اور گناہوں سے پاک کریں گے' لوگوں کو اتنا باصلاحیت بنائیں گے کہ وہ خود عدل و انصاف قائم کریں گے' جابرانہ احکام اور غلط رسوم کو ختم کریں گے' جنت کی بشارت دیں گے اور عذاب الٰہی سے ڈرائیں گے' انسانوں کو اندھیرے سے نکال کر نور کی طرف لائیں گے اور زندگی بخش پیغام دیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حاصل تخلیق کائنات کے زمانے تک انسان کافی حد تک بگڑ چکا تھا مگر آپ نے چند سال میں دنیا کی کایا ہی پلٹ کے رکھ دی او۔ اپنے ذمہ کا سارا کام تمام کر دیا اور آخری خطبہ میں لوگوں سے منوا بھی لیا کہ ؛س غرض کے لئے میں آیا تھا وہ کام میں نے تم تک پہنچا دیا سبھی نے ایک زبان ہو کر کہا کہ آپ نے سارے امور کی تبلیغ ہمیں فرما دی' پھر آپ نے حا؛مل تبلیغ رسالت امامت علی علیہ اسلام کو نصب فرمایا جس پر اپنوں بنے غیروں نے حضرت علی کو ولایت امیرالمومنین پر مبارک باد دی اور اسی پر تکمیل دین کی سند ملی' اور ختم نبوت کی دلیل قطعی پر غرض رسالت منتج ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عمل اخلاق حسنہ اور افعال حمیدہ نے دنیا ہی سے آپ کو غرض تخلیق کائنات نہیں منوا لیا بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا :

لولاک لماخلقت الافلاک لولاک لما اظہرت الربوبیتہ - ۱۵)

آنحضرتؐ کی بعثت اور ماحول کی پستی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت چھٹی صدی میں ہوئی جو انسانوں کی مدون تاریخ کی سب سے تاریک صدی ہے' اس وقت ساری دنیا پر جہالت اور غیر انسانی کردار کے گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے' ہر خطہ زمین اور ہر قوم انسانی پستی میں تھی' عرب اس تاریک دنیا میں سب سے زیادہ تاریک تھا نہ صرف عرب کی سرزمین پتھریلی اور ریگستانی تھی بلکہ قوم کا مزاج بھی پتھریلا تھا وہ کسی صالح انقلاب کو قبول کرنا سنگین قومی جرم سمجھتے تھے اور ان کے کردار کے ریگستان کو انسانیت کے گلشن میں تبدیل کرنا ناممکن نظر آتا تھا مگر وحی کی بارش اور ہادیانہ زراعت کے ماہر اعظم کی محنتوں نے اس بنجر زمین میں کیسے چمن پیدا کئے

وہ آج بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ عرب کو انسان بنانے کا کام جس کے سپرد کیا جاتا وہ کہتا مردہ کا زندہ کرنا ممکن ہو تو ہو مگر عربوں کو انسان بنانا ناممکن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی ناممکن کو ممکن بنانے تشریف لائے تھے تاکہ قیامت تک پھر کبھی انسانوں کی اصلاح کرنا ناممکن نہ کہا جا سکے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے جب دنیا بہت بڑی تھی، اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لئے ایک انسان کی عمر کافی نہ تھی، بلکہ تمام انسانوں کی عمر درکار تھی ذرائع و رسائل وسائل تبلیغ و نشرو اشاعت اور سامان نقل و حمل بے حد کم تھے، بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے اس وقت ایک عالمی انقلاب لانا کتنا دشوار تھا اس کا اندازہ آج کا انسان نہیں لگا سکتا جب کہ دنیا کو سائنسی پھیلاؤ نے اتنا سمیٹ دیا ہے کہ ایک دن میں پوری دنیا کا نہ صرف طائرانہ بلکہ کافی حد تک تفصیلی دورہ ممکن ہے، بلکہ انسان سطح ارضی کے حصار کو توڑ کر فضاء لامتناہی کی سیر کر رہا ہے اور ابھی ابھی نکلی آواز آن واحد میں ساری دنیا کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے۔ آج انقلاب لانا آسان ہے مگر پھر بھی حکومت و جماعت کے بے شمار وسائل کے باوجود عالمی نہیں۔

بلکہ ایک چھوٹے سے ملک کی مختصر قوم میں انقلاب لاتے ہوئے برسوں لگ جاتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سیاسی انقلاب کے مقابلے میں اخلاقی اور کرداری انقلاب لانا بہت دشوار ہے اخلاقی انقلاب کچھ ایسے ہی دشوار کہ حکومت اور جماعت کی طاقت رکھنے والے اس کو لانے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔

آج جبکہ نشہ بندی کے محاذ پر حکومتیں اس طرح شکست کھا چکی ہیں کہ ان کی بے بسی قابل دید ہے الفاظ نہیں ملتے جن کے ذریعہ اس انسان کی تعریف کی جائے کہ جس نے ملک و دولت، سیاست و طاقت کے بغیر صرف نشہ بندی کے محاذ پر کامیابی حاصل نہ کی تھی بلکہ شراب، جوا، زنا، سود، رقص، موسیقی غرضیکہ

تمام انسانی دیرینہ عادات بد کو بند کرنے کی کامیابی حاصل کر لی تھی اور وہ بھی عربوں کے سنگلاخ مزاجوں میں۔ شر اور بدی کی یہ بندشیں صرف قانونی نہ تھیں۔

عہد حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں شراب حرام تھی تو نہ شراب کے لائسنس رکھنے والی دکانیں تھیں اور نہ غیر قانونی شراب کی بھٹیاں تھیں' زنا کو حرام کیا تو زنا کاری بند ہو گئی تھی' زنا کے اڈے کلاکاری اور فنون لطیفہ کی آڑ میں پیچھے نہ تھے' نہ ہی زنا کاری کلب ' ہسپتال اور تعلیم فلاح عامہ کے مرکزوں میں پناہ ڈھونڈ سکی تھی' نہ شریف گھروں میں بدکاری دست غیب قسم کا ذریعہ معاش بنی تھی بلکہ اسلام نے زنا کو حرام کیا تھا تو زنا کا جھنڈا اٹھانے والی قوم میں زنا کاری کا واقعی قتل عام ہو چکا تھا' جوا اور سود حرام تھا تو ریس ' بینکنگ اور سٹہ بازی کسی بھی چور دروازے سے جوا یا سود معاشرے میں داخل نہ ہو سکا تھا' بدتمیزی کے طوفان و سیلاب کو ایک انسان نے اپنے پیغام کی خوبیوں اور کردار کی طاقت کے ذریعہ روک دیا تھا اور شر اور بدی کے یاجوج ماجوج کو انسانی معاشرے میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے سر سکندری سے زیادہ مضبوط اسلام کا بند باندھا گیا تھا۔

کاش اس بند کو نفاق کے ذریعہ کھوکھلا نہ کیا گیا ہوتا ' سیاست و ملوکیت کے ذریعے اس میں شگاف نہ ڈالے گئے ہوتے تو آج اسلام کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ مسلمان قوم کے ہر فرد کی زندگی ایک دفتر تبلیغ ہو گی جسے چار و ناچار دوسری قومیں دیکھنے اور پڑھنے پر مجبور ہوتیں' دنیا یہی ہوتی مگر زمین آسمان بدلے ہوئے ہوتے' چودہ سو سال پہلے انسانیت نے یہی خواب دیکھا تھا جو خلفاء کے ہاتھوں شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا آج اسلام مسلمانوں کا شاکی ہے کہ : ؎

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
یا
شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر

تبلیغ و ہدایت میں حسب ذیل چیزیں شدید رکاوٹ بنتی ہیں۔

(الف) خاندان اور وطن والوں پر اثرانداز ہونا ناممکن ہے' وطن سے باہر اثرانداز ہو کر وطن میں بااثر ہونا سب کو آتا ہے لیکن خاندان وطن میں بااثر ہو کر باہر اثرانداز ہونا بلاشبہ دین و دنیا کی تبلیغ کی تاریخ میں صرف محمدی خصوصیت ہے۔

(ب) جاہلوں کو سمجھانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ترین کام ضرور ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت یونان میں نہیں ہوئی جہاں علم و حکمت کے چراغ روشن تھے بلکہ بعثت کے وقت جو قومیں متمدن تھیں اور اپنی ایک ترقی یافتہ تہذیب رکھتی تھیں مثلاً ایران یا روم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہاں کی بجائے عرب میں مبعوث ہوئے جس عرب کا ذائقہ اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اسے مردہ جانور کا متعفن گوشت لذیز ترین غذا معلوم ہوتا تھا۔ تنگ نظری ایسی بڑھی تھی کہ دولت کی تقسیم کے خوف سے باپ بیٹی کا گلا اپنے ہاتھ سے دبا دیتا تھا' ذہن اتنے مسخ تھے کہ بت پرستی اور شگون لینے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے' فکر اتنی گر چکی تھی کہ خود فراموش عوام خود پرست سردار کے حوض میں دوسرے قبیلے کے اونٹ کے ایک گھونٹ پانی پی لینے پر چالیس سال تک اپنا اور اپنی نسل کو خون بہانے پر ناز کرتے تھے' پاکیزہ رشتوں پر نہیں بدکاری پر فخر کرتے تھے۔ دشمن کا گلہ کاٹنا ان

کو تسکین نہ دیتا تھا بلکہ گلہ کاٹ کر دشمن کا خون پیتے تھے اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ چباتے تھے۔ دشمن کے اعضاء کاٹ کر ہار پہننے میں اپنی جیت سمجھتے تھے مختصر یہ کہ آج کی روشن صدی میں بھی عراقی عوام نہیں بلکہ علماء کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرتے ہیں۔

آل حکیم رحمتہ اللہ علیہ کا پورا خاندان جس بے دردی سے قتل کیا گیا اہل نظر پر مخفی نہیں نیز شاہ فیصل نوری السعید اور عبداللہ کی لاشوں کو سڑک پر کھینچتے ہیں اور لاشوں پر سے سواری گزارتے ہیں۔ تو سوچئے وہ عرب جو اسلام اور زمانے کی موجودہ ڈیڑھ ہزار سال کی ترقی سے ناآشنا تھے اور عرب کے اندر کنویں کے مینڈک بنے ہوئے تھے ان کا حال کیا ہو گا ؟ ان متعفن انسانوں میں چالیس سال خاموش زندگی بسر کرنا اور ۲۳ سال میں ان کو بدل ڈالنا بس ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کام تھا جن پر عمل و علم کی تاریخ ختم ہوتی ہے۔

یہودیت کی خرابیاں

یہود ایک ایسی قوم ہے جو نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سنوری نہ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے کیا کچھ نہیں کیا، جتنی آسانیاں اس قوم کو نصیب ہوئیں شاید بلکہ یقیناً کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوئی۔ مگر یہ قوم اپنے نبی سے اس وقت بھی مذاق کرتی رہی اور بعد از پیغمبر انہوں نے جہاں ان کو پیغمبر مانا وہاں ان کے احکام میں ترمیم و تنسیخ جیسے گھٹیا فعل سے بھی اجتناب نہ کیا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث برسالت ہوئے مگر اس متکبر و خود پرست قوم نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔ آخر کار یہ ذلیل قوم اپنی بدکرداری، بدمزاجی سے ہر دور میں زیر عتاب رہی ہے۔ شاہان بابل کا قید خانہ ہو یا ٹیٹوس اور

ہارڈین کی جنگیں ہوں یا عیسائی حکومت قسطنطنیہ کا غیض و غضب ہو مگر اس بدبخت قوم نے گذشتہ مصائب سے کوئی سبق حاصل نہ کیا' یہ خونخوار اور مفسد' مکار قوم ہر دور میں اور ہر جگہ لوگوں کو فریب اور مکاری سے لوٹتی رہی اور لوگوں کا خون بہاتی رہی' اس کے نتیجے میں ان پر ظلم کیا جاتا' ان کا خون بہایا جاتا اور مختلف سزائیں دی جاتیں۔ جو ان سفاکوں کو تعاقب کر کے دی جاتیں آخر کار یہ قوم عرب میں تلاش سکونت میں پھرتی پھرتی آئی۔ خیبر اور مدینہ کو اپنا مسکن بنا لیا' اور یہاں کے ماحول کو گندہ کرنا شروع کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت تک ان کی بدکاری بام عروج تک پہنچ گئی تھی۔

عیسائیت کی خرابیاں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بسیار کوشش کے باوجود اس قوم نے اپنی جہالت اور انسانیت سوز افعال کو ترک نہ کیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کی مجلس مشاورت کے صدر پال (پولوس) نے اس مذہب کو بگاڑنے کی سعی مذموم کی اور اس نے خالص عیسائیت کو خارجی عقائد سے آلودہ کر دیا' مختلف مکاتب فکر پیدا ہوئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کے لئے کئی ایک عقائد گھڑے گئے عیسائیت مسخ ہو کے رہ گئی۔

پہلی صدی میں عیسائیت کے مخترعہ عقائد کی ترویج و ترقی کے لئے اہم قدم اٹھائے گئے اور مختلف مقامات پر مدرسے قائم کئے گئے۔ دوسری صدی میں عیسائیت بدنظمی اور جنگ و جدال کا شکار ہو گئی اور جو پہلے فرقے تھے ان میں مزید خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اب یہاں عیسائیت کے مختلف فرقوں کا تذکرہ ضروری جانتا ہوں۔

فرقہ مارکونائیٹ

جو **مادیین** کا مشہور و معروف فرقہ تھا وہ اصولاً دو وجود کا قائل تھا ایک کامل الخیر اور ایک کامل الاثر اور تیسرا وجود واسط بھی مانا جاتا تھا۔ جس کا نام زمرج تھا جو وجود الوہیت کے درمیان کہا جاتا تھا ان کے عقائد میں تہذیب زردشتی کا اثر پیدا ہو گیا۔

فرقہ والینٹین

(والطینوس یا باطنیون) ان کے عقائد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوہر الوہیت کا ایک لاثانی پیکر تھے' جو زمین پر حاکم تاریکی کی سلطنت کو غارت کرنے کے لئے نازل فرمائے گئے تھے۔

فرقہ افائیٹس ۔ امفیون

اس کا عقیدہ مادہ پرستوں والا تھا وجود دہر کی ازلیت کا قائل تھا۔

فرقہ پیراکوس

اس فرقہ کا بانی پیراکوس (ذاقوس) تھا عیسائیت میں وہم پرستی کی تعلیم پھیلانے والا پہلا شخص ہے وہ باپ بیٹے روح القدس میں فرق نہ جانتا تھا اسی وجہ سے تمام مبلغین سے بازی لے گیا۔

فرقہ مانیٹوس

مانیٹوس (**ملنیطوس**) نے تمام علوم اور ان کی جامعیت کو بالکل بے ضروری بتلا دیا اور اپنے آپ کو مولود مسیح ٹھہراتا جلد ہی اس نے ڈھیروں مقلد پیدا

کر لیے۔

فرقہ مانویہ

اژ رنگ مانی کافی علوم پر دسترست رکھتا تھا اس نے ایک نئی شریعت کی بنیاد ڈالی جو اغراض انسانی و نفسانی کو بھی پوری کر سکتی تھیں۔ اور مقاصد قلبی و روحانی کو بھی۔

فرقہ سبیلین

تیسری صدی میں سبیلین فرقے کا آغاز ہوا جس نے تہذیب مسیحی میں ایک اختلاف کو پیدا کیا عیسائیت میں بد نظمی کا باعث بنا۔

فرقہ ایرین

چوتھی صدی میں فرقہ ایرین پیدا ہوا اریوس نامی ایک شخص نے اپنے اعلم مجتہد کے ارشادات کے بالکل خلاف نہایت دلیرانہ اور بیباکانہ طور پر عموماً تمام ملک و قوم میں یہ صدائے احتجاج بلند کی کہ کرائسٹ ہرگز ذات خدا کے ساتھ مشترک نہیں ہے عیسائیت میں تفریق پیدا ہو گئی اور مختلف مذہبی بدعتیں عام ہو گئیں۔
ساتویں صدی میں فرقہ مانوتھیا لیٹین پیدا ہوا۔

بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قبل عیسائیت کئی ایک فرقوں میں بٹ چکی تھی، بد نظمی اور بدامنی کا دور دورہ تھا، ہر طرف قتل و غارت لوٹ مار حیوانی مظالم اور ذات عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیقات و تفہیمات کا محققانہ انداز اختیار کر کے نت نئے جھگڑے پیدا کر دیئے گئے۔ روحوں کی پوجا ہونے لگی، مقررین قوم کے مجسمے قابل پرستش تھے، قبور پرستی شیوخ پرستی دونوں عالمگیری ہو

رہی تھیں اور اس طرح عیسائیت کفر پرستی بنا دی گئی تھی۔ اس وجہ سے قومی ملکی و معاشرتی حالتیں بھی بالکل افسوسناک ہو گئی تھیں' علاوہ ازیں مشرق و مغرب کے حالات پر سکون نہ تھے' فراعین کی کمی نہ تھی بت پرستی' جنسی خواہشات اور دیگر افعال خبیثہ پر فخر کیا جاتا تھا۔

قبل بعثت عرب کی خاص حالات

اب آخر میں مختصراً جزیرہ عرب کے حالات تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کے وقت ماحول کی پستی کا اندازہ ہو سکے۔ خانہ کعبہ (بیت اللہ) بتوں کا گھر مشہور تھا اور ہر قبیلے کا اپنا ایک بت تھا کسی ایک آدمی کی حکومت نہ تھی بلکہ ہر قبیلے کی ایک اپنی حکومت تھی' یہ تمام کے تمام قبیلے خدا کے اصول و ہدایت سے واقف تھے نہ قانون سیاست سے آشنا' ایک خالص آزاد قوم تھی اور کامل جاہل جن کی آزادی محض حیوانی تھی' قبل بعثت اہل عرب حقیقتاً کسی الہامی مذہب کو نہیں مانتے تھے ان کو خدا کے وجود سے بھی انکار تھا اور حشر کے منکر تھے۔ وہ اپنے آپ کو قیود قانونی اور حدود رسمی سے بالکل مبرا و منزہ تصور کرتے تھے۔

عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں

عرب کے قبائل کی خرابی دین کا تذکرہ کرنے کے بعد اب مختصراً ان کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ عورتیں ہر معاشرے کا زیور ہیں' عرب قبل بعثت جو عورت کی توہین کرتے تھے۔ شاید ہی کسی اور شے کی کرتے تھے۔ شادیاں ان گنت کرنا' بے حیائی پر آمادہ کرنا' سوتیلے بیٹے کا اپنی سوتیلی ماں سے عقد کرنا' لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینا اہل عرب کے لئے فخر و

مباہات کی بات تھی۔ گویا معاشرہ صرف مردوں کے لئے قائم ہوا ہے عورت کو زندہ رہنے یا زندہ رہ کر عزت سے جینے کا کوئی حق نہیں۔

سفاکی ' خونریزی ' راہزنی ان کی فطرت تھی خون کا بدلہ خون ہی تھا۔ دیت قبول کرنا اپنے لئے ننگ و عار جانتے تھے' دیوؤں ' جنوں روحوں کو مانتے تھے۔ ٹونکوں اور بدشگون لینے میں مضبوط عقیدہ رکھتے تھے۔

عرب کے الہامی مذہب

قبل بعثت چار الہامی مذہب بھی ایک حد تک رائج تھے ان میں قدیم ترین مذہب صابی تھا اس مذہب کے پیروکار حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کو اپنا نبی مانتے تھے۔ اہل کتاب کو صحیفہ شیث کہتے تھے ' ان کے مذہب میں بعد میں آکر کچھ خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ جن میں ستاروں کی پرستش قابل ذکر ہے۔

مذہب ابراہیمی

قبل بعثت اس مذہب کے ماننے والے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے دین کے ہی پیروکار تھے اور اس بات پر عمل پیرا تھے' بت پرستی کے خلاف تھے' جن میں بنی ہاشمؑ ' بنی عبدالمطلبؑ' حضرت ابوطالبؑ اور حضرت عبداللہ علیہم السلام کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں علاوہ ازین مذہب یہود اور مذہب عیسوی بھی رائج تھے۔

بعثت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ان حالات میں کہ جب چاروں طرف ایک طوفان بدتمیزی کھڑا ہو اور لوگ

کوئی بات اپنے عقائد کے خلاف سننے کے لئے تیار نہ ہوں ایسے ماحول میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۲۳ سال میں انقلاب اعظم پیدا کر دیا۔ چالیس سال تک آپ نے اپنے کردار سے نہ ماننے والوں سے اپنی شخصیت کا لوہا منوالیا۔ تو ۲۷ رجب کو آپ نے اعلان رسالت فرمایا۔ آپ نے سب سے پہلے اپنی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ بنت خویلد سلام اللہ علیہا تک پہنچایا جس پر وہ سچے دل سے ایمان لائیں۔ اور آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جو برابر آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی رسالت کی عظمتوں کے پہلے سے عینی شاہد تھے۔ آپ کے دعویٰ رسالت کے سب سے پہلے گواہ بنے پھر روز بروز دوسرے افراد تک بھی یہ آواز پہنچ گئی اور اکا دکا لوگ آپ کے دعوے پر ایمان لاتے رہے۔ مگر ابھی تک تبلیغ رسالت رازداری کے ساتھ خاص خاص لوگوں کے سامنے کی جاتی تھی۔ اور علی الاعلان اپنی آواز بلند کرنے کا موقع نہ آیا تھا۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے انہیں بھی یہی حکم تھا کہ وہ مخفی طور پر اپنے مذہبی فرائض انجام دیں اور اس کی عام اشاعت نہ کریں۔

دعوت ذوالعشیرہ

تین برس اس طرح رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا ہونے کے بعد دوسری منزل یہ تھی کہ اپنے قریبی عزیزوں میں اعلان کیا جائے آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ دعوت کا سامان کرو چنانچہ سامان دعوت کیا گیا اور اس میں قریش کے افراد کو مدعو کیا گیا سب جمع ہوئے ان میں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دنیا اور آخرت دونوں میں بہتری کی ضامن ہے' میں خلق خدا کو توحید کی طرف بلانے پر

مامور ہوا ہوں، تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے گا تاکہ وہی میرا رفیق میرا وصی میرا خلیفہ ہو۔ مجمع میں سناٹا چھا گیا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس ایک جوان بخت بچہ تھا جو اٹھ کھڑا ہوا اور پورے زور سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں آپ کی مدد کروں گا۔ یہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے جو عملی طور پر پہلے ہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دست و بازو تھے اور اب اس طرح تمام حضرات کی موجودگی میں عہد وفاداری کر رہے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ یہ میرا رفیق، میرا وصی، میرا خلفیہ ہے۔ اس کو غور سے سنو اور اطاعت کرو۔

بحیثیت معلم آخر الزمان آپ کی تعلیم کا انداز

پیغمبر اسلام کی تعلیم کا خاص جوہر تمام افراد انسانی کی نگاہ کو مادیت کے احاطہ سے نکال کر ایک عینی طاقت کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ جس کے لحاظ سے تمام افراد انسانی یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ خالق کی توحید اور اخلاق کا اتحاد یہی وہ بنیادی اصلیں تھیں جن پر حقوق الناس کی عمارت بلند ہوئی اور تاریخ انسانی میں پہلے پہل شہری اور انسانی حقوق پورے طور پر عام انسانوں کو بالعلوم عطا ہوئے۔ جن سے وہ قومیت رنگ، جنس یا غربت و افلس کی بناء پر محروم رکھے جاتے تھے۔ اس نے پہلے کے تمام تفوق اور بلندی کے امتیازات مٹا کر ایک رنگ و نسل قومی امتیاز کا میعار قائم کیا۔ اور وہ یہ کہ فضلیت اعمال و افعال کی بناء پر حاصل ہوتی ہے جو شخص فرائض انسانی کو سب سے زیادہ انجام دیتا ہو وہ سب سے بہتر ہے اخلاق پر بہت زور دیا، حضرت فرماتے تھے کہ ”میں بھیجا گیا ہوں صرف اچھے

اخلاق کی تکمیل کے لئے" آپ کے ذاتی اخلاق افعال بھی اسی مقصد کے ترجمان تھے۔ آپ اتنی بڑی اسلامی جماعت کے سردار ہوتے ہوئے فقرائے مدنیہ کے ساتھ زانو سے زانو ملا کر بیٹھتے تھے اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتے تھے' رات رات بھر عبادت خدا ہوتی تھی اتنی کہ پیروں پر ورم آجاتا اور دن بھر قبائل عرب اور مختلف شہروں کے وفود سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ مسائل کا تصفیہ ہوتا تھا اور بڑے بڑے مسئلے حل کئے جاتے تھے' ایک انگریز مورخ (باسور تھہ سمتھ) نے لکھا ہے کہ تاریخ میں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سی ہستی بیک وقت اپنے فرائض انجام دیتی ہوئی نہیں مل سکتی' یعنی یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایک قوم کے بانی ہوئے ایک نئے نظام سلطنت کے بانی ہوئے' اور ایک مذہب کے بانی ہوئے ہیں' ایسی مثال کوئی دوسری نہیں مل سکتی۔ اس کے ساتھ آپ نے کبھی اپنے کو بادشاہ کہا جانا' سمجھا جانا' پسند نہیں کیا بلکہ اس سے انکار فرمایا۔

ایک دفعہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جونہی آپؐ کے سامنے کھڑا ہوا رعب سے کانپنے لگا آپ نے فرمایا اپنے آپؐ میں آؤ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو شوربے میں روٹی کو چورا کرکے (غریبانہ) کھانا کھاتی تھی۔ آپ کی عادتیں نہایت سادہ تھیں۔ تعمیر کے وقت مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے۔ بازار سے اپنا سودا خرید کر لاتے تھے' بلکہ ہمسایوں کا بھی خرید کر لادیتے تھے۔ عفو وکرم آپؐ کا خاصہ اور سختیوں کو ہمت کے ساتھ برداشت کرنا اور عزم و اطمینان کے ساتھ عمل کے جادہ پر قائم رہنا آپؐ کی سیرت میں نمایاں تھا۔ آپؐ کے طرز بیان کی خاص خصوصیت جامعیت تھی' چھوٹے چھوٹے جملوں میں آپؐ نے وہ اصول ودیعت کر دیئے ہیں جو انسانی زندگی

کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتے ہیں۔

بحیثیت معلم آخر الزماںؐ آپ کی تعلیم کا اندازہ

حضورؐ بحیثیت معلم

آمنہؑ کی گود میں پیدا ہونے والے بچے کے لئے مشیت نے طے کیا تھا کہ آج کا بچہ گذشتہ زمانے کا معلم اور آئندہ زمانہ کا ہادی ہو گا جس نے زندگی کی کڑی دھوپ میں باپ کی محبت اور ماں کی شفقت کا سایہ بھی نہ پایا جس مولود کے لئے اوہان پرست اور بدشگونی پر اعتقاد رکھنے والوں کا عقیدہ تھا کہ بچہ (معاذ اللہ) منحوس ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے باپ مرگیا بچپن میں ماں کا سایہ اٹھ گیا' دادا بھی زیادہ زندہ نہ رہے (سبز قدمی) جس کے لئے مشہور کی جا رہی تھی' اس کو خاندانی کے بزرگ عبدالمطلبؑ و ابوطالبؑ نہ معلوم کن آنکھوں سے دیکھ کر فخر خاندان و نازش زمانہ سمجھ رہے تھے' ہوا بھی یہی کہ کل کا یتیم انسانی قوم کا باپ ثابت ہوا' بے سہارا جینے والا بے سہاروں کا مرکز زندگی نکلا' غریب شہر عزیز دھر ہوا مقصود اس وقت کا تذکرہ ہے جب انسانیت کو سمجھانے والا اپنے جسمانی قدم سنبھال کر نہیں اٹھا سکتا تھا بلکہ دو جوانوں (علی اور فرزند عباس) کے کاندھوں پر بوجھ دے کر گھر سے (جس کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے) آنا چاہتا ہے مگر قدم نہیں اٹھتے بلکہ زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں علیؑ و فاطمہ علیہما السلام کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اب موت کی طرف بڑھ رہے ہیں' ناتوانی رگوں میں دوڑ رہی ہے' منبر کی ایجاد کرنے والا منبر پر آخری بار جا رہا ہے اور اس لئے جا رہا ہے کہ آخری بار انسانوں کو کردار کے عالمی انقلاب کی کلیدی بات کو ذہن نشین کرا دے' یعنی قانون کو ہر حال پر' ہر شخص پر' ہر جذبے پر' ہر مصلحت

پر بالاتر رکھنا۔ نسل انسانیت کے لیے مکمل قانون آچکا ہے لہٰذا اس میں ترمیم یا جدید تدوین کا بیکار کام نہ کرنا' حلال محمدؐ حلال ہے قیامت تک کے لئے کیونکہ ضرورت مجبوری کا مکمل جائزہ لے کر قانون میں ایسی لچک رکھی گئی ہے جو حالات پر حاوی ہے لہٰذا زمانے کے حادثات کے باوجود یہ قانون بوسیدہ نہ ہو گا اور جس طرح لاکھوں سال تک دنیا آباد رہے گی حقیقت تو برحال ایک حقیقت ہے اور حقیقت بدلا نہیں کرتی' اس طرح حقائق کے خالق نے اپنے مکمل اور غیر تجرباتی علم سے جس قانون کی تشکیل کی ہے وہ بھی ناقابل ترمیم ہے۔ جس قانون کے مخالف ماحول میں گرفتار شخص کو اپنے انکار کا حکم دیا ہو (تقیہ) اس میں ترمیم کی کوئی ضرورت نہیں قانون مضطربوں کے لئے لچک رکھتا ہے لیکن حیلے بہانے اور من مانی کرنے کے لئے بیشک کوئی لچک نہیں رکھتا بلکہ ایسے مواقع پر قانون اسلام اپنے ماننے والوں سے اپنے لئے برتری کا مطالبہ نہیں کرتا۔

غرض یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تقریر کی جس کا خلاصہ میں نے اپنے الفاظ میں درج کیا ہے۔ اور تقریر کے بعد قانون کی برتری اور بالاتری کے لئے آپؐ نے کہا میری موت قریب معلوم ہوتی ہے' لہٰذا اگر کسی کا حق میرے ذمہ ہو تو طلب کرے ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ آپؐ کا تازیانہ مجھے لگ گیا تھا۔ جو آپؐ اونٹ کو مار رہے تھے اس کا بدلہ چاہتا ہوں' پہلے ذہن میں صورتحال کو محسوس کریں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مطالبہ حق کا حق دیکر بتایا عرش الٰہی سے جس کی تلقین برتر رہی وہ بھی قانون سے بالاتر نہیں بلکہ صاحب معراج پر بھی قانون بالاتر ہے اس سے زیادہ قابل توجہ یہ بات ہے کہ آپؐ نے قانون کی بالاتری کو اس طرح راسخ کر دیا تھا کہ ایک گلہ گو آپؐ سے تازیانہ کا انتقام لینے کھڑا ہوتا ہے' تقریر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سن کر اٹھنے

والا شخص نہیں اٹھا تھا بلکہ عوام میں قانون کی بالاتری کا جذبہ جاگ اٹھا تھا۔ تقریر نمائش نہ تھی لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ بلا دلیل مان لیا کیونکہ شخصیت کو بچانا مقصود نہ تھا بلکہ شخصیت پر قانون عملاً بالاتر ثابت کرنا تھا۔ قانون کتنی برتری حاصل کر چکا تھا کہ انتقام کا مطالبہ کرنے والا کہتا ہے کہ بدلہ تب لوں گا جب تازیانہ وہی ہو گا جو مجھے لگا تھا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تازیانہ آپ کی اکلوتی بیٹی فاطمہ علیہا السلام کے پاس تھا سلمانؓ تازیانہ لینے بھیجے گئے اور انہوں نے جانے سے انکار نہیں کیا بلکہ چلے گئے۔ کیونکہ آپ صرف صحابی نہ تھے بلکہ رفیق مقصد تھے جناب فاطمہ علیہا السلام نے پوچھا کہ بابا سفر میں جاتے وقت تازیانہ لیتے تھے آج کیوں مانگا ہے جب کمزوری ایک قدم اٹھنے نہیں دیتی۔ سلمانؓ نے پورا واقعہ بتایا بیٹی نے تازیانہ لا کر دے دیا یعنی خدمات اور محبت و رشتہ پر قانون نے بالاتری حاصل کی۔ فاطمہ علیہا السلام کو باپ سے بے پناہ محبت کے باوجود تازیانہ دینے میں ہچکچاہٹ نہ ہوئی کیونکہ آپ صرف رسول زادی نہ تھیں بلکہ جزو نبوت شریک کار رسالت تھیں۔ بھرے مجمع میں تازیانہ آیا انتقام لینے والے کو دے دیا گیا تازیانہ لے کر اٹھا منبر تک آیا علیؑ' سلمانؓ' ابوذرؓ' عمارؓ' یاسرؓ اور باقی مسلمان اس منظر کو دیکھ رہے تھے' مادی آنکھیں منظر کو دیکھنے کی تاب نہ لا کر بند ہو جانا چاہتی ہیں مگر بصیرت کی آنکھوں کے سامنے ہدایت کا عالم تاب چہرہ بے نقاب آرہا ہے بدلہ لینے والے نے منبر کے پاس رک کر کہا جب تازیانہ لگا تھا میں برہنہ تھا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قمیض اتار دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم اطہر سے پراہن اتارا اور انسانیت کو پہنا دیا۔ دل سینوں میں قید تھا پھٹ جائے جب بدلہ لینے والا تازیانہ لے کر منبر پر چڑھ رہا ہے' ابر سے آفتاب جس طرح ایک دم سے

نکل آتا ہے اسی طرح سے منظر اچانک بدلا اور تازیانہ مارنے والا تازیانہ مارنے کی بجائے مہر نبوت کو بوسہ دے رہا تھا۔ اور کانوں سے یہ صدا ٹکرا رہی تھی میں نے مہر نبوت کا بوسہ لینے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی تھی' مسلمان کھل اٹھے' کشت انسانیت لہلہا اٹھی' مشیت مسکرا رہی تھی' رحمت جھوم رہی تھی' قانون کی بالاتری زندہ جاوید بن چکی تھی۔

دور دور شیطان کی سسکیاں بھی سنی جا سکتی تھیں ابھی سینوں میں دلوں کو قرار نہ ملا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میری موت قریب ہے' کسی کو کوئی حاجت ہو تو بتائے تاکہ اس کی حاجت برآوری کے لئے دعا کروں وہ غریب جو دولت کے لالچی' حکومت و اقتدار کے بھوکے' دنیاوی تمناؤں کے اسیر تھے کے کانوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ صدا ٹکرائی وہ عرب اب بھی تھے مگر مسلمان تھے یعنی انسان تھے لہٰذا دنیا کے بجائے دینی حاجتیں بیان ہونا شروع ہوئیں۔

ایک شخص نے کہا میں منافق ہوں میرے لئے ایمان کی دعا فرمائیں۔ اعتراف کی تاریخ ایسی لطیف مثالوں سے خالی ہے یا پھر ایسی مثالیں خال خال ملتی ہیں' حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے لئے دعا ایمان فرمائی۔

دوسرا شخص اٹھا اس نے کہا مجھے نیند زیادہ آتی ہے عبادت سے محروم رہتا ہوں' زبان جھوٹ کی عادی ہے' بے اختیار جھوٹ بولتا ہوں' منافق ہوں' عیوب ثلاثہ سے نجات کی دعا فرمائیں' حضرت عمر سے نہ رہا گیا فرمایا تم نے اپنے کو رسوا کر لیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو ڈانٹا کہ چپ رہو' اس کی جرات اعتراف لائق صد ستائش ہے۔ یاد رکھو آخرت کی رسوائی سے دنیا کی رسوائی بہت آسان ہے' پھر آپ نے دعا فرمائی منبر سے اترے چند دن بعد حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر نہ مٹنے والے اجالے چھوڑ کر آغوش زمین میں پنہاں ہو گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر ختم ہوا امت کا سفر شروع ہوا جو حوض کوثر پر ختم ہو گا۔

جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے اپنی عظیم امانت اسلام اور اس کی امانت دار اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں پوچھیں گے' نبی کے پاس اسی کو جگہ ملے گی جس نے آپ کی امانتوں میں خیانت نہ کی ہو گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کو یکساں تعلیم دی ہر ایک نے اپنے ظرف کے مطابق حاصل کیا' جیسا کہ بجلی ہر ایک تار میں یکساں آتی ہے' گرڈ اسٹیشن سے بجلی کا سوئچ آن کرنے والے کسی سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھتے' ہر گھر میں یہ نور پہنچتا ہے' مگر ہر جگہ روشنی ایک جیسی نہیں ہوتی کہیں ۱۰۰ وہاٹ کا بلب ہے' کہیں ٦٠ وہاٹ کا' کہیں ٤٠ وہاٹ کا' کہیں ٢٠ وہاٹ کا اور کہیں مرکری لائٹیں روشن ہیں۔ بس جتنا جس کا ظرف ہوا اتنا اس نے نور حاصل کیا۔ بس یہی مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طلباء کی ہے درس سبھی کو ایک ہی دیا گیا۔ مگر سیکھا سبھی نے ایک جیسا نہیں اور جو نالائق شاگرد تھے ان کو **قوموا عنی** کے ذریعہ یونیورسٹی سے خارج کر دیا اور لائق طلباء کو **منا اهل البیت** کا تحفہ دیکر کلاس کا مانیٹر بنا دیا۔

تعلیم رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ حضرات نے یہ بھی اخذ کیا اور یہ امید لگائے رہے اور اسی امید پہ کوئی فوت ہو گیا اور کسی نے اس امید کا ثمر کھایا وہ امید پیر محمد اشرف کے مقالہ غلبہ دین حق سے عیاں ہو رہی ہے' حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد بہبود انسانیت تھا نہ کہ ایک سلطنت کا قیام' پیر صاحب لکھتے ہیں کہ چنانچہ سرداران مکہ کے کہنے پر عتبہ نے جو

گفتگو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کی اور جو تاثرات اس کی دل پر ہوئے اس نے اس کے چہرے کا رنگ بدل دیا تھا' اس نے واپس جا کر رپورٹ دیتے ہوئے کہا :

اس کی (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) دعوت میں ایک عظیم قوت پوشیدہ ہے' یہ ایک بہت بڑی تبدیلی کی حامل ہے' کوئی انقلاب ہے جو موجودہ زندگی کا نقشہ زیر و زبر کرنے والا ہے اور میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کے حال پر چھوڑ دو' تم درمیان میں حائل نہ ہو اگر اہل عرب نے اس شخص کا خاتمہ کر دیا تو تم سستے چھوٹے اور اگر اسے غلبہ حاصل ہو گیا تو اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہو گی اور اس کا اقتدار تمہارا اقتدا ہو گا اور تم لوگوں میں سب سے بڑھ کر معزز ہو جاؤ گے۔

یہ عبارت لکھ کر پیر صاحب : اپنی رائے پیش کرتے ہیں یعنی سردار قریش عتبہ اس حقیقت کو پا گیا کہ اس دعوت کے پردے میں ایک عظیم سلطنت چھپی ہوئی ہے اور یہ اپنے اصلی ہدف یعنی اقتدار پر منتج ہو گئی اور آخر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی اس نصب العین سے کیسے غافل ہو سکتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایا قارئین کرام پیر صاحب جیسے حضرات تبلیغ و تعلیم رسالت کا نتیجہ ایک سیاسی انقلاب قرار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے جنہوں نے صرف سلطنت مراد لی انہی نے دین میں تفرقہ بازی کی بنیاد رکھی اور رسالت و امامت کو ملوکیت کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو گئے اور جو ابدی زندگی کے مشتاق تھے انہوں نے اقتدار کو ٹھوکر مار کر باغ میں مزدوری کرنے کو ترجیح دی۔

اولئک هم المفلحون

انداز تعلیم

سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ وہ کون سے اصول ہیں جن پر تعلیم و تبلیغ کی عظیم عمارت کی بنیاد رکھی جائے اس لئے مولانا شبلی نعمانی صاحب رقمطراز ہیں یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہئے۔

دنیا کو پہلی دفعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا' وہ مذہب بھی جو تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان صحیفوں نے ان کے لئے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی' لیکن صحیفہ محمدیؐ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا ہے کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی کس طرح دعوت دی جائے۔

" ادع الی سبیل ربک بالحکمتہ و الموعظتہ الحسنتہ و جادلھم بالتی ھی احسن " (سورۂ نحل آیت ۱۴)

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو ذاتی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلا اور ان سے مناظرہ خوش آئندہ طریق سے کر۔

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے عقل و حکمت موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن مسلمان معلموں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول ہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے

ہیں یعنی ایک تو یہ برہانیات جن میں یقینی مقدمات کے ذریعے سے دعویٰ کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں۔ دوسرے خطابیات جن میں مئوثر اور دل پذیر مقبول عام اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو موعظت حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔

خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آخر میں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرتے ہیں اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں عموماً تین طریقے برتتے ہیں یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں دلنشیں دلیلیں پیں کرتے ہیں یا اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور موثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ ان دلیلوں کو مناسب طریقہ سے رد کرتے ہیں اس کی سعی کو اس پر واضع کرتے ہیں، پہلے طریقے کا نام حکمت، دوسرے کا نام **موعظہ** حسنہ اور تیسرے کا نام جدال طریق احسن ہے۔ تبلیغ و تعلیم کے یہی تین طریقے اسلام نے بتائے ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں حکیمانہ استدلال ہو یا وعظ و نصیحت ہو یا جدال و مناظرہ ہو ضرورت اس بات کی ہے کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کیسی ہی اچھی اور سچی بات ہے لیکن اس قسم کے جذبات اس کے قبول کی استعداد اس سے سلب کر لیتے ہیں اور سننے والے میں اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ دھرمی پیدا کر دیتے ہیں جس سے دعوت کا فائدہ اور نعمت کا اثر باطل ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے مخالف سے مخالف دشمن سے بھی نرمی ہی سے بات کرنے کی تاکید کی

ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کی ہدایت ہوتی ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی ہدایت ہوتی ہے۔

" اذ هبا الی فرعون انہ طغی فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی " (سورۂ طٰہٰ آیت ۴۶ - ۴۷)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے تم اس سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے دعوت تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی داعی اور واعظ پیغمبر سے بہتر ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم ہو سکتا ہے اور پھر ایسے مجرم کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم جب پیغمبروں کو ہوتی ہے تو تمام داعیوں اور مبلغوں اور واعظوں کو عام مخالفوں، مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ رفق و ملاطفت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انداز تعلیم کچھ اس طرح اختیار فرمایا، پھر توحید کی ترغیب دی، عجائب قدرت کو بیان فرمایا، عذاب الٰہی سے تخویف اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہ کہا بعد میں مدنی زندگی میں مسلمانوں کی سیرت و کردار کی تعمیر اور سابقہ صحائف میں ترمیم کرنے والوں کی اصلاح اور صحیح احکام و واقعات کی نشاندہی فرمائی اور جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم فرماتے رہے آخر میں صادقین کے چناؤ کے ساتھ نصاریٰ سے مباہلہ کرنے کو تشریف لے گئے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چناؤ کا نتیجہ تھا کہ دیکھتے ہی نصاریٰ نے شکست تسلیم کرلی۔

منافقین کے لئے انداز تعلیم

کفار کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے ساتھیوں پر بھی کڑی نظر رکھی اور صحابہ کرام کی صفوں میں منافقوں نے شامل ہو کر تضحیک دین کے لئے بڑے بڑے بھیانک قدم اٹھائے' مسجد ضرار بنائی' مسلمانوں کی جاسوسی کرتے رہے' حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قتل کی بھی سازش کی گئی' جس پر شواہد النبوۃ سے دلیل کے طور پر یہ واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔

منافقین کے جنازے سے اجتناب

تبوک سے واپسی پر منافقین کی ایک جماعت نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب عقبہ پہنچیں تو انہیں وہاں گرا دیا جائے رات کے وقت عقبہ پہنچے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمام لوگوں کو براستہ وادی جانے کا حکم دیا لیکن خود عقبہ روانہ ہوئے۔ اور کسی کو اپنے پیچھے آنے کی اجازت نہ بخشی۔ آپؐ نے اپنے اونٹ کی مہار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اسے ہانکنے پر مامور فرمایا' اس طرح جب وہ عقبہ کی طرف جا رہے تھے تو پیچھے سے اچانک چند لوگ ظاہر ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا پیچھے جا کر ان کو واپس کر دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا جو انہوں نے بے خوف و خطر ان کے اونٹنیوں کے نتھنوں پر مارنا شروع کر دیا' منافقین خیال کرنے لگے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان کے مکرو فریب کا پتہ چل گیا ہے وہ عقبہ سے بسرعت نیچے اتر آئے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا' تمہیں ان میں سے کسی کی پہچان ہے ؟ انہوں نے جواب دیا ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے فلاں فلاں شخص کی سواری کو پہچان لیا' لیکن انہوں نے اپنے چہروں پر نقاب اوڑھے ہوئے تھے چونکہ سخت اندھیرا تھا اس لئے میں ان میں سے کسی کو شناخت نہ کر سکا' جب عقبہ سے گزر گئے اور صبح ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو یحییٰ تمہیں پتہ ہے منافقوں نے کیا منصوبہ بنایا وہ چاہتے تھے کہ مجھے عقبہ سے گرا دیں' حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیں تو فوراً ان کے سر کاٹ کر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا اے اسیدؓ مجھے یہ بات پسند نہیں کیونکہ لوگ کہیں گے کہ جنگ کے خاتمہ پر پیغمبرؐ نے اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ آپ کے صحابی تو نہیں ہیں آپ نے فرمایا وہ **اشھدان لاالہ الااللہ** کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا کہنے والوں کو قتل سے منع فرما دیا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نام بتائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کر دیا ہے' یہ بات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بغیر کسی کو نہ بتائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا کرتے تھے اور اگر وہ کسی کا جنازہ پڑھ لیتے تو حضرت عمرؓ بھی پڑھ لیتے ورنہ رد کر دیتے۔

بھلا آپ کے جانشین کیسے ایسے حضرات کے خلاف تلوار اٹھا سکتے تھے ورنہ عمل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو جاتا خلاف عمل رسول صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم شان خلافت نہیں ہے۔

خلق عظیم کے مالک کی بنا پر اہل عرب توحید سے روشناس ہوئے' دین سے متعارف ہوئے' اسلام کو سیکھنے پر مجبور ہو گئے' انسانیت کی عظمت سے آشنا ہو گئے' آپس کے تنازعات و مناقشات کو بھول کر نظم و اخوت کو اپنانے پر مجبور ہو گئے' آپؐ نے صرف کہا نہیں بلکہ کر کے دکھایا خود نہیں لوگ آپؐ کے کردار سے متاثر ہو کر صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ لاشعوری طور پر ان کے دل آپؐ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام (محمدؐ) کو گویا کہ بھول ہی گئے تھے۔ اور زبان پر صرف ایک ہی نام تھا صادق یا امین۔ اپنے فیصلے اور امانتیں آپ ہی کے سپرد کرتے تھے گویا آپ نے سب سے پہلے جو طریقہ تعلیم دیا وہ خود سازی ہے قرآن حکیم نے واضح فرما دیا :

لم تقولون مالا تفعلون ○ (سورۂ البقرہ)

یعنی جب آپ خود کو منوا لیں تو آپ کی بات ماننا آسان تر ہو جاتی ہے کسی سیاسی لیڈر کے سبز باغ دکھانے پر پبلک اس کے قریب تو آجاتی ہے مگر وہ قربت دیرپا نہیں ہوتی' جب تک اپنی سیرت و کردار کے ذریعہ لوگوں کو قریب نہ لایا جائے اس طرح لوگ اس کی بات ہی نہیں مانتے بلکہ اس کے لئے جان دینے میں بھی فخر محسوس کرتے ہیں۔

تعلیم کا دوسرا انداز

جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہمیں ملا وہ اخلاقی قدروں کا احترام کرتے ہوئے اپنے اقرباء کو دعوت اخلاق دینا ہے کیونکہ جب قریبی رشتہ دار

آپ کی بات مان لیں گے تو دوسروں سے منوانا آسان تر ہو جائے گا غیروں اور وطن سے دور مؤثر ہو کر وطن کو زیر اثر لینا آسان تو ہے مگر دیرپا نہیں کیونکہ اس طرح اپنے ہر مسئلہ کو اپنی انا کی خاطر مسترد کر دیتے ہیں کہ ہمارا ہو کر اس نے غیروں کو ترجیح دی لہٰذا ہم بھی غیر بن کر دکھائیں گے اور پھر جس کی اپنے مخالفت کریں غیر بہت کم اسے عزت دیتے ہیں اس کی اکثر باتیں غیر مؤثر ہو جاتی ہیں اور اگر کسی کے دل میں احترام ہو بھی تو اس کے رشتہ دار کی ملاقات پر ختم نہیں تو کمی ضرور ہو جاتی ہے' اس پوری بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ سب سے پہلے جب بھی کوئی اچھی چیز حاصل کرو اور تقسیم کرنا چاہو تو اپنوں کو زیادہ جانو اپنے وصول کریں یا نہ کریں تمہارا یہ اخلاقی فرض ہے کہ پہلے اپنوں کو دو اور اگر اپنے حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے قتل کے درپے ہو جائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا درس یہ ہے کہ حق سے پھر بھی نہ ہٹو اور وہاں سے ہجرت کر جاؤ اور پھر وہاں بیٹھ کر ان کی اصلاح کرو۔

تعلیم کا تیسرا انداز

اب اس تعلیم کا حلقہ اتنا وسیع کر دیا گیا کہ اپنوں کے ساتھ ساتھ غیر خاندان میں تبلیغ شروع کر دی گئی۔ مختلف مذاہب کی اصلاح کے لئے اہم قدم اٹھائے گئے اور مختلف ممالک میں دین اسلام پھیلانے کی سعی مشکور کی گئی مستضعفوں کو نجات دلائی گئی اور ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جو دنیا میں مثالی معاشرہ کہلانے کا حقدار ہے جس کے بعد حسن معاشرت کی انتہا ہے جس پر انسانیت ہمیشہ نازاں ہے جس میں حقیقی عدل و انصاف یقینی ہے۔

چوتھا انداز تعلیم

انسانوں کی تعمیر سیرت و کردار ہے تا کہ جو بھی معلمین و مبلغین دیگر ممالک میں بھیجوں تو وہ خود اعمال خیر میں اتنی دلچسپی لیتے ہوں کہ ان کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہو لوگ انہیں دیکھ کر ہی اسلام قبول کر لیں اور یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ماسوائے منافقین کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس مشن کو کامیاب بنا دیا وہ صحابہ کرام جو سچے دل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لائے اور اس ایمان پر قائم رہے اور اسی ایمان پر وہ دنیا سے چلے گئے ان پر میرا سلام ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں میں جذبہ اخوت کو اجاگر کرنے کے لئے عرب و عجم ، کالے اور گورے اور نسلی امتیازات کے حجابات کو چاک کر کے ایک تقویٰ کا درس عظیم دیا جس سے ہر انسان آسانی سے ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے عزت و کرامت صرف متقی کے نصیب میں آئی اگر کوئی عجم میں بیٹھ کر دعوت حق دیتا ہے تو عرب والے یہ مت سوچیں کہ وہ ایرانی ہے عجمی ہے وہ تمہیں عجم کی طرف نہیں بلا رہا اللہ کی طرف بلا رہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیروی اسی میں ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انداز تعلیم ایجابی بھی ہے جیسے نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، عدل و انصاف کی سربلندی کی کوشش کرنا، نیکی کا حکم دینا وغیرہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انداز تعلیم سلبی بھی ہے جیسے ظاہری و باطنی برائیوں سے پرہیز کرنا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انداز تعلیم ذہنی بھی ہے جیسے زمین و آسمان کی پیدائش ان کے درمیان بھری ہوئی مخلوقات چلتی ہوئی ہواؤں فضا میں پھیلے ہوئے بادلوں، پہاڑوں اور چوپاؤں وغیرہ کے بارے میں تفکر و

تعقل کرنا' حج و جہاد کی تعلیم کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے' روزہ واعتکاف کی تعلیم کا تعلق روح کی پاکیزگی سے ہے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تعلیم مادی بھی ہے جس سے مال کی طہارت بھی ہوتی ہے اور اس میں کئی گنا برکت بھی ہوتی ہے' جیسے زکوٰۃ و خمس کی ادائیگی' نیکی و خیرات کے کاموں میں خرچ' سماجی بہبود کے امور میں حصہ لینا' غرض یہ تعلیم انسان کو امور زندگی کے عقائد و نظریات اقدامات احساسات بنیادی ضروریات دنیا اور آخرت میں اچھے انجام کا ہر لحاظ سے نظم وضبط کے دائرے میں رکھے ان اعمال کا تعلق اپنی اصلاح سے ہو اس معاشرے کی تنظیم سے بھی اور دنیا بھر کی جملہ اقوام کے ساتھ روابط سے بھی لیکن ہر صورت میں یہ ایسے رابطہ باہمی کے دائرے میں ہونا چاہئے جن کی ہمہ گیری جنگ و صلح دونوں حالتوں میں ضروری ہے باہمی حالات کو ختم کرنے کی تعلیم بھی عطا فرمائی کہ جو کچھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل میں ہے یا جو کچھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے دل میں ہے سبھی ایک ہی تسبیح کے دانے ہیں' شریعت اسلامی کی روشنی میں احکام خداوندی کے مطابق عدل و انصاف آزادی و مساوات کا درس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز تعلیم سے جو درس ملا وہ یہ ہے کہ زندگی عمل کا دوسرا نام ہے لیکن وہ عمل کہ جس کی بناء خیر پر ہو اور اس کا انتساب صرف اور صرف اللہ کو کرنا چاہئے عمل وہی کار آمد ہے جو اللہ کے لئے کیا جائے جو ریاکاری ہو اس سے آرام و سکون کی نیند بہتر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انداز تعلیم کو عظیم اخلاق کی حسین و جمیل چادر میں قوم کے سامنے کچھ اس طرح پیش کیا کہ خالق اکبر کو برملا کہنا پڑا :

انک لعلی خلق عظیم

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں آیہ کریمہ کے انداز بیان میں غور کرنے سے یہ فرق خود بخود واضح ہو جاتا ہے خلق عظیم کی خصوصیات اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے چار تاکیدی ذکر فرمانے کے بعد خلق عظیم کا اعلان فرمایا ہے پہلی تاکید حرف (ان) سے' دوسری تاکید (لام) سے' تیسری تاکید (ان اور لام تاکید کے درمیان مقدر سے) چوتھی تاکید (جملہ اسمیہ کے ذکر) سے' جو دوام اور استمرار کو چاہتا ہے چنانچہ مفسرین کرام نے اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

" انک یا محمد و اللہ لعلی خلق عظیم "

ان تاکیدوں کے بعد خلق عظیم کے الفاظ سے اس اہم عہدے کا اعلان فرمایا ہے جس میں خلق اور عظیم دونوں کو نکرہ بیان کیا گیا ہے جب کہ علم بلاغت کا یہ قانون ہے کہ مقام میں نکرہ' مدح میں تعظیم یا تکثیر کے لئے لایا جاتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق خلق کی تنکیر تکثیر کے لئے ماننا ضروری ہے ورنہ اگر اس کی تنکیر کو بھی تعظیم کے لئے فرض کر لیا جائے تو پھر عظیم کا ذکر تاکیدی قرار پائے گا حالانکہ تاکید اور تاسیس دونوں احتمالوں میں تاسیس یعنی نئے فائدے کو ترجیح ہوا کرتی ہے اور تاسیس کا فائدہ تب ہی حاصل ہو گا جب خلق کی تنکیر کو تکثیر کے لئے تسلیم کیا جائے تاکہ عظیم کے ذکر سے نیا فائدہ حاصل ہو تو اب بلاشبہ آیہ کریمہ کا معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب بے شک آپ کے خلق کثیر ترین عظیم ترین ہیں اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ خلق کی تنکیر سے جس

کثرت کا اعلان فرمایا گیا ہے اس سے اس کے ابہام کو کثرت اور عظمت پر محمول کیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کے اخلاق کثرت تعداد کے لحاظ سے بے حد و حساب ہیں نیز فرماتے ہیں کہ دوسرا فرق یعنی آپ کی اخلاقی عظمت کا ادراک عقل سے ماورا ہونا بھی عظیم کے لفظ سے واضح ہے کیونکہ عظیم کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ چیز احاطہ ادراک حسی یا ادراک عقلی سے باہر ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے متاع دنیا کو قلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ احاطہ ادراک میں ہیں۔ اور آپ کے اخلاق کو عظیم فرمایا کیونکہ احاطہ ادراک میں نہیں چنانچہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں عظیم آنست کہ از حیطہ ادراک بیرون باشد اگر محسوس باشد از حیطہ ادراک باصرہ بیرون بود اگر معقول است ادراک عقل بداں محیط نہ توان شد وے تعالیٰ خلق آں حضرت را عظیم خواند و فضیلتے کہ اوداد عظیم گفتہ احاطہ عقل از ادراک کنہ آں قاصر باشد یعنی عظیم وہ چیز ہوتی ہے جو ادراک سے باہر ہو اگر وہ حسی ہے تو ادراک بصر سے اور عقلی ہو تو ادراک عقل سے باہر ہو گی جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور ان کو عطا کردہ فضیلت کو عظیم کیا ہے تو اب اس کی حقیقت کے ادراک سے عقل قاصر ہو گی۔

نیز فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں علیٰ کی یہ خصوصیت ہے کہ اپنے ماقبل کا اپنے مابعد پر استعلا و بلندی ظاہر کرتا ہے اس لئے آیہ کریمہ کا معنی یہ ہو گا کہ اے پیارے حبیب آپ خلق عظیم پر غالب و مستعل ہیں یعنی آپ کے مغائر خلق کا کوئی وجود نہیں بلکہ آپ کا وجود ہی خلق کے وجود کے لئے کافی ہے آپ ہی خلق کے مالک اور منشاء ہیں اور جب چاہیں جیسے چاہیں جتنا چاہیں اپنے بحر خلق میں سے کسی کو مستفیض فرمائیں اور یوں ہی آپ سے اخذ کرنے والا جب چاہئے جتنا چاہئے اس کو اس وقت اور ایسے ہی اخلاق حسنہ میسر ہوں گے گویا اخذ کرنے

والے کی استعداد و استطاعت پر موقوف ہے کہ وہ کس طرح اخذ کر سکتا ہے منشاء کامل ہے اور پوری آب و تاب سے موجود ہے' چنانچہ علامہ نابلسی وغیرہ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے :

وانک لعلی خلق عظیم ○

انے مستعل علیہ مالک

لا ھو مالک لک

اور پھر فرمایا

ھنا غایتہ الکمال ان علیک المقامات ویکون فیھا علی حسب مایرید

کہ آپ خلق عظیم پر غالب اور اس کے مالک ہیں اخلاق آپ پر غالب یا مالک نہیں یہی انتہائی کمال ہے کہ آپ تمام مقامات کے مالک ہو گئے اور اپنی مرضی سے جیسے چاہیں تصرف فرمائیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں حقیقت آں است کہ ہیچ فہم و ہیچ قیاس بحقیقت مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و کنہ حال عظیم چنانچہ است نہ رسد و ہیچ کس اورا چنانکہ ہیست جزنشا سند یعنی حقیقت میں کوئی فہم و ادراک حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقام کنہ تک نہیں پہنچ سکتا جیسے آپؐ ہیں آپؐ کو کسی نے نہ پہچانا جب یہ معلوم ہوا کہ خلق عظیم کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات سے انتزاعی ہے تو اس سے درج ذیل امور ثابت ہوں گے۔

(۱) یہ کہ آپؐ کی ذات سے صرف عظیم صفات ہی منسوب ہوں گی کیونکہ انتزاعیات کا وجود منشاء سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ جن صفات کے لئے منشاء ہے اس کے لئے وہی صفات حاصل ہوں گی۔

(۲) یہ کہ دائرہ امکان کے عظیم اوصاف میں سے کسی کا آپؐ سے استغناء نہیں ہو سکے گا کیونکہ منشاء سے انتزاعیات کا حصول تو ہو سکتا ہے مگر نفی کرنے سے انکار نہیں ہوتا۔

(۳) یہ کہ اخلاق و اعمال کی عظمت کا معیار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ہے لہذا وہی اخلاق و اعمال عظیم قرار پائیں گے جن کو آپ کی ذات سے نسبت ہو گی ورنہ نہیں کیونکہ انتزاعیات کا تحقق منشاء کے بغیر ممکن نہیں۔

(۴) یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عظیم کمالات کا ثبوت کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ خود منشاء کا وجود ہی انتزاعیات کے وجود کے لئے دلیل ہے۔

(۵) یہ کہ آپ کی ذات سے متعلق فضائل و کمالات کے بیان میں مبالغہ نہیں ہو سکتا کیونکہ منشاء سے متعلق انتزاعیات کی کوئی حد نہیں ہوتی کہ اس سے تجاوز کا سوال پیدا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین حق کی تعلیم و تبلیغ میں کیا کیا دکھ نہیں اٹھائے لیکن مسلمانوں کو سکھا دیا کہ میرا ایک طریقہ تعلیم ثبات قدم بھی ہے دین حق کی تبلیغ و تعلیم ہو مگر اس میں جبر و اکراہ نہ ہو دین کے لئے لڑنا واجب ہے مگر ذاتی رنجشیں دخل انداز نہ ہوں اگر کبھی ذاتی غصہ جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہونے لگے تو پھر کافر کے قتل سے ہاتھ کھینچ لینا اس کے سینے سے اٹھ آنا اور تلوار نیام میں رکھ لینا کئی گناہ زیادہ ثواب کا حامل ہے۔ جنگ سے قبل دعوت اسلام اور اس کے بعد نہ لڑنے کی تلقین ضروری ہے۔

جب اسلام سے انکار کریں اور مقابل لڑنے پر مصر ہو تو پھر اس وقت تک جنگ بند نہ کرنا جب تک فتنہ ختم نہ ہوجائے' آج بھی اس ظلم کے دور میں مسلمان کہلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے علاوہ روس و امریکہ کو سپرپاور ماننے والوں میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو روس اور امریکہ سامراجیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتی ہے کہ سپرپاور تم نہیں سپرپاور اللہ ہے اور تعلیمات محمد آل محمد علیہم السلام پر عمل پیرا ہے اللہ پر توکل اور اپنے عمل و کردار کے نتیجے میں الحمدللہ وہ کامیاب ہے اور کامیاب رہے گی فتنہ ختم ہونے تک' اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف کروا لینے تک اس کی جنگ جاری ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے تمام انسانی مسائل حل ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سب کچھ بتا دیا' توحید کا درس دیا دین بتایا' اسلام سمجھایا' انسانیت کی عظمت سے روشناس کرایا' اتحاد' تنظیم اور اخوت و مروت کی ترویج کی اور تنازعات و مناقشات سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی اخلاق و مساوات زہد و تقویٰ' حقوق العباد رواداری معاشرت صرف بتائی ہی نہیں عمل بھی کر کے دکھایا آپ کو اس تعلیم کے صلے میں پتھر مارے گئے' راستے میں کانٹے بچھائے گئے' گالیاں دی گئیں' طائف سے دل شکستہ واپس آر ہے تھے کہ اللہ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا اگر حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دوں مگر آپ نے حق کا ساتھ دیا اور صبر کا دامن تھامے رکھا کہ شاید کوئی مسلمان ہو جائے میری بات سمجھ لے۔

اس بوڑھی عورت کی عیادت بھی فرمائی جو کوڑا کرکٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالنا ثواب جانتی تھی' عقبہ ابن ابی معیط نے نماز کی حالت

میں گلے میں چادر ڈال کر کھینچا آپ گھٹنے کے بل گر پڑے لیکن رحمت عالم نے کچھ نہ کہا۔

مکہ جہاں آپ نے بچپن جوانی گزاری اور اپنے عزیز و اقارب خصوصاً حضرت ابوطالب علیہ السلام جیسی شفیق ہستی اور حضرت خدیجتہ الکبریٰ علیہا السلام جیسی محسن ہستی چھوڑی۔

مدینہ کو اپنانا پڑا اور جس عالم میں مکہ چھوڑا سب پر عیاں ہے جب دوبارہ اس مکہ میں تشریف لائے اور فاتح کی حیثیت سے تشریف لائے تو سب کو آزاد کر دیا۔

اعزا ' اقربا ' احباء سے سلوک امت مسلمہ سے برتاؤ دوستوں اور ہمسائیوں کے حقوق امور سلطنت کے مسائل کی تعلیم دے رہے ہیں ' مسجد کی تعمیر میں خود پتھر ڈھونے میں پیش ہیں خندق کھودنے میں اصحاب کے شانہ بشانہ ہیں اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا رہے ہیں چٹائی یا زمین پر لیٹ کر اینٹ یا پتھر کا تکیہ بنا کر شدت فاقہ سے شکم مبارک پر پتھر باندھ کر انکسار کا درس دے رہے ہیں حج کے فرائض ' تجارت ' جنگوں میں حصہ لے کر اہم امور کی نشاندہی فرما رہے ہیں۔ یتیموں ' بیواؤں ' اسیروں ' محتاجوں ' مسکینوں کی ضروریات علیحدہ پوری فرما رہے ہیں محنت کشوں اور غریبوں کی ہمت افزائی اور شریفوں کی پزیرائی علیحدہ فرما رہے ہیں آپ کی زندگی اخلاق سے عبارت ہے آپ ہمیشہ حق کی حمایت توحید کی اطاعت غریب کی اعانت مریض کی عیادت مظلوم کی وکالت مقروض کی ضمانت صلہ رحمی امربالمعروف نہی عن المنکر علم و عدل و انصاف مساوات صداقت پر زور دیتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کا اندازہ اقوال اعلیٰ

سے لگایا جا سکتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی منزل مقصود حاصل کر سکتا ہے۔

(۱) دو اشخاص میں مصالحت کرا دینا روزہ نماز اور صدقہ سے مرتبہ میں بڑھ کر ہے۔

(۲) اسلام کی بہترین چیزوں میں سے بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔

(۳) جھوٹ ایمان سے بالکل الگ تھلگ ہے اور جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

(۴) جس شخص نے مزدور کی مزدوری کے معاملے میں ظلم سے کام لیا اللہ اس کے عمل ضائع کر دے گا اور جنت کی ہوا اس پر حرام ہے۔

(۵) اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کرنا۔

(۶) منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کہے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے

(۷) سب سے بہتر عمل کسب حلال ہے۔

(۸) تین شخص جنت میں داخل نہ ہو سکیں گے ہمیشہ شراب پینے والا ، قطع رحمی کرنے والا ، اور جادو کی تصدیق کرنے والا

سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی ایک واحد ذریعہ ہے کہ جس کی اتباع میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ خدا ہمیں تعلیمات حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

بچوں کی تعلیم و تربیت کا طریقہ

بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اگر انسانیت کی تاریخ میں کوئی انسان قابل ذکر ہے تو وہ صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات والا صفات ہے آج اس ترقی کے زمانے میں دنیا بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دے رہی ہے اور اس قیمتی سرمائے کو انسانیت کی ترقی و ترویج کے لئے کار آمد بنانے کے لئے والدین کو مختلف نوعیت کی ہدایات دی جا رہی ہیں کتابوں پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں سائیکالوجسٹ الگ طبع آزمائی فرما رہے ہیں پوری دنیا کے لئے بچوں کی تعلیم و تربیت ذہنی نشوونما کی بالیدگی ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سکولوں میں تعلیم دلوانے کی سعی مشکور کی جاتی ہے لیکن یہ سارے حربے بیکار ہو جاتے ہیں ساری کوششیں رائیگاں جاتی ہیں جس کو راہبر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ راہزن بن جاتا ہے جس کو روحانیت کی تربیت و تعلیم دی جاتی ہے وہ مادیت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوتا ہے۔ جس کو انسان بنانا درکار ہوتا ہے وہ حیوانیت میں زیادہ خوش رہتا ہے یہ سب آخر کیوں ؟ اس کی وجہ جو میری سمجھ میں آئی ہے اور حقیقتاً یہی ہونی چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم نے ذرائع تعلیم و تربیت ان سے حاصل کئے جو مادہ پرست ہیں جو ڈاکو لٹیرے ہیں جو ایٹم بم بنانے کو انسانیت کی ترقی کا کمال سمجھتے ہیں جو سٹاروار کی دھمکی دے کر اللہ پر توکل نہ کرنے والوں کی قیادت کرتے ہیں جو ہلاکت کو ترقی کا نام دیتے ہیں جو جنسی خواہشات کی ہر طرح تسکین' فراڈ' دھوکہ دہی' ڈاکہ' زنا کاری انسانیت سوز حرکات کو اطمینان کا نام دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی انسان کو انسان بنانے کے لئے اس

کے حالات کو بچپن سے سنوارنا ہو گا اس کو بچپن سے ہی ایک ایسا ادارہ مہیا کرنا ہو گا جو انسانیت کی فلاح و بہبود کا معیاری ادارہ ہو جو ڈاکہ ' زنا ' چوری 'فراڈ اور دیگر جرائم کو قانونی شکل دینے کی جسارت نہ کرے بلکہ جرائم پر سے لذت کی نقاب الٹ دے اور جرائم سے پیدا ہونے والی خباثت بد امنی لالچ خود غرضی اور دیگر خلاف فطرت پہلوؤں کو واضح کرے۔ بچوں کو ایسے والدین کی ضرورت ہے جو معاشرے کے مثالی افراد ہوں بچوں کو ایسی سوسائٹی کی ضرورت ہے جس کی بنیادیں انسانیت کی بھلائی پر استوار کی گئی ہوں ایسے مدرسین کی ضرورت ہے جن کے اقوال و اعمال و افعال میں تضاد نہ ہو جنہوں نے یورپ سے نہیں اسلامی مکتب سے تعلیم حاصل کی ہو۔

آج ترقی یافتہ دور میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر تجربے کیئے جا رہے ہیں اور پھر ایک نتیجہ اخذ کر کے دنیا کو تعلیم دی جاتی ہے اور آج دنیا اس نتیجے پر پہنچی ہے۔ کہ سب سے پہلے بچوں کی تربیت ماں باپ کا حق ہے اور ماں باپ بچوں کو ہر بات پر مت ٹوکیں سائیکالوجسٹ اس بات کی زور شور سے تلقین کرتے ہیں ہر وقت روک ٹوک نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہر وقت کی روک ٹوک بچے کو ضدی بنا دیتی ہے۔ یا پھر اس سے قوت فیصلہ سلب ہو جائے گی اور وہ تعمیری سوچ کبھی بھی نہیں سوچ سکے گا اس کو تعمیری پہلو بھی تخریبی نظر آئے گا اور وہ زندگی میں ہمیشہ پریشان رہے گا اس کے علاوہ سوسائٹی اور مدرسے کے بارے میں بھی ہدایات دی جاتی ہیں مقصد بات کرنے کا یہ ہے کہ آج جو تجربے کی بناء پر ہم کر رہے ہیں وہ غیر اسلام سے سب اخذ کر رہے ہیں کیوں نہ ہم انہیں چیزوں کو اس محسن انسانیت فخر دو جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حاصل کریں کہ جن کی سیرت پر عمل پیرا ہونا دین و دنیا کی بھلائی ہے اور پھر سائنس آج ایک تجربہ کرتی ہے کل

اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اہل علم کو معلوم ہے کہ ایک پینسلین کی ٹکیہ کتنے مراحل سے گزر کر موجودہ شکل میں پہنچی ہے اور کتنے سائنس دانوں نے طبع آزمائی کی ہے ہر ایک کا تجربہ علیحدہ تھا اور مضر رساں تھا اتنا نقصان اٹھانے کے بعد یہ ٹکیہ وجود میں آئی اور اب اس کو بھی آخری کہنا مشکل ہے ممکن ہے کل کو اس کا ضرر تجربہ میں آجائے اور پھر ایک نئی ٹکیہ ایجاد کرنا پڑے مختصراً یہ کہ حکیم اور ڈاکٹر کے علاج کو ہی ملاحظہ فرمالیں حکیم کا تجربہ ڈاکٹر کے تجربے سے مخالف ہے ایک مرض کو دبانے کو مناسب جانتا ہے جس سے مریض کو فوراً سکون آجاتا ہے اور وہ اسی میں اپنی حفاظت سمجھتا ہے یہ مرض کل کو پھر ہو سکتا ہے اور مریض ادھر کا ہی رخ کرتا ہے اور یہ سلسلہ موت تک جاری رہ سکتا ہے اور دوسرا مرض کو نکال پھینکنے کو ترجیح دیتا ہے گو یہ وقتی تسلی کا باعث نہیں مگر دائمی علاج ضرور ہے یہ دونوں کے تجربات ہیں' مشاہدات ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں ایک مریض جس کے سامنے یہ دونوں علاج رکھ دیئے جائیں وہ کسی ایک کو اختیار کرنے میں کس قدر پریشان ہو گا' جلدی اور فوری آرام کا طالب اس کی طرف رجوع کرے گا جو مرض کو دبا دے اور مریض کو سکون حاصل ہو اور دائمی علاج کا خواہاں اس کی وقتی تکلیف کو کوئی اہمیت نہیں دے گا اور تسلی سے علاج کرائے گا یہی مثال دنیا میں ہر انسان کی ہے کہ وہ یا تو وقتی سکون کے لئے یورپ کی تربیت گاہوں میں کھو جائے گا اور دنیا کی ہر لذت سے محظوظ ہوتا رہے گا یا پھر ابدی سکون کی خاطر اس وقتی تکلیف کو بالائے طاق رکھ کر ایسی تربیت گاہوں میں آئے گا جہاں ہمیشہ کے لئے پرسکون رہے گا۔

دنیا آج نئے نئے تجربے کر کے ایک لائحہ عمل مرتب کرتی ہے اور باوجود بسیار کوشش کے پھر بھی بچہ ضدی 'چور' فریب کار بن جاتا ہے اور اگر کوئی اچھا

ہو بھی گیا تو وہ اپنی ذات کو سنوار لیتا ہے مگر اس کی اچھائی دوسروں کے لئے کم ہی مفید ہوتی ہے۔ انسان اگر غور سے سوچے تو اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ایک ایسی مثال ہے کہ جن کے نقش قدم پر چل کر ہم اپنی اپنے بچوں کی زندگی سنوار سکتے ہیں آؤ غلط کاروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے معصوم سے سیکھیں جن کا عمل کبھی غلط نہیں ہو سکتا اس سے سیکھیں جس کی تربیت سے کوئی علیؑ بنتا ہے کوئی فاطمہؑ کوئی حسنؑ کوئی حسینؑ بنتا ہے نئے تجربے وہ کرے جس کے سامنے کوئی لائحہ عمل نہ ہو جس کے رہبروں کے عمل میں شک ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل و کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کی تربیت و تعلیم کے لئے چند ضروری امور طے کرتے ہیں جس کی مثال دنیا کے کسی کونے میں ملنا ممکن نہیں اب یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری جانتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی زندگی میں جن بچوں کی تربیت کی وہ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت حسنؑ اور حضرت حسین علیہم السلام اب جہاں تک ہمارے عقیدے کا تعلق ہے وہ یقیناً ہم سے بالاتر ہستیاں ہیں مگر یہاں ہم صرف تعلیم و تربیت کو زیر بحث لا رہے ہیں کیونکہ یہی ہستیاں ہیں جو ہمارے لیے نمونہ عمل ہیں جو کچھ ہمیں سیکھنا ہے انہی سے سیکھنا ہے مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر عالم سجدہ میں حسن و حسین علیہما السلام آکر بیٹھ جاتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی مرضی کے مطابق سجدے کو طول دیتے ہیں جب کہ ہمیں اپنے بچوں کے لئے ایسا کرنے کا حکم نہیں بلکہ سجدہ ختم ہونے پر اپنے کندھے اچک وچک کے نیچے اتار دیں گے اور نماز تمام کرنے کے بعد سخت سے سخت تنبیہہ کریں گے ہو سکا تو ماریں گے بھی' کہ خبردار دوبارہ ایسا نہ کرنا' اللہ کے امور میں مداخلت نہ کرنا' لیکن حسن و

حسین علیہما السلام بیٹھ جائیں تو اللہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سر نہ اٹھانے کا حکم صادر فرماتا ہے قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے جہاں اس واقع سے معصومین علیہم السلام کی منزلت و شان و عظمت واضح ہوتی ہے وہاں ہمیں کچھ بچوں کی تربیت کا درس بھی ملتا ہے جس کو میں آگے چل کر واضح کروں گا۔

سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا پہلا درس جو ہمیں ملتا ہے وہ والدین کا اپنا ذاتی کردار ہے والدین بچے کی نشوونما پر سب سے زیادہ موثر ہوتے ہیں اب وہ والدین حقیقی ہوں یا رضاعی ہوں ان کا کردار سیرت اس قدر پائیدار ہونا چاہئے کہ بچے کو والدین کے کسی عمل میں تصنع نظر نہ آئے وہ بات ہی وہ کریں جس کو کرنا بھی جانتے ہوں ان کے قول و فعل میں تضاد بچے کے ذہن پر غلط اثرات مرتب کر سکتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ علیہم السلام کے کردار کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ حضرت عبداللہؑ تو خیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت سے قبل ہی اس دنیا سے چل بسے لیکن والدہ محترمہ چھ سال تک آپ کی زندگی میں زندہ رہیں یہ چھ سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بے حد پیارے تھے یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کچھ جناب آمنہؑ کے کردار سے سیکھا کچھ مناسب نہ ہو گا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بچپن میں کبھی بھی لھو لعب میں مشغول دکھائی نہیں دیئے۔ اور بچپن میں کسی لمحے بھی آپ کے کردار میں جھول نظر نہیں آتا لیکن دوسرے حضرات کے لئے جناب آمنہؑ یقیناً نمونہ عمل تھیں

اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بجائے عام بچہ ہوتا تو اس کے لئے ماں
کی ایسی تربیت نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھی اور بچہ بھی مثالی بچہ ہوتا۔

شفقت والدین

اولاد پر والدین کی شفقت و پیار ضروری ہوتا ہے اور یہی شفقت و پیار جو
بچوں پر دائمی اثرات مرتب کرتا ہے جس کے لئے مندرجہ ذیل مثالیں پیش کی
جاتی ہیں

**" فلما مر رسول اللہ صلعم فی عمرۃ الحدیبتہ بالا بوا قال ان اللہ قد اذن
لمحمد فی زیارہ قبر امہ فاتاہ رسول اللہ صلعم ماصلہ و بکی عندہ وبکی
المسلون بکاء رسول اللہ صلعم فقیل لہ ادر کتنی رحمتھا فبکیت "**

ترجمہ : (عمرہ حدیبیہ کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقام
ابوا پر پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنی والدہ گرامی کی قبر مبارک
کی زیارت کا حکم دیا ہے یہ فرما کر آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور
نیکیوں کے ساتھ والدہ گرامی کو یاد کیا اور رونے لگے آپ کو روتا دیکھ کر باقی
مسلمان بھی رونے لگے جب آپ سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا مجھے والدہ
محترمہ کی شفقت و مہربانیاں یاد آگئی ہیں جس کی وجہ سے میں بے اختیار رونے لگا
ہوں۔ چھ سال کے بعد آپ کی والدہ عالی قدر کا بھی انتقال ہو گیا جناب عبدا
لمطلبؑ نے دو سال بعد از وفات حضرت آمنہؑ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کی پرورش کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ نہایت
شفقت و مہربانی سے پیش آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہر
خواہش کا احترام کرتے تھے ایک بات اور ذہن نشین فرمالیں یہ غلط خواہشات وہاں

سر اٹھاتیں ہیں جہاں والدین نے اپنے کردار سے گھر کا ماحول غلط بنا دیا ہو جہاں دین سے زیادہ دنیا عزیز ہو جہاں خدا پر توکل کی بجائے امریکہ و روس جیسے فراعین کے ترانے گائے جاتے ہوں وہاں نیک خواہشات کی توقع عبث ہے لیکن حضرت عبدالمطلبؑ کے گھر کا ماحول اور حضرت عبدالمطلبؑ کا ذاتی کردار آئین الٰہی کا آئینہ دار تھا جہاں سوائے خدا کے اور کسی کا نام نہ تھا۔ جہاں صداقت ' امانت ' دیانت ' شرافت ' عبادت اور جملہ افعال حمیدہ کا درس دیا جاتا تھا یہاں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات کے حالات مقصود ہیں لہٰذا حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنے بیٹے عبداللہؑ کی نشانی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر خاص توجہ فرمائی اور ان کو ہر مقام پر ساتھ رکھتے تھے۔ اور تمام خاندان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عزیز رکھتے تھے جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے۔

" فلما توفیت قبضته الیه جده عبد المطلب و ضمه ورق علیه لم برق علیها علی ولده و کان یقربه منه و یدنیه و یدخل علیه اذا خلا و اذا نام "

ترجمہ : (جب جناب آمنہؑ نے وفات پائی تو حضرت عبدالمطلبؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش کی ذمہ داری لی اور حضرت عبدالمطلبؑ نے آپ کے ساتھ وہ حسن سلوک کیا جو اپنی کسی بھی اولاد کے ساتھ نہیں کیا تمام گھر والوں میں اقرب و اعزا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی تھے خلوت و جلوت میں آپ کو ساتھ رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ سویا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تربیت خاص کا دوسرا واقعہ جو حضرت عبدالمطلبؑ نے سر محفل اپنے فرزند کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

" و کان رسول اللہ صلعم مع جده عبد المطلب بن ہاشم و کان یوضع لعبد المطلب فراش فی ظل الکعبه فکان بنوه یجلسون حول فراشه ذلک حتی

یخرج الیہ لا یجلس علیہ احد من بنیہ اجلا لالہ قال فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یاتی وھو غلام حقیر حتی یجلس علیہ فیاخذ اعمامہ لیو خروہ عنہ فیقول عبدالمطلب اذا رای ذالک منھم دعوا ابنی فواللہ ان لہ لشا نائم یجلسہ معہ علیہ و یمسح بظھرہ بیدہ و یسرہ مایراہ یصنع"

ترجمہ : (جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا محترم حضرت عبدالمطلبؑ کی کفالت میں تھے ایک دفعہ ایک قومی مجلس ترتیب دی گی اور خانہ کعبہ کے زیر سایہ حضرت عبدالمطلبؑ کے لئے ایک مسند خاص بچھائی گئی اور آپ کی تمام اولاد اپنے اعزازی مناسب مراتب کے سبب اس مسند کے چاروں طرف بیٹھے تھے اور درمیان میں حضرت عبدالمطلبؑ کے لئے خاص جگہ چھوڑی گئی تھی اور ان کی ذاتی عظمت کے اعتبار سے آپ کے فرزندان میں سے بھی کوئی صاحب اس مقام خاص پر بیٹھنے کے مجاز نہ تھے۔ حسن اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت تک کم سن بچے تھے تشریف لاتے ہیں سیدھے اپنے دادا محترم کے مقام خاص پر جا بیٹھے آپ کے چچاؤں نے اٹھ کر آپؐ کو تھام لیا اور اپنے پاس بیٹھا لینا چاہا اس اثناء میں حضرت عبدالمطلبؑ آگئے اور یہ کیفیت دیکھ کر فرمانے لگے کہ میرے فرزند کو کیوں روکتے ہو چھوڑ دو خدا کی قسم اس کے لئے ایک شان خاص ہے یہ فرما کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مقام خاص پر لے کر بیٹھ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر اپنا دست شفقت پھیرنے لگے اور جو دل شکنی آپؐ کی ہوئی تھی اس کی تشفی و دل جوئی فرمائی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ برس کے ہوئے تو حضرت عبدالمطلبؑ نے بھی انتقال فرمایا اس طرح یکے بعد دیگرے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو رنج والم پہنچتا رہا قبل ولادت باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا چھ برس کے ہوئے تو والدہ کا سایہ اٹھ گیا آٹھ برس کے ہوئے دادا کا سایہ سر سے اٹھ گیا یعنی ایسا انسان جس پر نہ باپ کا سایہ اور نہ ماں کا سایہ نہ دادا کا سایہ حتیٰ کہ اپنا بھی سایہ نہ تھا۔ اس قدر بے سایہ انسان دنیا کے لئے رحمت کے سایہ کا سامان فرما گیا غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر میں زیر پرورش حضرت ابوطالبؑ آئے نگہبان رسالت (حضرت ابوطالبؑ) نے بھی ویسی ہی تربیت کی جیسی آپ کے دادا فرما چکے تھے تقریباً دادا محترم دونوں کی پرورش کے متعلق ایک ہی جیسے الفاظ ملتے ہیں طبقات ابن سعد کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

کان ابی طالب یحبہ شد ید ا لا یحبہ ولد ہ وکان لا ینام الا ا لی جنبہ ویخروج فیخروج معہ وحب بہ ابی طالب صابہ العیب مثلھا الشمئی قط

ترجمہ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوطالبؑ کو اس قدر شدید محبت تھی کہ ویسی اپنے کسی بیٹے سے بھی نہ تھی۔ راتوں کو اپنے پہلو میں لے کر سلایا کرتے تھے اور جہاں کہیں باہر جاتے آپ کو اپنے ساتھ لے کر جاتے اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا اس سے ابوطالبؑ کو بھی تکلیف پہنچا کرتی تھی۔

نیز دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو طالبؑ اور حضرت عبدالمطلبؑ کی تربیت میں کس قدر مشابہت ہے۔

" کان ابی طالب تلقی لہ وسادۃ یقعد علیھا فجاء النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وھو غلام فقعد علیھا فقال ابو طالب والہ ربیعہ ان ابن اخی لیحسن

بنعیم"

حضرت ابو طالبؑ کے لئے (دارا لندوۃ) میں مسند بچھائی گئی اس اثناء میں رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو اس وقت کمسن تھے تشریف لائے اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے اتنے میں ابو طالبؑ آگئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دیکھ کر فرمانے لگے ربیعہ کے خدا کی قسم میرے بھتیجے کے لئے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات طیبہ سے مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں دو پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔

(۱) بچے کی تربیت کے لئے شفقت و پیار اور محبت شدید کی ضرورت ہے اس جذبے میں جتنی صداقت ہو گی اتنا ہی بچے کی نشوونما پر اچھا اثر پڑے گا اور وہ اپنی ذات کے لئے ہی نہیں معاشرے کے لئے بھی مفید ثابت ہو گا۔

(۲) بچے کی تربیت کے لئے اس کی حوصلہ افزائی ضروری ہے کیونکہ جس قدر بچے کی حوصلہ افزائی ہو گی اسی قدر وہ زندگی میں ترقی کرتا چلا جائے گا اس کو اگر ایک علم کا باب تعلیم دیا جائے گا تو وہ ہزاروں باب خود کھول لے گا اور اس کے سارے کام تعمیری ہوتے چلے جائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن کمالات کا زمانہ طفولیت میں مظاہرہ ہوا یہاں ان کا درج کرنا بے حد مناسب ہے تاکہ جہاں تربیت کرنے والوں کا تذکرہ ہے وہاں تربیت کے اثرات بھی درج کرنا ضروری ہیں تاکہ واضح ہو جائے۔ کہ ایسی تربیت سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں مگر میں اس سے قبل

جناب حلیمہ سعدیہ اور اس کے گھر کے ماحول کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا یہ گوشہ بھی نمایاں اور واضح ہو جائے مختصراً یہ کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں نہایت درجہ کی سادگی تھی شرافت اور صداقت کا جذبہ نمایاں تھا صحت مند ماحول اور مناسب فضا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پروان چڑھتے رہے شہر کی فضا کی نسبت دیہات میں فضا پر سکون اور آلودگی سے پاک ہوتی ہے اور خصوصاً عرب میں فصیح الکلامی دیہات ہی میں پائی جاتی تھی۔ شہر میں مختلف شہروں اور ملکوں سے وفود کا آنا زبان میں نئے الفاظ کا اختلاط پیدا کر دیتا ہے لیکن دیہات میں ایسی بات نہیں ہوتی ان امور کے علاوہ بھی جناب حلیمہ سعدیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ اور ان کا خاص خیال کرتی تھیں دیہات میں جتنے بھی بچے رضاعت کے لئے لے جائے جاتے تھے ان کا کسی کی امانت ہونے کے سبب خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اپنی اولاد سے اسے فوقیت دی جاتی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حلیمہ سعدیہ کی محبت کچھ اس وجہ سے نہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسے ہی اپنی سواری پر سوار کر کے لائیں تو وہی سواری جو شہر میں آنے سے قبل سب سے پیچھے تھی اور جناب حلیمہ دوسری عورتوں کی منت کر کے ان کی سواریاں رکواتی تھیں اور پھر مل کر چلتی تھیں تو پھر جناب حلیمہ کی سواری پیچھے رہ جاتی' جونہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوار کیا گیا وہی سواری اتنی تیز ہوئی کہ اب روکے نہیں رکتی دوسری عورتوں کے استفسار پر جناب حلیمہ سعدیہ کو کہنا پڑا کہ یہ سب اس بچے کی وجہ سے ہے اور گھر میں دودھ کی فراوانی ہو گئی رزق میں برکت بڑھ گئی وغیرہ۔ یہی وہ کرامات تھیں جن کی وجہ سے جناب حلیمہ سعدیہ کے دل میں محبت شدید سے شدید تر ہوتی گئی صرف

جناب حلیمہ سعدیہ ہی محبت نہ کرتی تھیں بلکہ جناب حلیمہ سعدیہ کا شوہر اور ان کی اولاد بھی آپ سے بے حد پیار کرتے تھے۔

لہٰذا جناب حلیمہ سعدیہ نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے لئے مناسب ماحول ترتیب دیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تاریخی اعتبار سے تحریر کرنا مجبوری تھی ورنہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو خود مربی عالم ہیں۔

اسوۃ الرسول سے ایک عبارت نقل کی جاتی ہے جو مختصر اور جامع ہے فرماتے ہیں۔

محاسن اطوار قبل از بلوغ

اس وقت سے (بچپن سے) جوان ہونے تک آپؐ کی ذات بابرکت ان محاسن صفات سے تمام اعلیٰ اور یکتا جوہر ظاہر و آشکار ہونے لگے۔ جو عام فطرت انسانی میں نہایت کم بلکہ نہیں پائے جاتے تھے آپؐ کے تمام اعلیٰ قوائے مدرکہ اسی وقت فضل و کمال کے اس حدود انتہائی تک پہنچے ہوئے تھے جن تک انسان کی دسترس دشوار تھی قوائے عملی نظری اور حسی کے کمالات سے آپؐ کے تمام محاسن اعمال اور مکارم اخلاق واضح اور لائح تھے' نیک نفسی' سلامت روی' پاکیزہ طبعی' ہر طرز عمل سے ہویدا تھی۔ شرم و حیا' کرم و عطا' زہدو اتقا' صبرو تحمل اور عدل و انصاف آپؐ کے خاص شعار۔ صلہ رحمی' ادائے حقوق جار اور اعانت مظلوم آپؐ کے صفات ذاتی کے اصل میعار تھے۔ حلم و وقار' تواضع' راست گوئی اور امانتداری آپؐ کی فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر۔ غور و فکر' ترک علائق اور استحقاق فی الحقائق ترکیب طبع قدسیہ کے اصلی عنصر تھے مقدس طبیعت اچھی باتوں

پر جس طرح ہمیشہ راغب اور مائل رہا کرتی تھی اسی طرح بری باتوں سے کارہ اور متنفر رہتی تھی۔ امانتدار، دیانتدار اور صداقت شعار لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے جتنا میلان طبیعت تھا اتنا ہی مغرور ظالم کینہ پرور کج خلق اور خود غرض لوگوں کی صحبت سے احتراز و استحفاظ اختیار کیا جاتا تھا ان محاسن صفات کا اسوقت مکہ کے تمام قبائل اقوام پر اتنا اثر تھا کہ ہر فرد و بشر آپ کو ایک بڑی عظمت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ خلوت و جلوت کی صحبتوں میں آپ کا سکوت کم سخنی اور اکثر خاموشی حاضرین کے قلوب پر خاص اثر کرتی تھی۔ مجمع میں تکلم کے وقت لفظ لفظ سے صحت و صداقت و فصاحت و بلاغت کی اس کثرت سے گہر ریزی ہوتی تھی۔ کہ کسی کو مجال سخن نہیں ہوتی تھی، ابن سعد نے طبقات میں ان تمام صفات کو ذیل کی عبارت میں نقل کیا ہے طبری اور ابن ہشام میں بھی قریب قریب یہی عبارت درج ہے۔

" وشب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ابی طالب یکلاہ اللہ و یحفظہ یحوطہ من امور الجاھلیتہ و معائبھا لما یرید من کرامتہ و ھو علی دین قومہ حتی بلغ ان کان رجلا افضل قومہ مروۃ واحسنھم خلقا و اکرمھم مخالطتہ وا حسنھم جوارا واعظمھم حلما و امانتہ واصد قھم حدثیا والبعد ھم من الفحش ولاذی و مارای ملا حیا ولا ممارہا احد حتی سماہ قومہ الامین لما جمع اللہ لہ من الامور الصالحتہ فیہ فقد کان الغالب علیہ بمکتہ الامین و کان ابوطالب یحفظ و یعفدہ و ینصرہ الی ان مات "

ترجمہ : جناب رسالماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عم محترم حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حفاظت و نگرانی میں جوان ہوئے پرور دگار عالم نے ہر طریقہ سے آپؐ کی تائید کی اور مراسم جہالت کے تمام مصائب و مناقص سے

محفوظ و مصئون رکھا کیونکہ ان کرامتوں سے ارادہ مشیت میں آپؐ کی قوم کو دینداری کے طریقے پر لانا تھا یہاں تک کہ آپؐ ان تمام محاسن صفات سے آراستہ ہو کر سن بلوغ تک پہنچے تو تمام قبائل و اقوام میں باعتبار خلق و مروت کے افضل ترین حسن اخلاق میں نیک ترین باہمانہ مراسم و اتحاد میں اکرم ترین حلم و امانت میں عظیم ترین اور تقریر و بیان میں صادق ترین مردم تھے ایذا رسانی، فحش زبانی اور دیگر افعال خبیثہ رکھنے والے لوگوں سے زیادہ علیحدہ رہنے والے اور ہمیشہ احتیاط و پرہیز اختیار کرنے والے تھے کسی شخص نے آپؐ کو تند مزاج اور تلخ کلام نہیں دیکھا یہاں تک کہ تمام اقوام قریش اور باشندگان مکہ نے اس وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو "الامین" کا خطاب دیا اور حضرت ابی طالبؑ برابر آپؐ کی حفاظت و نگرانی اعانت اور نصرت فرماتے رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔

یہاں یہ کہنا نہایت ہی مناسب ہو گا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش و تربیت سب سے زیادہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے کی اور حضرت علیؑ کی تربیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کی۔ اب بھی اگر نعوذ باللہ حضرت ابوطالبؑ کو کافر کہا جائے تو اپنے ایمان کو پہلے خدا حافظ کہنا ہو گا' فرق تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں حضرت علی علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ " **انا عبد من عبید محمد** " "میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں" یعنی جن کی حضرت ابوطالب علیہ السلام نے تربیت کی وہ آقا بنا' اور جن کی تربیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کی غلام بنا' معلوم نہیں ایمان ابی طالب علیہ السلام پر شک کرنے والوں کو عقل کب آئے گی۔ غلام کی تربیت وہ کرے جو ختمی مرتب پیغمبرؐ ہو اور جو ختمی مرتب پیغمبر کی تربیت کرے وہ مومن

کیونکر نہ ہوگا وہ یقیناً وصی حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔

جب ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا سرسری جائزہ لے چکے تو اب یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کی تعلیم و تربیت کی اس کا انداز و طریقہ کیا تھا اور مذکورہ طریقہ تعلیم و تربیت کس قدر موافق ہے اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے آباؤ اجداد کا انداز تعلیم و تربیت ایک ہی ہے چنداں مختلف نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد خصوصاً حضرت ابوطالب علیہ السلام عمل پیرا رہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ آپؐ کا طریقہ اللہ کا طریقہ ہے' آپؐ کی اتباع اللہ کی اتباع ہے لہٰذا آپؐ کے عمل سے موافقت سوائے توحید پرستوں کے کسی اور سے ممکن ہی نہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن حضرات کی تعلیم وتربت فرمائی وہ حضرت علی علیہ السلام ' حضرت فاطمہ علیہا السلام حضرت حسنین علیہما السلام ہیں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی تربیت

تواریخ اسلام میں واقعہ ولادت یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام پر جب وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ بہ مشورہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں اور بارگاہ خدا کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگیں خدایا میں تو مومنہ ہوں خلیلؑ ابراہیمؑ بانی کعبہ اور اس مولود کا

واسطہ جو میرے پیٹ میں ہے میری مشکل دور کر دے۔ ابھی دعا کے جملے ختم نہ ہونے پائے تھے کہ دیوار کعبہ شق ہو گئی اور فاطمہ بنت اسد علیہا السلام داخل کعبہ ہو گئیں ولادت کعبہ کے اندر ہوئی۔ علی علیہ اسلام پیدا تو ہوئے لیکن انہوں نے آنکھ نہ کھولی۔ ماں سمجھی کہ شاید بچہ بے نور ہے مگر جب تیسرے دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اپنی آغوش مبارک میں لیا تو حضرت علی علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں اور جمال رسالت پر پہلی نظرڈالی سلام کر کے تلاوت صحف آسمانی شروع کر دی بھائی نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر اے علی جب تم ہمارے ہو تو میں بھی تمہارا ہوں' فوراً منہ میں زبان دے دی۔ عدم اربلی لکھتے ہیں "از زبان مبارک دوازدہ چشمہ کشودہ شد" زبان رسالت سے دہن امامت میں بارہ چشمے جاری ہو گئے اور علی علیہ السلام اچھی طرح سیراب ہو گئے۔

الغرض حضرت علی علیہ السلام خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے اور اس کے در پر علی علیہ السلام کے نام کی تختی نصب کر دی گئی اور یہ بورڈ ہشام بن عبدالملک کے زمانے تک لگا رہا آپ پاک و پاکیزہ طیب و طاہر اور مختوں پیدا ہوئے' آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی آپ کی پیشانی کبھی بت کے آگے نہیں جھکی اس لئے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے۔

آپ کی پرورش و پرداخت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی گود میں لے لیا اور حضرت علی علیہ السلام کے منہ میں زبان دے دی اور دودھ کی بجائے لعاب دہن رسالتؐ سے سیراب ہو کر لحمک لحمی کے حقدار بنے۔ اسی دوران جبکہ آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ عارضی طور پر پرورش پا رہے تھے' مکہ

میں شدید قحط پڑھ گیا حضرت ابو طالب علیہ السلام کے ہاں اولاد چونکہ زیادہ تھی اس لئے حضرت عباس اور سرور کائنات حضرت ابو طالب علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو راضی کر کے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے پاس مستقل طور پر لے آئے اور حضرت عباس نے بھی جعفر طیار کو لے لیا حضرت علی علیہ السلام سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس دن رات رہنے لگے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جملہ نعمات الٰہی سے بہرہ ور کر لیا اور ہر قسم کی تعلیمات سے بھرپور بنا دیا' یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام نام خدا قوت بازو بن کر یوم بعثت ۲۷ رجب کو کل ایمان کی صورت میں ابھرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تائید کر کے اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کا ہر طرح خیال رکھتے تھے نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے حضرت علی علیہ السلام کا خاص خیال فرماتے تھے۔ کہیں تشریف لے جاتے حضرت علی علیہ السلام ساتھ ساتھ ہوتے' جہاں قیام فرماتے حضرت علی علیہ السلام ساتھ ہوتے غرضیکہ بزم میں ہوں' رزم میں ہوں' مسجد میں ہوں' منبر پر ہوں' سفر میں ہوں' حضر میں ہوں' گھر میں ہوں' باہر ہوں' ہر جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو ساتھ رکھا' گو دشمنوں کے دلوں پر گراں گزرتا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے جانشین کو اپنی جگہ پر ہی بٹھاتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا جو اثر حضرت علی علیہ السلام نے لیا وہ سب پر روز روشن کی طرح واضح ہے' ان کے اظہار کے لئے تو سمندر جتنی سیاہی درختوں کے قلم پتوں کے کاغذ اور جن و انس کی کتابت ناکافی ہے۔ غرضیکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دار حکمت ہوں' دار رحمت ہوں' دار علم ہوں' دار صداقت

ہوں، دار شرافت ہوں، دار امانت ہوں، دار زہد و تقویٰ ہوں، دار حلم و سخا ہوں، دار شرم و حیا ہوں، دار کرم و عطا ہوں، دار سلامت روی، نیک نفس۔ پاکیزہ طبعی، صبر و تحمل، عدل وانصاف صلہ رحمی، ادائے حقوق جار، اعانت مظلوم، وقار، تواضع، غور و فکر، ترک علائق استحقاق فی الحقائق ہوں حضرت علی علیہ السلام ہی ان کے دروازہ ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات حضرت علی علیہ السلام سے صحیح معنوں میں حاصل کی جا سکتی ہیں اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ڈھونڈنا ہے تو حضرت علی علیہ السلام کے پاس تلاش کرو، یہ حضرت علی علیہ السلام کا کردار اور سیرت ہی تو ہے کہ جس نے حضرت علی علیہ السلام کو نہ ماننے والوں سے بھی چوتھے نمبر پر ماننے پر مجبور کر دیا ورنہ پختہ ارادہ ہو چکا تھا کہ علی کو ماننا ہی نہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے مگر کسی نے نہ مانا حضرت علی علیہ السلام نے کسی لمحے بھی حق کے خلاف کوئی کام نہ کیا بلکہ یوں کہنا زیادہ حق بجانب ہو گا کہ جو کر دیا وہ حق ہو گیا۔ اسی کردار و عمل کا نتیجہ ہے کہ آج دشمن بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب یہ بھی کہا جائے گا کہ حق علی علیہ السلام کے پاس تھا بلکہ ہے۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تعلیم و تربیت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت فرمائی وہاں بچیوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا اور ایسے معاشرے میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تربیت فرمائی جو بچیوں کو ننگ و عار اور زندہ دفن کرنے کو فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام صرف ایک اچھی خاتون ہی ثابت

نہیں ہوئیں بلکہ آپ سیدۃ النساء العالمین کے عظیم لقب سے یاد کی جاتی ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لڑکیوں کو رحمت فرمایا ہے اور لڑکوں کو نعمت الٰہی کا نام دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدۃ النساء العالمین کی پرورش نہایت پیار و محبت شفقت و مہربانی سے فرمائی ہروقت آپ کا خاص خیال فرماتے تھے جناب سیدۃ صلوٰۃ اللہ علیہا کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے تھے اور اپنی امت کو خاص تاکید فرمائی تھی کہ میرے جگر کے ٹکڑے کو کبھی بھی اذیت نہ دینا اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہو گی۔ اور اگر کسی وقت یہ کسی سے ناراض ہو گئیں اور ناراض ہی دنیا سے چلی گئیں تو پھر قیامت میں حیلے بہانے کام نہ آئیں گے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان پر کسی قیمت راضی نہ ہوں گے ایسے حضرات کی پہچان ہر مسلمان کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ان کے ساتھ کھڑے کر دیئے جائیں پھر شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سیدہ عالم علیہا السلام کی اسقدر تعظیم فرماتے تھے کہ جب بھی آپؐ سیدہ عالم علیہا السلام کو دیکھتے اپنی مسند شریف سے اٹھ کھڑے ہوتے جہاں دنیا والوں سے سیدہ عالم علیہا السلام کی عظمت کو منوانا مقصود تھا وہاں معاشرے کو بچیوں کی تعلیم و تربیت کا انداز بھی سکھانا تھا کہ بیٹی اتنی بری نہیں ہوتی کہ اسے پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جائے یا اس کی پیدائش پر اظہار غم کیا جائے بلکہ یہ تو رحمت الٰہی ہے اور رحمت الٰہی سے منہ نہیں موڑا جاتا اس کا کھڑے ہو کر استقبال کیا جاتا ہے عورت اگر آج بیٹی ہے کل ماں بھی ہے اس کا احترام نہایت ضروری ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سیدہ عالم علیہا السلام کی خواہشات کا نہایت احترام فرماتے " اکثر اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرتے رہتے تھے آپ کے

لب ہائے مبارک کا بوسہ لیتے تھے جس پر حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ جناب فاطمہؑ کے بوسے دیتے ہیں اور اپنی زبان ان کے منہ میں دیتے ہیں مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکیوں کے ساتھ پیار محبت سے پیش آنے کا درس اپنی امت کے لئے جاری رکھا۔ اور ہمیشہ اپنی پیاری اور اکلوتی بیٹی کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سارا بچپن عبادت الٰہی اور خدمت والدین میں گذرا۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابوجہل جو حضرت عمر کا ماموں تھا کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے حالت سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی گوبر بھری پشت مبارک پر رکھ دی جناب سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو خبر ملی آپ دوڑی ہوئی آئیں اور پشت سے اوجھڑی ہٹا دی اور پشت مبارک کو پانی سے دھو دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹی ایک دن یہ دشمن بھی مغلوب ہوں گے اور خدا میرے دین کو انتہائی بلندی عطا کرے گا نیز تاریخ میں ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام ایک شادی میں جانے کے لئے تیار ہونے لگیں تو پتہ چلا کہ جناب سیدہ علیہا السلام کے لئے کپڑے نہیں ہیں ماں اسی تردد میں تھیں کہ بیٹی کو احساس ہو گیا عرض کی مادر گرامی میں پرانے ہی کپڑوں میں چلوں گی، کیونکہ بابا جان فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمان لڑکیوں کا زیور حیا و تقویٰ ہے شرم وحیا سکھانے کے لئے پہلے خود کو اسی سانچے میں ڈھالنا ہو گا، بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ کی مکروہ اصطلاح سے خوش ہونے والے خودکشی کا شکار ہوتے اور بے غیرتی کی موت مرتے اکثر دیکھے گئے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی کو اچھے روپ میں دیکھنا پسند کرتے ہو تو سب سے پہلے اس پر خود عمل کرو دوسرا خود بخود اسی طرح کا ہو جائے گا جیسا آپ چاہتے ہیں ورنہ وہ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اگر یہ اچھا عمل

ہوتا جس کے لئے مجھے کہا جا رہا ہے تو اس پر پہلے کہنے والا خود عمل کرتا لہٰذا والدین کو بچے کے سامنے نماز ادا کرتا دیکھ رہے اور یہی سیکھیں گے اور اگر والدین بے حیائی کا مظاہرہ فرمائیں گے تو بچے بے حیائی ہی سیکھیں گے یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ نمازیوں کے بچے بے حیا ہو جاتے ہیں اور کچھ بے حیاؤں کے بچے باحیا ہو جاتے ہیں مگر یہ بہت کم ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا ہو جانے سے مسلمات بدلا نہیں کرتے اصول اصول ہوتے ہیں چاہے کوئی ان کا اثر قبول کرے یا نہ کرے اور پھر ایسا تب ہی ہوا ہے جب والدین کا آپس میں قول و فعل مختلف ہو مثلاً والد صالح ہے تو والدہ غیر صالحہ ہے اور اگر والدہ صالحہ ہے تو والد غیر صالح ہے' بچے کی اعلیٰ و احسن نشوونما کے لئے والدین کا (یعنی دونوں کا) نیک سیرت ہونا ضروری ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا جو کچھ جناب سیدہ علیہا السلام نے اثر لیا۔ وہ مندرجہ بالا چند واقعات سے واضح ہو چکا ہے۔ کہ بچپن میں آپ کا کردار کتنا عظیم ہے باقی عمر تو ارتقائی عمر کہلاتی ہے۔ لہٰذا یہ کردار و سیرت اتنا بلند و واضح تر ہوتا گیا کہ دنیا کو کہنا پڑا کہ سیدۃ النساء العالمین صرف حضرت فاطمۃ الزہرہ علیہا اسلام ہی ہیں۔

حضرات حسنین علیہما السلام کی تعلیم و تربیت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا سبھی کے لئے ایک جیسا انداز تھا بچوں سے پیار و محبت شفقت و مہربانی سے پیش آنا اپنا ذاتی کردار اور بچونکی حوصلہ افزائی تربیت اولاد کے لئے ضروری سمجھتے تھے جیسی جیسی کسی کی شان و عظمت اور منزلت ہوتی ہے ویسے ہی تعلیم و تربیت کا انداز ہوتا ہے

حضرات امام حسنین علیہما السلام کی تعلیم و تربیت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسی ہستی اور حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام جیسے حضرات ہی ہونے چاہیں، ان ہستیوں کا پشت مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سوار ہونا جہاں ان کی منزلت واضح کرتا ہے وہاں دنیا کو تعلیم بھی عطا کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے بچونکی کس قدر حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مجمع میں بتا دیا کہ ان کی شان بہت بلند ہے یہ ان کی شان ہے کہ دوران نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہوں عام انسان کے لئے یہ اجازت نہیں۔ مگر فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمتہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، یہ بات طے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے نواسوں کو ہر جگہ ساتھ رکھا مسجد ہو، منبر ہو، عیدین کی نمازیں ہوں جہاں بھی گئے ساتھ نواسے بھی گئے ان واقعات سے امت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ اہم سے اہم میٹنگ ہو جیسے بھی حالات ہوں کیسے بھی اشخاص ہوں وہاں اپنے بچوں کو اعلی منزلت واہمیت دو تاکہ وہ اپنی تعمیر سیرت و کردار کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر سکیں اور پھر ایسی بزمیں محفلیں منعقد کرو کہ جہاں آپ اپنے بچوں کو لے جاتے ہوئے جھجھک محسوس نہ کریں اور بچوں سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

اگر بچوں کو محفل، مجلس و مسجد میں لے جانا آپ نے مناسب نہ جانا تو بچہ آپ کی مصروفیات کو شک کی نگاہ سے دیکھے گا اور کسی شرپسند کے فائدہ کا باعث بن سکتا ہے اور پھر آداب مجلس و محفل بھی تب ہی آئیں گے جب محفل و مجلس میں جائے گا، اور پھر یہ بھی یقینی امر ہے آپ بھی اس کی موجودگی میں ناپسندیدہ افعال سے پرہیز کریں گے اور یہ بھی یقین کر لیں آج جس بچے کو آپ اپنے

ساتھ مسجد میں لے جا رہے ہیں اور وہ مسجد میں نماز سے کھیلنا شروع کر دیتا ہے تو اسے ڈانٹیں نہیں، نماز سے مانوس ہونے دیں آنے والا وقت بتائے گا آج جو بچہ نماز سے کھیل رہا ہے کل وہی نماز کے لئے قربان بھی ہو گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنے بچوں کے ساتھ محبت و پیار اور شفقت و ہمدردی اور حوصلہ افزائی کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے جسے آپؐ گڑتی سے تعبیر کرتے ہیں اس سے درس یوں دیا کہ بچوں کو اچھے انسان سے گڑتی دلوانی چاہئے آپ نے گڑتی کے طور پر اپنی زبان مبارک اپنے دونوں بیٹوں کے دہن مبارک میں ولادت کے بعد دی گڑتی کیا تھی علم و حکمت کے خزانے عطا کر دیئے، ایک معصوم نے دوسرے معصوم کو زبان دے دی۔ آپ دونوں شہزادوں سے بے حد پیار کرتے تھے آپ نے کبھی انہیں نواسے نہیں کہا جب بھی کہا اپنا بیٹا کہہ کر پکارا، اور قرآن کریم نے بھی فرزندان رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہونے کی تصدیق فرمادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دونوں شہزادگان کو بے حد دوست رکھتے تھے۔ اور دنیا کو بھی ان سے محبت کرنے کی ہدایت فرمادی جو بھی ان سے محبت رکھتا تھا اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے آپؐ دونوں معصومین علیہما السلام کو کندھوں پر بیٹھا کر سیر کراتے تھے اپنے شہزادوں کا منہ چومتے تھے۔ اگر دونوں شہزادوں میں سے کوئی بھی حالت سجدہ میں آپؐ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتا تو آپؐ منع نہ فرماتے تھے بلکہ اسی کے لئے سجدہ طویل فرما دیتے تھے آپؐ اکثر دونوں شہزادگان کی سواری بنے رہتے اگر کوئی خوش ہو کر یہ کہتا کہ کیسی اچھی سواری ہے تو آپؐ فرماتے کہ یہ کہو کہ کتنے اچھے سوار ہیں میرے تو اچھا ہونے کو تم جس طرح بھی مانتے ہو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے مین تو ان کو اچھا منوانے کے لئے اٹھائے پھرتا ہوں اور اگر کبھی منبر پر

خطبہ دے رہے ہوتے آیات کی تلاوت فرما رہے ہوتے اور جب سامنے سے حسنین علیہما السلام آجاتے۔ دامن عبا میں پاؤں الجھ جاتا اور آپ گر پڑتے اور آپ فوراً" تلاوت آیات چھوڑ دیتے اور شہزادوں کو اٹھا لیتے اور آغوش میں بیٹھا لیتے، پھر اپنا کلام شروع فرما دیتے حالانکہ عام انسانوں کے لئے اجازت نہیں کہ کلام الٰہی کو چھوڑ کر اپنے گرے ہوئے بچے کو اٹھانے دوڑے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیار و محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ بچوں کی تکلیف کا سن کر برداشت نہ کرتے تھے اور بے ساختہ رو پڑتے تھے۔

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ قال رایت النبی فیمایری النائم رات یوم بنصف النہار اشعث واغبر بیدہ قارورۃ منہادم فقلت بابی انت وامی ماھذا قال ھذا دم الحسین واصحابہ ولم ازل التقطتہ منذالیوم فاحضی ذالک الوقت فاجد قتل ذلک الوقت"

"عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوپہر کے وقت دیکھا پراگندہ بال اور غبار آلود آپؐ کے ہاتھ میں خون کی شیشی تھی میں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ کیا حال بنا رکھا ہے، فرمایا یہ حسینؑ اور اس کے اصحاب کا خون ہے میں آج کے دن صبح سے اس کو چن رہا ہوں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حساب کا شمار کیا تو وہ وہی وقت تھا جب حسین علیہ اسلام شہید ہوئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بات جو اہمیت کی حامل ہے وہ دوسروں کے بچوں کا احترام ہے آپؐ کے بچے کی عزت تب ہی ہو گی جب آپ

دوسروں کے بچوں کا احترام کریں گے ورنہ وہ سب امور بے کار جائیں گے جو آپ نے بچے کی تربیت کے لے انجام دیئے۔ لوگ آپ کے بچے کی اچھائی کو بھی مسترد کر دیں گے لہٰذا اپنے بچوں کی عزت اور عظمت منوانے کے لئے دوسروں کے بچوں کا احترام ضروری ہے۔

بچوں کے احترام میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ایک قوانین اور واقعات مختصراً جناب محسن قرائتی کی کتاب "نبوت" سے درج کئے جاتے ہیں۔

بچوں کا احترام

ایک نوزاد بچے کا نام رکھنے کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اس نوزاد نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا بچے کی ماں اور دوسرے لوگ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے' لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو میں اپنا لباس خود ہی دھو لوں گا تمہارا شور مچانا اس کا باعث ہو گا کہ یہ معصوم بچہ ڈر جائے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو سلام کرتے تھے

آپؐ بچوں کے ناموں کو احترام سے لیا کرتے تھے خاص کر لڑکیوں کے بارے میں بہت تاکید کیا کرتے تھے' آپؐ کے دین میں عورت کو اہمیت دی جاتی تھی اور یہ اسی کی کتاب ہے کہ جب لڑکی کا پیدا ہونا والدین کی نفرت اور غصہ کا باعث ہوتا یہاں تک کہ غصے کے مارے ان کے رنگ سیاہ ہو جاتے تھے۔

" واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسودا وھو کظیم (نحل ۵۸)

اس ماحول میں بچوں اور خاص کر لڑکیوں کا احترام بہت ہی عظیم چیز تھی۔

ہاں جس زمانے میں لڑکی رکھنا باپ کے لئے عار اور شرمندگی کا باعث تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ آپ کی بہترین اولاد آپ کی لڑکیاں ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے اس کو خبر ملی کہ اس کی بیوی کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے اسے غصہ آیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو فرمایا زمین اس کا گھر۔ آسمان اس کا سایہ اور اس کی روزی خدا کے پاس ہے تم کیوں غصہ میں آئے ہو وہ ایک ایسا خوشبو دار پھول ہے جس کی خوشبو سے تم فائدہ اٹھاؤ گے۔

ایک شخص نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی اپنے بچے کو نہیں چوما پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے قسی القلب (ظالم) ہونے کی نشانی ہے۔

آپ بچوں کے درمیان اس قدر انصاف کی تاکید اور سفارش فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک بچے کو دوسرے بچے کے سامنے تم نے چوما تو ضرور دوسرے بچے کو بھی چومیں "

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں یہ تھے وہ واقعات جن کو مختصراً میں نے قلمبند کیا لہٰذا عام آدمی اپنے بچوں کو فلاحی انسان تب ہی بنا سکتا ہے جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں بچوں کی تربیت کرے ورنہ نتیجہ بربادی ہے۔

جوانوں کی فکری و عملی تربیت

انسان کی زندگی کو تین درجوں میں تقسیم کرنا زیادہ موزوں ہو گا۔

(۱) بچپن (۲) جوانی (۳) بڑھاپا

یہ تین دور انسان پہ ایسے آتے ہیں جن کا ہر طرح سے خیال رکھنا ناگزیر ہے کہ کیا ہم اسلام سے دور تو نہیں ہو رہے کیا یہ تینوں دور اسلام کے مطابق گزر رہے ہیں انسان خطاء اور نسیان کا مرکب ضرور ہے مگر اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ اپنی زندگی میں ہی احتیاط نہ کرے اور خود کو اپنی ترکیب کی کشتی میں بٹھا کر طوفانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔

بچپن کا زمانہ بڑا نازک زمانہ ہوتا ہے یہ ایک کانچ سے کم نہیں ہوتا جتنا اس کی حفاظت کی جائے اتنا ہی نکھرتا آتا ہے اس کی حفاظت ذاتی نہیں ہوتی بلکہ کسی کے رحم و کرم پر ہوتی ہے والدین' سوسائٹی اور مدرسہ جیسے چاہیں اسے بنالیں جس سانچے میں ڈھالنا پسند کریں فوراً ڈھل جائے گا اس کام میں بچے کا ذاتی جوہر صرف نرمی ہے کہ وہ موم کی طرح مڑتا چلا جاتا ہے جیسا کہ آپ صرف سونے (خالص سونے) کا زیور بناتے ہیں ایسا سونا جس میں ذرہ برابر بھی کسی دوسری دھات کی آمیزش نہیں ہوتی ایسا زیور معمولی زور سے جدھر چاہیں مڑ جاتا ہے اور جیسے جیسے اس میں کسی دھات کو ملایا جاتا ہے اسی قدر سخت ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں اسے کٹھالی میں ڈالا جاتا ہے توں توں نکھرتا آتا ہے یہی مثال بچے کی ہے جب پیدا ہوتا ہے تو وہ خالص ہوتا ہے اور پھر دوسرے حضرات کے رحم و کرم پر ہوتا ہے جو کچھ سکھاتے جائیں سیکھتا جاتا ہے اور جن حرکات کو آپ برا سمجھتے ہیں معاشرے میں آکر زیادہ نہ سہی کچھ نہ کچھ آمیزش تو ضرور ہو جاتی ہے اور پھر

والدین اور استاد اسے جیسے جیسے اپنے کردار کی کٹھالی میں ڈھالتے جائیں گے وہ اسی قدر نکھرتا جائے گا اور ایک دن وہ معاشرے کا اہم ترین فرد شمار ہونے لگے گا۔

اکثر حضرات بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہیں دیتے اور یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ ابھی تو بچہ ہے کیا سیکھے گا مگر اسلام بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی تاکید کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی زندگی میں تربیت اولاد کے لئے درخشندہ مثالیں قائم فرمائی ہیں اور سختی سے بچوں کی تربیت کا حکم دیا ہے بچپن میں ہر بات یقینی ہوتی ہے اور جوانی میں آکر وہی بات ظنی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بچپن میں جو کچھ آپ سیکھیں گے جوانی میں آکر وہ باتیں وہم و ظن ہو جائیں گی بچپن میں جو سیکھا اس میں تجربہ نہیں تھا اس وقت غور و فکر کی صداقت نہیں تھی جو بھی امور سامنے آتے رہے وہ اس کے لئے یقینی تھے جیسے جیسے وہ ان پر غور و فکر کے قابل ہوتا گیا ان پر یقین وہم کی منزل میں آگیا اور کچھ ایسا بھی سیکھا تھا جو بچپن میں بھی یقینی تھا اور جوانی میں آ کر اس میں اور پختگی آتی چلی گئی اور جیسا کہ بچوں کے لئے حکم ہے کہ جب چھ سال کے ہو جائیں ان کو نماز کا عادی بناؤ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے

"اذا اتی علی الصبی ست سنین وجب علیہ الصلوۃ واذا اطاق الصوم وجب علیہ الصیام"

جب بچہ کا چھ برس کا سن ہو تو نماز کا حکم اس کے لئے ثابت ہوتا ہے اور جب روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو روزہ رکھنے کا حکم ہے۔

حالانکہ چھ برس کی عمر میں بچے پر نماز روزہ واجب نہیں ہوتا لیکن یہاں اتنی تاکید کی گئی ہے کہ امام کو واجب کے الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت محسوس

ہوئی ہے یہی بچوں کی تربیت کا تاکیدی نکتہ ہے کہ جس پر یقین بچے کی فلاح و بہود کا ضامن ہے جوانی میں آکر یہی یقین مزید مستحکم ہو جاتا ہے اور بچہ صرف ان چیزوں کا عادی ہی نہیں ہوتا بلکہ غور و فکر کی عمر میں آکر ان چیزوں کی روح کو بھی سمجھنے لگتا ہے اور بچپن میں نماز و روزے کا پڑھنا جہاں یقین و ایمان کو تقویت دیتا ہے وہاں والدین کے ثواب میں اضافے کا باعث بھی بنتا ہے حالانکہ پندرہ سال کی عمر تک انسان غیر مکلف ہے نہ اس پر سزا ہے نہ جزا نہ ثواب ہے نہ گناہ پھر چھ سال کی عمر میں نماز و روزے کا تاکیدی حکم کیوں دیا جا رہا ہے اور اس عمر میں کی گئی عبادت کا کیا فائدہ ہو گا تو لامحالہ یہی فائدہ سمجھ میں آتا ہے کہ جہاں بچے کو نیک خصلتوں کا عادی بنانا ہے وہاں والدین کے ثواب کو وسیع بھی کرنا ہے ادھر بچہ معاشرے کا اہم ترین فرد بنتا چلا جائے ادھر والدین کی دنیا و آخرت سنوارتی چلی جائے' وہ یقین جو بچپن میں کسی شئے کے متعلق رکھتا ہے وہ یقین جوانی میں آکر شک میں بدل جاتا ہے وہ شک بھی برا نہیں کیونکہ یہ انسان کی ایک ارتقائی منزل ہے گویا بچپن کا یقین و ایمان اور جوانی کا شک و گمان برابر ہوتے ہیں اس کے لئے ڈاکٹر بہشتی اور ڈاکٹر باہر دین اسلام و حکمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

شک وشبہ کی تاخت و تاراج

جوں جوں سن بلوغت قریب آتا ہے بچپن کا ایمان شک و شبہ کا شکار لگتا ہے بچپن کے دور میں بھی کبھی کبھی ایسے حادثات پیش آتے ہیں جو شخص یا ایک چیز میں بچے کا ایمان سلب کر لیتے ہیں تاہم اس زمانے میں عموماً" ایسا ہوتا ہے کہ بچہ زیادہ دیر تک شک سے دوچار نہیں رہتا کیونکہ ایک ایمان کی جگہ ایسا دوسرا ایمان لے لیتا ہے جو پہلے کا الٹ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ

بچہ بار بار اور بڑی سرعت سے اپنا عقیدہ تبدیل کرتا ہے مثلاً ایک گھڑی میں اپنے ہمجولی سے لڑائی ہوتی ہے تو دوسری گھڑی میں لڑائی جھگڑا بھول کر صدق دل سے صلح کر لی جاتی ہے یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی کھیل میں کئی بار لڑائی ہوتی ہے اور کئی بار صلح ہوتی ہے یہ دور بتدریج اختتام پذیر ہوتا ہے اور رشد و بلوغ کا زمانہ آپہنچتا ہے زمانہ بلوغ میں انسان میں گوناگوں جسمانی اور روحانی تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شخص کئی ایسی چیزوں کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے جن پر وہ بچپن کے زمانے میں کامل ایمان رکھتا تھا مختلف اشخاص میں اس شک کی مقدار مختلف ہوتی ہے اور بعضوں میں تو اس کا دائرہ اتنا وسیع تر ہو جاتا ہے کہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے شاذ ہی کوئی چیز باقی رہتی ہے جس کے بارے میں وہ شک میں مبتلا نہ ہو۔

شک بطور دلیل ترقی

سن بلوغت کے دوران شک انسان کی تکمیل و ترقی کے لئے ایک بڑے مئوثر عامل کی حیثیت رکھتا ہے بشرطیکہ یہ شک ایک قسم کے عشق و ایمان سے مربوط ہو اور وہ عشق و ایمان کوشش اور کاوش پر ایمان اور تحقیق کا عشق ہے شک کی صرف یہی ایک قسم ہے جسے تعمیری شک کا لقب دیا جا سکتا ہے حالانکہ جیسا ہم اب تک باور کرتے چلے آئے ہیں شک کا کام ہمیشہ تخریب کاری ہے اور تعمیر اس کاوش اور تحقیق سے مربوط ہے جس کی ابتدا ہم اس تخریب کے بعد کرتے ہیں البتہ ہم بچپن میں تحقیق اور کاوش کا راستہ اس لئے اختیار نہیں کرتے کہ اس دور کے کمزور معتقدات برباد ہو کر نہ رہ جائیں مزید یہ کہ اس دور میں ہم تحقیق اور کاوش کی صلاحیتیں بھی نہیں رکھتے لہٰذا سن بلوغت تک پہنچنے پر ہم شک

کو بھی مذکورہ تعمیر میں حصہ دار سمجھتے ہیں اور اسے تعمیری شک کا نام دیتے ہیں۔

جب انسان سن بلوغت تک پہنچتا ہے تو عموما" شک اس کے دل میں تحقیق کا شوق پیدا کرتا ہے چنانچہ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ بلوغ سے پہلے کی سنی سنائی باتوں کو نکال کر جس طرح وہ دوسرے معاملات میں وہ اپنی عقل و دانش پر بھروسہ کرتا ہے اسی طرح ان مسائل کے بارے میں بھی اپنی سمجھ و بوجھ سے کام لے باالفاظ دیگر وہ اب اپنے آپ کو بچہ نہیں سمجھتا اور نہ ہی وہ دوسروں کا طفیلی بنا چاہتا ہے چنانچہ یہ شک ایک قسم کے ایمان کے ساتھ پیوست ہے اور وہ ہے اس شخص کا اپنی ذات پر ایمان اس بات پر ایمان کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاؤں اور دیکھوں کہ میں کیا کچھ سوچ اور سمجھ سکتا ہوں۔

سن بلوغت کے دوران ہم اپنے آپ کو دنیائے جدید کے پہلو بہ پہلو کھڑا پاتے ہیں یہ ایک ایسی دنیا ہے جس میں لا تعداد چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں انسان کچھ نہیں جانتا چنانچہ ہمارے دل میں ان باتوں کے سمجھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور ہم وافر امید اور عموماً اس ایمان کے ساتھ کہ ہم اپنی کاوشوں سے اس کارخانہ قدرت کے بہت سے راز فاش کر سکتے ہیں تحقیق اور جستجو میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

اگر علم کے ساتھ عشق اور تحقیق پر ایمان موجود نہ ہو تو ایک ہمہ گیر شک انسان کو گھیر لیتا ہے اس وقت نہ کوئی خوشی ہمارے لئے باقی رہتی ہے اور نہ کاوش' ایسی صورت میں سن بلوغ کا شک بھی تعمیری شک نہیں رہتا بلکہ تخریبی شک کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہ شک ہر چیز کے بارے میں ہمارے اعتقاد کو متزلزل کر کے ہمیں ایک عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا عنفوان شباب میں بھی حقیقی طور پر متاثر کن چیز ایمان کو ہی سمجھنا چاہئے یعنی اس بات پر ایمان کہ ہر چیز

کو نئے سرے سے سمجھنے کے لئے تحقیق اور جستجو کی ضرورت ہے۔

یہاں پر بچپن اور جوانی میں فرق نکھر کر سامنے آگیا کہ بچپن سیکھنے کا نام ہے اور جوانی غور و فکر کر کے عمل کرنے کا نام ہے مگر اس عمل میں تحقیق و ایمان کا ہونا ضروری ہے کیونکہ شک کی زندگی تبرے کے لائق ہے اور یقین کی موت سلام کے قابل ہے لہٰذا بچپن دوسروں کے تجربات پر عمل کرنے کا نام ہے اور جوانی ذاتی تجربات اور غور و فکر کا نام ہے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر کام، ہر بات جوانی ہی کی بھلی معلوم ہوتی ہے جوانی میں ہر بات زیب دیتی ہے مگر یہ جوانی اللہ کی راہ میں کٹے اور انسانیت کی بھلائی میں گزرے تو ایسی جوانی قابل صد ستائش ہے جیسا کہ مشہور شعر جوانوں کی فکری و عملی تربیت کے لئے کافی سمجھا جا سکتا ہے۔

در جوانی توبہ کردن شیوائے پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

لطف اسی میں ہے کہ انسان گناہوں کو چھوڑ دے اور اگر گناہ انسان کو چھوڑ دیں تو کوئی جوانمردی نہیں ہے جتنا لطف عبادت کا جوانی میں آتا ہے اتنا کسی اور عمر میں نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ انسان صرف مصلے کا ہی ہو کے رہ جائے اور اکثر حضرات اسی کو عبادت سمجھتے ہیں دیگر امور کو نظر انداز کر جاتے ہیں حالانکہ فروع دین صرف نماز روزے کا نام نہیں ہے عبادت سے مراد ہر وہ شرعی کام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو جن کو آپ دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد ہے حقوق اللہ اپنی ذات سے متعلق ہوتے ہیں اور حقوق العباد دوسروں سے متعلق ہوتے ہیں آپ اس کو ان الفاظ سے بھی موسوم

کر سکتے ہیں۔

(۱) خود سازی (۲) ماحول سازی

خود سازی کو اولیت حاصل ہے ورنہ ماحول سازی ناممکن ہے "**لما تقولون مالا تفعلون**" وہ کہنا جو انسان نہیں کرتا اور پھر اس پر مصر ہونا کہ دنیا مجھے کرنے کو نہ کہے اور میری بات مانے، قطعاً" حماقت ہے انسان پہلے صادق اور امین بن کر معاشرے کو دکھلائے نہیں بلکہ دنیا سے منوائے اور دنیا اس کا اصل نام ہی بھول جائے ہمیشہ صادق اور امین ہی کے نام سے پکارا جائے ایسا انسان سچ اور امانت کی اہمیت پر زور دے سکتا ہے اور اس کی ہر بات میں اثر ہونا یقینی ہے یہی جوانی کی معراج ہے یہی جوانی کی روح ہے یہی جوانی کا تاج ہے۔

جوانی ہر انسان پر آتی ہے جو بڑھاپے تک زندہ رہتا ہے وہ جوانی کے عمل سے ضرور گزرتا ہے اس دور میں انسان میں کچھ بھی کر گزرنے کی ہمت و طاقت ہوتی ہے انسان اگر چاہے تو اسے اللہ کی راہ میں گزار دے اور اگر چاہے تو شیطان کی راہ میں گزار دے مگر افسوس کہ ہماری زیادہ تر جوان نسل اور جواں ہمت افراد کم ہی بھلائی کی طرف متوجہ ہیں اور یورپ کے مکر و فریب کے سامنے ہینڈز اپ ہیں یورپ کے اخلاق سوز حرکات سے مخلوط ہونے میں سعادت جانتے ہیں اور اسی میں اپنی فلاح جانتے ہوئے۔

مسلمان عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کا فریب دے کر اپنے ہی بھائی بے پردہ، بازاروں، چوراہوں اور تفریح گاہوں میں لئے پھرنے کو سعادت سمجھتے ہیں بہن بھائی اور باپ بیٹی مل کر فلم دیکھنا سٹیٹس کی معراج جانتے ہیں وی سی آر گھر کی ضرورت کے طور پر استعمال ہونے لگا، بہنیں بھائیوں سے فرمائشی فلمیں منگوانے میں فخر محسوس کرتی ہیں اور بھائی نہایت ہی جلدی کرتا ہے تاکہ

بهن سے داد تحسین وصول کر سکے مگر سارے گھرانے ایسے بھی نہیں ہوتے ہیں
شریف انسان بھی اس دنیا میں بستے ہیں یہ صرف ان حضرات کی بات ہو رہی ہے
جو واشنگٹن کو مدینے پر ترجیح دیتے ہیں جو بنکاک کو کعبے پر فوقیت دیتے ہیں جو شرفاء
کو دقیانوسی تصور کرتے ہیں جو شرافت کو جہالت جانتے ہیں جو مسجد سے زیادہ
سمندر کے کنارے کو رونق بخشتے ہیں جو امام بارگاہوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور
کلب کی رنگینیوں کو انسانیت کی ترقی جانتے ہیں جو علماء سے زیادہ بش و گوربا
چوف کے حواری ہیں جو مسلمانوں سے اختلاف اور یہودیوں اور ان کے
سرپرستوں سے اتحاد چاہتے ہیں۔

میری بات نوجوان نسل سے ہے کیونکہ جوانی کے عالم میں انسان سب کچھ
کر گزرنے کو تیار ہوتا ہے میں ان مسلمان جوانوں سے سوال کرتا ہوں کیا حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہی کچھ آپ نے سیکھا ہے کیا
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آپ کو فکری و عملی تربیت دی تھی کیا
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۶۳ سالہ زندگی سے یہی کچھ آپ نے
حاصل کیا ؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکری و
عملی تربیت آج بھی آپ کے پاس ہے صرف آپ ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی تعلیمات کے پاسبان ہیں آپ اگر آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہوں اور اس کو پھیلانے کی سعی شکور فرمائیں
تو آج بھی قومیں سدھر سکتی ہیں اور اس عمل خیر کا سہرا آپ کے سر ہوگا۔

بعض افراد جوانی میں عورت ہو یا مرد انجام سے بے خبر ہو کر کئی ایک ننگ
انسانیت افعال کا ارتکاب کر لیتے ہیں اور افعال خبیثہ میں دن بدن اضافہ کا باعث
بنتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اسی میں انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں اور یہ ساری کی

ساری خباثتیں عورت کو بے پردہ کرنے سے معرض وجود میں آئیں جب تک عورت کی جوانی حجابات میں ملفوف رہی قومیں بھی آباد رہیں بلکہ ترقی کی انتہا تک پہنچ گئیں اور عورت بھی قابل احترام رہی عورت نے مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کے حسین چکمے میں آ کر خود کو عظمتوں کی معراج سے گرا دیا اور مرد کے شانے کے ساتھ شانہ ملانے میں فخر محسوس کرنے لگی اور اسے حقوق کی دستیابی کا نام دے کر اپنی طاقت وقوت پہ ناز کرنے لگی آج آپ یورپ میں جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ان تلخ تجربات کی تصدیق کر رہا ہے عورت جب مرد کے شانے کے ساتھ آلگی تو پھر پہلو کا فاصلہ جتنا سمٹ گیا ہو گا یہ ہر ذی شعور جانتا ہے جوان عورت اور مرد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے شیطانی حکومتوں نے یہ چال چلی کہ ان کو جنسی خواہشات کا گرویدہ بنا دو اور خود بے فکر ہو کر مزے سے حکومت کرو اور یہ یاد رہے کہ جوان نسل جدھر بھی توجہ دے اس کام کو کر سکنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے اگر حکومت کے معاملات میں دخل دے تو ملک کو بام عروج تک پہنچا سکتی ہے اور اگر گندگی میں ڈوبنے لگے تو تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی نام نہاد سپر پاورز نے یہ چھوٹے ملکوں خصوصا" مسلمان حکومتوں کو تباہ کرنے کی سعی مذموم انہی ہتھکنڈوں کے ذریعہ کی اور اکثر جگہ اس کو رواج دینے کی کوشش کی گئی اور کی جا رہی ہے جیسا کہ ایران میں شاہ کے دور میں ایسا ہوتا رہا تاریخ کا مشاہدہ ہے کہ عیاش قومیں زیادہ دیر زندہ نہیں رہتیں مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم "پردہ قید کی علامت ہے یا آزادی کی ضمانت" میں رقم طراز ہیں۔

"رومن امپائر کی حالت کا نقشہ کھینچ کر دکھاتے ہیں" کون رومن امپائر جو تمام دول یورپ کی ماں ہے اور وہ پہلا سرچشمہ ہے جس سے موجودہ یورپ کی متمدن دول عظام کی نہریں نکلیں رومنی حکومت کی بنیاد شیر روما میں چھ صدی

قبل مسیح پڑی تھی ابتدا" یہ حکومت بہت چھوٹی تھی مفلس اور بے حقیقت تھی پھر کئی صدیوں تک رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوئی تمدن و تہذیب کے اعلی درجہ تک پہنچ گئی اس حکومت میں بھی عورت پردہ کی قید میں رکھی جاتی تھی انیسویں صدی کی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔

رومانیوں کی عورتیں بھی اس طرح کام کاج کو پسند کرتی تھیں جس طرح مرد پسند کرتے ہیں اور وہ اپنے گھر میں کام کرتی تھیں ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے۔ خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کے اہم کام یہ تھے کہ وہ سوت کاتیں اور ان کو صاف کر کے ان کے کپڑے بناتیں رومانی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان میں جو عورت دایہ گیری کا کام کرتی تھی وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی تھی اور اس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھنی جو ایڑی تک لٹکتی رہتی تھی اور پھر اس چادر پر بھی ایک عبا اوڑھی جاتی جس کے سبب اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔

اس زمانے میں جب رومانیوں کی عورتیں پردہ میں رہا کرتی تھیں اس قوم نے ہرفن، اور ہر جملہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں بت تراشی، عمارت سازی، فتوحات، ملکی سلطنت و حکومت، عزت و عظمت اور علم و ہنر میں ساری دنیا کی قومیں رومانیوں کے مقابل ہیچ ہو گئیں لیکن اس مرتبہ پر پہنچنے کے بعد ان میں عیش پرستی اور کھیل و تفریح کا شوق پیدا ہوا جس کے ضمن میں انہوں نے اپنی عورتوں کو پردہ کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ لہو و لعب اور سیرو تفریح کی جگہوں، دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں عورتیں پردے سے نکلیں لیکن کیونکر ؟ اس طرح جیسے پہلو سے دل نکل جاتا ہے پھر کیا تھا اس حملہ آور

عنصر (مرد) نے موقع پایا کہ محض اپنے حظ نفس کے لئے ان کے اخلاق خراب کئے ان کی پاکیزگی کے دامن پر داغ لگائے اور ان کی شرم و حیا کو توڑا یہاں تک کہ پھر وہی عورتیں جو سات پردوں میں رہا کرتی تھیں تھیٹروں میں جانے لگیں رقص وغیرہ کے جلسوں میں عورتوں کے ناچنے اور گانے کا مشغلہ ایجاد ہوا آخر عورت کی حکومت اس قدر قوی ہوئی کہ جو نامور مرد تدبیر ملک داری اور انتظام سلطنت کے لئے پارلیمنٹ یا سینٹ کی مجلس میں ممبر منتخب ہوا کرتے تھے وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کرنے سے مقرر ہوتے اور ان کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دیئے جاتے بس یہ حالت ثابت ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہو گئی اور اس پر ایسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات کو دیکھ کر حیرت زدہ اور مبہوت ہو جاتا ہے کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور مستحکم عمارت کی اینٹیں عورت کے نازک ہاتھوں نے کس طرح ایک ایک اینٹ اکھیڑ کر رکھ دی اور اس کی ساری عظمت و متانت خاک میں ملا دی کیا یہ بات عورت نے اپنی بدنیتی اور بداخلاقی سے کی ؟ نہیں ان کا اس میں کوئی قصور نہیں مگر بات یہ ہے کہ انہیں بے پردہ بنایا گیا تھا تو با اقتضائے فطرت مرد ان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لئے آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ماننے میں کوئی شخص بحث ہی نہیں کر سکتا "

عورت کے بے پردہ ہونے میں جتنی بھی تباہ کاریاں لکھی پڑھی جائیں کم ہیں مغربی تہذیب خود تو تباہی کے کنارے پر ہے ہی مگر مسلمان نوجوان ماحول کی تباہی سے کیوں اثر نہیں لیتا ؟ اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات کو حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا ؟ اس اخلاقی تباہی کو ترقی کا نام کیوں

دیا جا رہا ہے ؟ اے مسلمان نوجوان اپنے تھکے ماندے ذہن کے لئے مغرب کی دل فریب تفریح گاہوں میں سہارے مت ڈھونڈ تیرے دل کا ابدی اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت پر عمل پیرا ہونے میں ہے اور جو عورت بے پردگی کو اپنی آزادی تصور کرتی ہے وہ بھی احمقوں کی جنت میں رہتی ہے عورت تیری عظمت پردہ سے ہے' تیرا وقار شرم و حیا سے ہے' اپنے ساتھ اس کھیلے جانے والے تماشے کو ملاحظہ فرما۔

مجاہد کبیر آیت اللہ العظمیٰ السید روح اللہ خمینی قدس سرہ نے فرمایا میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ اس باپ بیٹے (رضا شاہ پہلوی اور اس کا باپ) کے عہد حکومت میں دوسرے گروہوں سے زیادہ ہماری عورتوں پر ظلم ہوا ہے۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہماری عورتوں کو آزادی دیں اور آزاد کریں کیونکہ مرد بھی ان کے دور میں آزاد نہیں تھے۔ نہ عورتیں آزاد تھیں نہ مرد۔ وہ آزادی کو دوسری چیزوں میں دیکھتے تھے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ سمندروں کے کنارے ننگی ہو کر پھریں فحش مرکزوں میں باہم جمع ہو جائیں اور خود ان کے قول کے مطابق کہ وہ آزادانہ طور پر جس کام کو چاہیں انجام دیں انہوں نے ایران میں انسانی تربیت کو بالکل نابود کر کے رکھ دیا تھا اور اس کی جگہ مغربی تربیت وہ بھی نہ صحیح معنوں میں مغربی تربیت بلکہ فاسد مغربی تہذیب کو یہاں رواج دیا تھا شاید باپ کی نسبت بیٹے کے عہد حکومت میں معنوی اقدار زیادہ پامال ہوئیں۔

آپ عورتوں نے جو اس تحریک میں شرکت کی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اس کے بعد بھی تحریک میں شرکت کریں اور اس تحریک کو آگے بڑھائیں اور سب سے اہم یہ ہے کہ اپنی اولاد کو اچھی تربیت دیں۔ وہ چاہتے تھے کہ عورتیں (سیاست) سے الگ رہیں لہٰذا انہوں نے عورتوں کو دفتروں میں ملازم

رکھنا شروع کر دیا۔ اس لئے نہیں کہ دفتروں کی اصلاح ہو بلکہ اس لئے کہ دفتروں میں بد عنوانی پھیلے اور دوسری یہ بچوں کو ان کی ماؤں سے جدا کر دیں وہ بچے جو شروع ہی سے ماں کی گود میں تربیت حاصل نہیں کرتے ان میں عقدے پیدا ہو جاتے ہیں اور اکثر بد عنوانیاں انہی عقدوں کی وجہ سے بچوں میں جنم لیتی ہیں۔

آپ اپنے بچوں کی اچھی طرح حفاظت کریں اور اپنے بچوں کی بہتر پرورش اور تربیت کریں یہ بچے ہی ہیں جو ملک کو نجات دلاتے ہیں آپ کے دامن میں ان کی اسلامی طریقے پر پرورش ہو آپ کے دامن اچھے کردار کے مالک بنیں ان کا ایمان قومی ہو تاکہ اس ملک کی خدمت کر سکیں۔

آپ سب بہن بھائیوں اور محترم خواتین کا فرض ہے کہ تاریخ کے اس دور میں جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اور ایک دوراہے پر کھڑے ہوئے ہیں جس طرح یہ تحریک مکمل اسلامی اتحاد کے ساتھ اور ایک متحدہ مقصد کے لئے اٹھی یعنی سب کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا اسلام اب بھی اس کو محفوظ رکھیں۔

آپ اور سب اسلامی عورتوں کی تعلیم و تربیت کا حق اسلام میں بہت زیادہ رکھا گیا ہے آپ کے دامن تربیتی اور تعلیمی دامن ہونے چاہئیں۔ یعنی بچوں کی پرورش کرنے کے علاوہ ان کی اسلامی اور انسانی تربیت بھی کریں بنابریں آپ توجہ کریں کہ اچھے بچے معاشرے کے سپرد کریں ایک اچھا انسان ایک ملک کو نجات دے سکتا ہے، جس طرح ایک برا انسان ایک پورے ملک کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

خطا کار اور زہر افشاں قلموں اور بے تمدن مقرروں کی تقریروں نے ایسا

سیاہ اور غلامانہ نصف صدی میں شرمناک پہلوی عہد حکومت کے دوران عورت کو ایسے تجارتی سامان کی طرح بنا دیا تھا جیسا کہ وہ چاہتے تھے اور جو زیادہ نقصان پذیر تھیں وہ ان مرکزوں میں پہنچ گئیں جن کے بارے میں قلم لکھتے ہوئے شرماتا ہے جو شخص ان جرائم سے اطلاع حاصل کرنا چاہے کہ رضا خانی دور میں جبری پردہ اٹھانے کی مہم کے بعد اخبارات و رسائل اوباش اور رذیل افراد کے اشعار کی طرف رجوع کرے اور اسی طرح اس زمانے کی تباہ کن بدعنوانیوں کے مراکز اور مجالس کا پتہ چلائے خدا ان کے چہروں کو سیاہ کرے ان کے روشن خیال قلم ٹوٹ جائیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ عورتوں اور مردوں کی آزادی کی تحریک استحصال پسند اور بین الاقوامی مجرموں کے نقشے کے بغیر ہی تھا۔

ان کے نقشوں اور منصوبوں میں ایک جوان کو فحاشی کے اڈوں کی طرف کھینچنا تھا جن میں وہ کامیاب بھی ہوئے اور ہمارے ملک کو ان جوانوں سے خالی کر دیا جو معاشرے کے سرگرم رکن بن سکتے تھے ان کے ذہنوں کو فکری صلاحیت سے عاری بنا دیا تاکہ اس مصیبت زدہ' آفت زدہ' مغرب زدہ ملک سے جو کچھ چاہیں لے جائیں ان کو اس سے کوئی غرض نہ ہو آج اسلامی تحریک کی برکت سے عورت معاشرے کی موثر اور سرگرم رکن ہے اور ایک حد تک اس نے اپنے مقام کو دوبارہ حاصل کر لیا ہے ان میں سے عورتوں کی محدود تعداد جو اس سیاہ زمانے یعنی سابقہ معزول حکومت کی یادگار ہے اور وہ عورت کے مقام کو آرائش کرنے اور عیش و عشرت کی محفلوں میں ہی سمجھتی ہیں انہوں نے اپنے آپ کو ایک تجارتی سامان کی شکل دے رکھی ہے اور اس حکومت کے اعمال کی پیروی کرتی ہیں.اور اجنبیوں کے نقشے پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہیں وہ سی آئی اے اور سیواک کی معاون ہیں ان سے قطع نظر دوسری دلیر' بہادر اور وفادار عورتیں

مردوں کے دوش بدوش پیارے ملک ایران کو سنوارنے کی فکر میں ہیں جہاں کہ وہ علم و تہذیب کی از سرنو تعمیر کے لئے اٹھی ہیں اور آپ کو کوئی ایسا گاؤں یا شہر نہیں ملے گا جہاں سے بہت ہی قابل قدر اسلامی خواتین نہ اٹھی ہوں جو اپنے علمی و تہذیبی کارناموں میں بلند مقام رکھتی ہیں اور اسلامی تحریک نے اسلام کی برکت سے مردوں اور عورتوں میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ انہوں نے سو سالہ راستے کو ایک رات میں طے کر لیا ہے اور آپ شریف قوم نے دیکھ لیا ہے ایران کی محترم خواتین میدان میں اتر آئیں۔

" یہاں دوش بدوش سے مراد پردے میں رہ کر انسانیت کی تعمیر کرنا معاشرے کو اچھے افراد سپرد کرنا ہے۔"

اور شہنشاہی عظیم دیوار کو توڑ دیا اور ہم سبھی ان کے انقلاب اور اقدام کے مرہون منت ہیں اور بڑی طاقتوں کی شکست اور ان کی جڑوں کو اکھاڑنے کے بعد ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ حقیقی طور پر ایک دن کو " یوم نسواں " کے لئے مقرر کریں اسی طرح دنیا اور اسلامی معاشروں میں بڑے فخر اور غرور کے ساتھ عورت اور اس کی ترقی کے بارے میں اسلامی جمہوریہ میں بات چیت کریں۔

آج عورت اسلامی جمہوریہ میں مردوں کے دوش بدوش اپنے ملک و ملت کی تعمیر میں کوشاں ہیں اور یہ ہے آزادی' آزاد عورتوں اور آزاد مردوں کے حقیقی معانی نہ ویسے کہ شاہ معزول کے زمانے میں لئے جاتے تھے کیونکہ اس وقت عورتوں کی آزادی قید و بند خفقان آزار شکنجے کے اندر تھی۔ میں عورتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ طاغوتی زمانے کے کردار کو بھول جائیں اور پیارے ملک ایران کو جو ان کا اپنا اور ان کی اولاد کا سرمایہ ہے بہترین طریقے سے بنائیں تا کہ تمام جماعتوں کی ہمت سے تمام میدانوں میں وابستگیوں سے نجات حاصل کریں۔"

مذکورہ تمام بحث سے ہم یہ اندازہ لگانے میں حق بجانب ہیں کہ جوانوں کا یہ اخلاقی انحطاط تین وجہوں سے ہوا ہے ایک علم سے لا تعلقی اور دوسرے علم دین سے ناوابستگی اور تیسرے اگر علم دین اسلام سیکھا ہے تو اس پر عمل پیرا نہیں ہوا گیا، جتنی مغربی تہذیب کو اہمیت دی گئی اتنی اسلامی تعلیم کو اہمیت نہیں دی گئی ان حالات میں جوانوں کا بے راہ رو ہو جانا ایک فطری امر ہے لہٰذا یہاں تحصیل علم خصوصاً" تعلیم نسواں پر بحث کرنا ضروری ہے اس کے لئے میں سید العلماء علامہ علی نقی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے خیالات عالیہ کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کرتا ہوں جناب سید العلماء اعلی اللہ مقامہ " نظام زندگی " میں تحریر فرماتے ہیں۔

تحصیل علم کی اہمیت اور علم کی شرعی حدود

تعلیم و تربیت انسانی زندگی کے لئے لازمی چیز ہے اور اسلام نے علم کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اس سلسلے میں ضروری ہے کہ علم کی شرعی حدود پر تبصرہ کر دیا جائے حدیث میں ہے " **العلم فریضتہ علی کل مسلم** " علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اس میں عام طور پر " مسلمتہ کا جز حدیث کے آخر میں زبان زد خلق ہے اور وہ بالکل الحاقی ہے اصل حدیث میں اس کا وجود نہیں ہے۔

اس کے ساتھ قرآن مجید میں ہے " **لایستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون** " ہرگز برابر نہیں ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ کہ جو علم نہیں رکھتے۔

بعض لوگ اس قسم کی آیات اور احادیث کو لے کر یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ اس میں کسی خاص علم کی قید نہیں ہے لہٰذا ہر علم حاصل کرنا مطلوب شرع ہو گا اور انسان کا فرض مذہبی قرار پائے گا۔

کیا حقیقتاً یہ استدلال درست ہے؟

علم کے معنی لغت میں دانستن کے ہیں یعنی جاننے کے ہیں کیا ہر چیز کا جاننا ہر شخص کے لئے سبب فضیلت ہے اگر ایسا ہوتا ہے تو دنیا میں عالم اور جاہل کی تفریق ہی بے کار ہے کیونکہ ہر انسان کو اپنے شعبہ زندگی میں کچھ خاص معلومات ہوتی ہیں جو دوسرں کو نہیں ہوتیں۔

ایک جنگل میں سیر کرنے والا فقیر جنگل کی بہت سی چیزوں کا علم رکھتا ہے جو بڑے فلاسفر اور حکماء کو نہیں معلوم اور ایک دریائی سفر کرنے والا کشتی ران دریا اور اس کے جزائر کے متعلق بہت معلومات رکھتا ہے' ایک کاشتکار زمین کے بونے اور جوتنے کے اسرار جانتا ہے ایک لوہار کے خواص و کیفیات اپنے گھر کے متعلق وہی باتیں جانتا ہے جو کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہیں.اور اگر یہی جاننا صرف معیار علم ہو تو پھر جاہل کا وجود ہی باقی نہیں رہتا اور اس صورت میں یہ کہنا کہ عالم اور غیر عالم مساوی نہیں ہیں ایک بے معنی بات ہے کیونکہ غیر عالم کی صنف تو عنقا ہے جس کا وجود نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ وسیع اور عام مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اصطلاحی مفہوم قرار دیا گیا یا اس کی کوئی خاص صنف مراد ہے اب ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اس اصطلاحی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کریں یا اس صنف خاص کو دریافت کریں جو واقعی مقصود ہو۔

اس کے لئے جب ہم عقل سے کام لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے انسان کے لئے قابل مدح ہے جو کار آمد حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن کار آمد کے تعین ہر انسان کے نقطہ نظر سے بدل جاتی ہے ایک انسان اس کو کار آمد سمجھے گا جو اس کے شعبہ سے متعلق ہے ایک طبیب اسے کار آمد سمجھے گا جو اس کے مطلب کی چیز ہے اور چونکہ یہاں نقطہ نظر کی صحت عدم صحت سے بحث نہیں ہے اس لئے یہ بھی کہوں کہ ایک مغنی یعنی گانے والا اس چیز کو کار آمد کہے گا جو اس کے مذاق سے تعلق رکھتی ہے اور جب اس کا معیار یہ ہے تو شارع اس چیز کو علم سمجھے گا جو اس کے نقطہ نظر سے کار آمد ہو۔

اب دیکھئے کہ شارع کا نقطہ نظر کیا ہے انسان کی اعتقادی عمل آراستگی کی تکمیل لیکن اس آراستگی کے درجہ میں ایک درجہ وہ ہے جو ہر انسان کے لئے ضروری ہے اور اس سے کوئی مستثنٰی نہیں ہے اس سے متعلق علم بھی واجب ہونا چاہئے اور ایک وہ ہے کہ جس تک پہنچنا مستحسن و ممدوح ہے اس سے متعلق علم بھی ایسا ہی ہو گا۔ اور بعض امور وہ ہیں جو خود انسان کے لئے جواز کی حد میں ہیں نہ ان کے فعل کو کوئی خاص ترجیح ہے نہ ترک کو، ان کا علم بھی اسی حیثیت سے جائز و مباح ہے وہ نہ واجب ہو گا نہ مستحب۔

اب دیکھئے وہ چیز جو انسان کے لئے ضروری ہے وہ کیا ہے ؟ وہ اصول دین کا اجمالی دلیل کے ساتھ اعتقاد حاصل ہونا اور اعمال و افعال میں واجبات کا پابند اور محرمات کا تارک ہونا یہ وہ کم از کم درجہ ہے جو ہر انسان سے مطلوب ہے اور کوئی شخص اس سے مستثنٰی نہیں اس لئے یہ مقدار علم کی واجب نہیں ہوگی یعنی ہر متنفس کا افراد انسان میں سے بلوغ و عقل کے ساتھ یہ فرض ہو گا کہ وہ مسائل

اعتقادیہ کو دلیل اجمالی کے ساتھ اور واجبات و محرمات کے شرعی احکام کو جانتا ہو اور ان کی معرفت حاصل کرے۔

اس کے بعد اصول عقائد کی تفصیلی واقفیت حاصل کرنا بسط و تشریح کے ساتھ اور مسائل دینیہ کو نظر و استدلال کے ساتھ جاننا جس کا نام اجتہاد' یہ انسان پر فرض عین نہیں ہے ورنہ پھر دنیا کی دوسری پرورش' صحیح مسائل سے واقف بنانا' ایسے افراد کے وجود پر موقوف ہے اس لیے ایک جماعت کا ہر زمانے میں رہنا ضروری ہے جو علم کے اس درجہ پر فائز ہو اس لیے اس درجہ پر علم کی تحصیل واجب کفائی ہے یعنی سب پر فرض ہے لیکن ایک یا چند افراد ایسے پیدا ہو جائیں جو اس ضرورت کو پورا کر سکتے ہوں تو پھر دوسروں سے یہ وجوب ساقط ہو جائے گا اس طرح بعض دوسرے علوم جن پر نظم زندگی موقوف ہے جیسے علم طب چونکہ عام نظام اسباب کی بنا پر امراض کے دفعیہ کا ذریعہ علاج میں منحصر ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ایسے افراد موجود ہوں جو انسان کی صحت جسمانی کی نگرانی کر سکیں۔

یوں ہی غذا اور لباس اور سکونت وغیرہ کی ضروریات کے لیے وہ صنعتیں ہیں جن سے کہ ضروریات پوری ہوتی ہیں بقدر ضرورت کفائی حیثیت سے واجب ہے۔

اس کے بعد وہ علوم جن سے مقصود کسی طرح خلق خدا کو جائز فائدہ پہنچانا ہو لیکن وہ ضرورت زندگی میں داخل نہ ہو تو وہ مستحب قرار پائیں گے۔ یعنی جب اس قصد سے انجام دیئے جائیں کہ ان سے خلق کو فائدہ حاصل ہوگا تو ان پہ ثواب بھی عطا ہوگا۔

باقی رہے ایسے علوم جن پر کوئی اس طرح کا مقصد مرتب نہیں ہے۔ مثلاً

فلاں ملک سے فلاں ملک کا فاصلہ کتنا ہے وہاں کی مردم شماری کتنی ہے ؟ وہاں کی پیداوار کیا ہے ؟ وہاں کی اقتصادی حالت کیسی ہے ؟ وہاں کا نظام سلطنت کیا ہے ؟ وغیرہ وغیرہ۔

یا یہ کہ آج سے اتنے صدی سے پہلے سے کوئی بادشاہ تھا اس کے دور حکومت کی اہم خصوصیات کیا تھیں، اس کے زمانے میں حدود سلطنت کتنے تھے ؟ اس کے زمانے میں کون سے انقلاب ہوئے اور کیا کیا اہم واقعات رونما ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

ان چیزوں کا علم حاصل کرنا جائز و مباح کے حدود میں آئے گا یعنی انسان اپنے فاضل اوقات زندگی میں ان باتوں کو جان لے تو کوئی مضائقہ نہیں یعنی وہ چیز ہے جس کو رسالتماب نے فرمایا اس وقت جب آپ مسجد میں تشریف لائے اور ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا مجمع ہے حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کون ہیں لوگوں نے کہا علامہ ہے۔

آپ نے فرمایا " ماعلامہ " یہ علامہ کیا چیز ہے ؟ لوگوں نے کہا یہ انسان عرب اور تاریخ عرب کی لڑائیوں کے حالات سے واقف ہے حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا علم ہے کہ جس سے نہ فائدہ پہنچا نہ نقصان۔

دیکھیے یہاں لغوی حیثیت کا لحاظ کیا گیا ہے جو علم کا اطلاق اس پر کیا گیا ہے لیکن اس کے بعد فرماتے ہیں " **العلم ثلاثہ محکمتہ اوسنتہ قائمتہ او فریضتہ عادلہ** " علم تو بس تین ہیں یہ علم کے اصطلاحی معنی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے بیان کیے گئے ہیں ایک محکم آیات اور دوسرے غیر منسوخ احادیث تیسرے احکام واجبہ۔

فرماتے ہیں " **ماعدا ذلک فضل** " اس کے سوا جو کچھ ہے وہ فاضل چیز ہے اور اگر علم ایسا ہو جس سے مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو یا اس کا معصیت سے تعلق ہے تو وہ حرام ہے جیسے علم موسیقی وہ بھی اس بنا پر کہ علم اس کا موقوف عمل ہے ورنہ اس کے مسائل کو لفظی حیثیت سے سننا یا جاننا حرام نہیں ہے، علم سحر اس کا حاصل کرنا بھی حرام ہے مگر یہ کہ رد سحر کے لئے ہو تو اس وقت میں جائز ہو گا، تیسرے کتب ضلال یعنی ادیان باطلہ کی کتابوں کا خرید کر محفوظ کرنا۔ مطالعہ کرنا اور نشرو اشاعت کرنا یہ سب ممنوع ہے جب تک اس کے ساتھ ردابطال کا قصد نہ ہو اگر یہ قصد ہو تو جائز ہو گا کسی حد تک واجب ہو گا تاکہ ان شبہات و اعتراضات کا دفعیہ ہو سکے اور حمایت حق کا فرض انجام پذیر ہو"

تعلیم نسواں ایک مسئلہ بنا ہوا ہے جہاں جوان مردوں کی تعلیم کا خیال رکھنا ضروری ہے وہاں تعلیم نسواں پر بھی خصوصی توجہ دی جانی چاہئے بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ مرد سے بھی زیادہ عورتوں کی تعلیم پر توجہ دینی چاہئے۔ جس قدر عورت پڑھی لکھی ہو گی معاشرے کو اس قدر مناسب افراد مل سکیں گے اب یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ عورتوں کو تعلیم کیسے دی جائے جب کہ مردوں کا ساتھ خاتون اسلام کی عظمت کے لئے سم قاتل ہے اور خاتون اسلام کے وقار کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے تو آیئے سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے خیالات سے استفادہ کریں سید العلماء علامہ صاحب "نظام زندگی" میں ہی تحریر فرماتے ہیں۔

تعلیم نسواں

علم کا معیار قرار پایا کہ جو کار آمد علم ہو وہ مستحسن ہے مگر کار آمد ہونا ہر شئے کے لئے اس اعتبار سے ہوتا ہے یعنی جو مقصد کسی شئے کا ہو اور جو اس کا مخصوص عمل ہو اس حیثیت سے مفید ہو تو وہ کار آمد سمجھا جائے گا اور اگر اس کی حیثیت سے مفید نہیں ہے تو وہ بے کار ہے۔

قدرت نے نوع انسان کو دو صنفوں پر منقسم کیا ہے مرد اور عورت اور ان کے خواص فطری مختلف، ضروریات زندگی مختلف، فرائض اور اعمال مختلف، اس لیے کیسے ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت میں ان کو ایک ہی صف میں جگہ دے دی جائے اور دونوں کے لئے ایک ہی طرح کی تعلیم کو کار آمد سمجھا جائے۔

بے شک عورت کو ترقی کرنا چاہئے جس طرح مردوں کو ترقی کرنا چاہئے لیکن مرد کو مرد رہ کر ترقی کرنا لازم ہے اور عورت کو عورت رہ کے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عرض کروں کہ تعلیم مرد کو اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ کامل مرد بن جائے اور تعلیم عورت کو ایسی ہو کہ جس سے وہ کامل عورت بنے۔

یہ خواہش کہ عورتوں کو میدان عمل میں بالکل مردوں کے دوش بدوش آنا چاہئے اس وقت صحیح ہو سکتی تھی جب مرد ان فرائض و اعمال میں عورت کے ساتھ شریک ہونے پر تیار ہو جاتا جو عورت سے متعلق ہے لیکن جب کہ عورت کے لئے فطرت نے کچھ مخصوص فرائض قرار دے دیئے ہیں جو بالکل اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور جن میں کس طرح بھی مرد اس کے ساتھ تبادلہ نہیں کر سکتا تو پھر مردوں کے لئے کچھ فرائض مخصوص ہونا چاہیں۔ جن میں وہ عورتوں کو شرکت کی دعوت نہ دیں۔

یہ بھی عورت کی طبیعت کا ایک کمزور پہلو ہے کہ مرد کی باتوں میں آجاتی ہے جس طرح مردوں نے اسے رکھا اس کو اس نے اپنے لئے بہتر سمجھا اور آج جب کہ مرد ہی آزادی پکار رہے ہیں اور یہ صدا بلند کر رہے ہیں کہ عورتوں کو میدان ترقی میں باہر آنا چاہئے تو اسے بھی عورتیں سمجھ رہی ہیں کہ یہ ہماری خیر خواہی ہے اور ہمارے لئے یہی مناسب ہے حالانکہ وہ دیکھیں تو اس میں صاف مردوں کی خود غرضی نمایاں ہو گی معلوم ہو گا کہ مرد مشکلات زندگی کے پورا کرنے سے ہمت ہار چکا ہے اور عورت کو صرف مدد کے لئے بلا رہا ہے۔ حالانکہ اس سے عورت کو خود کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ اس کی نسائیت کو انتہائی نقصان پہنچے گا۔

مرد اور عورت کی جسمانی تشکیل اور ان کے طبعی نظام زندگانی ہی سے ان کا مختلف المقصد ہونا نمایاں ہے۔

پھر جب یہ اختلاف اپنے مقام پر قائم ہے اور مٹ نہیں سکتا تو خواہ مخواہ ان کو کھینچ کر مرد کے پہلو میں لانے سے کیا فائدہ ہے ؟

عورت بہر حال عورت ہے اور اس کے لئے صحیح تعلیم وہ ہوگی جو اس کو ایک ترقی یافتہ عورت بنا دے تعلیم بے شک ضروری ہے لیکن وہ اس کے لحاظ سے ہونا چاہئے۔

جہاں تک اعتقادی مسائل کا تعلق ہے مرد اور عورت دونوں مشترک ہیں اسی طرح فرائض الہیہ جس طرح مردوں کے لئے ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے لہٰذا ان چیزوں کا علم حاصل ہونا جس طرح مردوں کے لئے ضروری ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی۔

بے شک احکام شرعیہ میں ممکن ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوں جن کا تعلق

عورتوں ہی سے ہے مردوں سے نہیں۔ جیسے خاص خاص مسائل طہارت یا جن کا تعلق مردوں کے ساتھ ہو عورتوں کے ساتھ نہیں جیسے احکام جہاد اس بنا پر کہ جہاد عورتوں سے ساقط ہے ایسے احکام کہ ان سب کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس طرح ضرورتوں سے ان احکام کا تعلق ہے اسی صنف کو اس کا علم بھی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے آگے علم کے وہ درجے ہیں جو نظام دنیا کے لحاظ سے ضروری ہیں ان میں تفریق پیدا ہو جانا ناگزیر ہے کیونکہ مرد کے ضروریات عورت سے مختلف ہیں۔

اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان داخلی اور خارجی حد و عمل کی تقسیم کردی ہے طلب معیشت اور جد و جہد مرد کا کام ہے اور انتظام خانہ داری عورت سے متعلق ہے اس لیے عورت کے لئے مقدم ان چیزوں کا حاصل کرنا ہے جو اس کے ضروریات سے متعلق ہے۔

اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے " **علموھن الغزل و الخیاطتہ ولا تعلموھن الکتابہ** " انہیں کاتنے اور سینے کی تعلیم دو اور انہیں انشاء پردازی اور تحریر کی تعلیم نہ دو۔ ظاہر میں اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ کتاب کا سیکھنا عورت کے لئے ممنوع ہے اس لیے بعض علماء بھی فتوے دیتے ہیں کہ کتابت اس کے لئے مکروہ ہے مگر غور کرنے سے پتہ چلتا ہی کہ ایسا نہیں ہے۔

جس طرح امر یعنی کسی شئے کی طلب وجوب یا استحباب کا پتہ دیتی ہے مگر اس وقت کہ جب اس سے پہلے نہی نہ ہو یا توہو ممانعت کا نہ ہو لیکن اگر پہلے کسی امر کی ممانعت ہوئی اور پھر یہ کہا گیا کہ اس کام کو کرو تو اس سے صرف

اجازت مقصود ہوتی ہے کہ وہ حکم اب ہر طرف ہو گا یا کسی شئے کے متعلق اس توہم کا موقع ہو کہ وہ ممنوع ہے' اور پھر اس کا حکم دیا جائے تو اس سے مطلب یہ ہو گا کہ اس توہم ممانعت کا دفعیہ کیا جائے اس طرح اگر کسی شئے کے حکم وجوبی یا استحبابی کے بعد اس سے منع وارد ہو تو وہ حرمت و کراہت کی دلیل نہ ہوگی بلکہ اس سے مقصود یہ ہو گا کہ اس کا حکم اب نہیں ہے یا کسی شئے کے متعلق استحباب و مطلوبیت کا شبہ ہو اور اس کے متعلق نہی وارد ہو تو اس سے اس مطلوبیت کی نفی مقصود ہو گی اور بس۔

اب دیکھئے کہ چونکہ مردوں کے لئے کتابت حاصل کرنے کی تاکید ہے اور ظاہری طور پر اس خیال کی کافی گنجائش ہے کہ عورتوں کے واسطے پر کتابت حاصل کرنے کا حکم ہو گا نیز غزل و خیاطت کا ان کے لئے پہلے حکم دیا گیا ہے لہٰذا اس "**لاتعلموھن الکتابۃ**" انہیں کتابت کی تعلیم نہ دو کے معنی صرف اتنے ہوں گے کہ ان کے لئے تعلیم کا حکم اس طرح کا نہیں ہے جس طرح کاتنے اور سینے کا ہے یا مردوں کے لئے جس طرح اس کی تاکید ہے اس طرح عورتوں کے لئے نہیں ہے اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ ان کے لئے حرام یا مکروہ ہے عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے۔ علاوہ ضروری اعتقادات اور مسائل کی اس حد تک ان کو دوسرے معلومات حاصل ہو جانا بہتر ہے جو نظام زندگی میں مفید ہوں۔ جیسے اصول حفظان صحت وغیرہ۔ پھر اگر تمام ضروری باتوں کو پورا کرنے کے بعد ان کے پاس وقت فاضل ہو تو دوسرے علوم کے حاصل کرنے میں بھی کوئی روک ٹوک نہیں مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی نسوانی خصوصیات محفوظ رہیں۔

اس کی اجازت کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ وہ سکولوں اور کالجوں میں جا کر

مردوں کے دوش بدوش تعلیم حاصل کرے۔

آج تعلیم نسواں کے مبلغین کی طرف سے مثال میں پیش کیا جاتا ہے سیدہ عالم علیہا السلام کو ان کا عملی پایہ کتنا بلند تھا اور جناب زینب علیہا السلام کو جن کے متعلق امام علیہ السلام نے فرمایا :

عالمتہ غیر معلمتہ

لیکن اس سلسلہ میں اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ سیدہ عالم علیہا السلام کے ذرائع معلومات کیا تھے اسکول اور کالج تو بہت دور ہے دنیا کی تاریخ سے یہ تک ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ سیدہ عالم علیہا السلام کبھی مسجد میں اپنے پدر بزرگوار کے موعظہ میں جا کر شریک ہوئی ہوں۔

بے شک یہ روایت سنی کہ اکثر یہ دریافت کر لیتی تھیں اپنے بچوں سے' جب وہ مسجد سے آتے تھے کہ آج بابا نے **موعظہ** میں کیا فرمایا اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سیدہ علیہا السلام انتہائی عزیز تھی مگر پھر کچھ پابندی تھی جو نہ سیدہ علیہا السلام نے مسجد میں جانے کی خواہش کی اور نہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سیدہ علیہا السلام کو اس کی اجازت دی۔

سیدہ عالم علیہا السلام نے ہمیشہ کے لئے صنف اناث کے واسطے مثال قائم کر دی کہ اگر وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد تعلیم یافتہ ہوں اور وہ خود اپنی عورتوں کو گھر کے اندر تعلیم دیں اس میں بڑے اور چھوٹے کا سوال بھی کوئی چیز نہیں اگر موقع ہو تو ماں اپنے بیٹے سے علمی فیض حاصل کر سکتی ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ شرعی پردہ عورتوں کے لئے گھر سے برقع اوڑھ کر نکلنے کا مانع نہیں ہے مگر معلوم ہونا چاہئے کہ ضرورت کے لحاظ سے جواز کے حدود چاہیں کچھ ہوں لیکن مطلوب اولین شرع کا عورتوں کیلئے گھروں کے اندر ہی رہنا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو عورتوں کے واسطے فرائض شرعیہ میں استثنٰے نہ کیا جاتا۔

نماز جمعہ اس صورت میں کہ جب وجوب عینی کی صورت رکھتی ہو مرد کے لئے واجب " عورتوں پر سے وجوب ساقط "

نماز جماعت کی فضیلت مرد کے لئے ثابت۔ عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ مسجد کی فضیلت مرد کے لئے اس کے درجے بلند ہوتے ہیں کثرت اجتماع کے لحاظ سے اس لئے گھر سے زیادہ ثواب مسجد میں اور مسجد محلّہ سے زیادہ ثواب مسجد جامع میں کیونکہ اجتماع وہاں زیادہ ہوتا ہے' مگر عورت کے لئے یہ حکم کہ خارج بیت یعنی گھر کے باہر نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب گھر کے اندر کا' اور صحن سے زیادہ ثواب اندر کے دلان اور کوٹھری کا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع کا نقطہ نظر کیا ہے مجھے ان لوگوں سے جو تعلیم نسواں کے حامی ہیں یا پردہ کے مخالف ہیں اس کی شکایت نہیں ہے کہ وہ یہ رائے کیوں رکھتے ہیں ممکن ہے ان کے دماغ نے یہی فیصلہ کیا ہو مگر مجھے ان سے شکایت ہے اس امر کی کہ وہ شریعت اسلام کی ہدایات کو اپنے موافق قرار دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے یوں آپ اس کو نہ مانتے ہوں یہ آپ کا فعل ہے مگر یہ نہ کہئے کہ شریعت بھی ہمارے موافق ہے۔

والدین اگر پابند شریعت ہیں تو انہیں اپنی لڑکیوں کو اخلاقی تربیت کے ساتھ ضروری تعلیم بھی ضرور دینا چاہئے مگر اس کا خیال رہے کہ وہ ان کے مزاج فطری

کے خراب کرنے کا ذریعہ نہ ہو اور ان کی شرم و حیا کا سرمایہ جو ان کا اعلیٰ ترین زیور ہے کسی طرح برباد نہ ہونے پائے۔

بچپن کے بعد کا دور علم و دانش کا دور شروع ہوتا ہے۔ غور و فکر کا دور شروع ہوتا ہے اور ہم جب یہ جان چکے کہ جوانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا چاہئے وہ مرد ہوں یا عورت نہایت ضروی ہے اور اہمیت علم اور شرعی علم کا اندازہ بھی ہو گا اور ہم نے تعلیم نسواں کے مغربی و اسلامی تاثرات و تجربات جب واضح کر دیئے تو اب یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جب جوانوں کی ایسی تربیت کی گئی اور تعلیم کے زیور سے ان کو آراستہ کر دیا گیا تو پھر جوانوں کی فکر و عمل جس قدر بلند ہو گی اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے جب ہم جوانوں کو تفکر و تعقل کا عادی بنا دیں گے تو ان کا غور و فکر پختگی ایمان کا باعث ہو گا اور وہ معاشرے کے لئے معیاری انسان ثابت ہوں گے عمل کے ساتھ ایمان و یقین کی شرط ضروری ہے بغیر یقین کے عمل کسی فائدہ کا نہ ہو گا۔

آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اقوال و افعال نقل کیے جاتے ہیں تا کہ جوانوں کے سامنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے چند گوشے واضح ہو جائیں' لیکن یہ یاد رکھیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لہو و لعب پر تعمیری عمل کو ترجیح ہی نہیں بلکہ لہو و لعب سے نفرت اور تعمیری عمل سے محبت کرتے تھے' کسی بھی کام کو معیوب نہیں جانتے تھے سوائے ان امور کے کہ جن سے انسانی زندگی عیب دار ہو جاتی' اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں غرض کہ کسی بھی پیشہ وارنہ امور کو انجام دینا آپ کے نزدیک باعث ننگ و عار نہ تھا آج بھی ہم حضوراکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل کر کے طبقاتی کشمکش کو ختم کر سکتے ہیں۔

درس صداقت

دلشاد کلانچوی صاحب :- " جدوں رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نینگو ھن" میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمیشہ تے ہر جا سچ بلیندے ھن، چاہئے کوئی مجبوری ہووے، وڈے کنوں وڈا لالچ ہووئے یا کوئی مصلحت ہووے، آپ کڈاہیں وی کوئی کوڑ نہ مریندے ھن، مکے دے لوکاں کوں آپ دی ایہہ عادت بہوں پسند رہی ہئی ایہہ وڈی گالھ ہے جو جتھاں رات ڈینہ کوڑ کنوں سوا کم نہ ہا تے جیہڑے زمانے وچ سچ بولنا بہوں مشکل ہا، آپ کوں عرباں جئے بے باک تے کراڑے بندیاں کنوں عین جوانی وچ "صادق القول دا خطاب مل ونجے" ایہہ محض آپ دے قول دے سچے ہون والی صفت ڈیکھ تے ڈتا گیا ہا، خیال رہے جو عرب وچہ الیہہ خطاب بہوں وڈے مرتبے تے شرافت دی نشانی سمجھیا ویندا ہا ہک غیر مسلم نے وی آپؐ دی صداقت ڈیکھ کے تے اکھئے جو جیہڑا سر کنوں پیراں تائیں سچا ہووے اوندے سب توں زیادہ شریف ہون وچہ کوئی شک دی جا کائے نہیں۔

صداقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق جامعہ تعلیمات اسلامی کی طبع شدہ " اسلام دین معاشرت " میں تحریر ہے کہ :

راست گوئی اجتماعی روابط کے سب سے زیادہ بنیادی ستونوں میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سچ اور راست گوئی کو اخلاقی موضوعات میں بڑی اہمیت دی ہے اور قرآن مجید میں متعدد مواقع پر اس کا ذکر آیا ہے اسلام کے نقطہ نگاہ سے راست گوئی کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی وضاحت کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں کسی پیغمبر کو سراہا ہے اس کے تمام اوصاف میں سے

اس کا انتخاب کیا ہے اور اس کا تعارف ایک راست گو شخص کی حیثیت سے کرایا ہے۔

قرآن مجید نے بت شکن اور خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس صفت کی ساتھ کیا " **واذ کر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقا" نبیا** " (سورۂ مریم آیت ۴۱)

اور پاک دامن حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے بھی یہی وصف مایہ فخر قرار دیا ہے " **ایھا الصدیق افتنا** " (سورۂ یوسف آیت ۲)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی ان کی رست گوئی کے لئے سراہا ہے۔ " **واذ کر فی الکتاب اسمعیل انہ کان صادق الوعد و کان رسولا" نبیا** " (سورۂ مریم آیت ۵۴)

اوز حضرت ادریس علیہ السلام کی توصیف بھی وہ اسی کے ذریعہ کرتا ہے۔ " **واذ کر فی الکتاب ادریس انہ کان صدیقا" نبیا** " (سورۂ مریم آیت ۵۶)

اور بالآخر بندگان خدا میں سے ممتاز اور سربر آوارده ہستیوں اور اولیاء اللہ کو بھی وہ اسی جملہ سے مشخص کرتا ہے کہ وہ سچ بولنے والی زبان رکھتے ہیں۔ " **وجعلنا لھم لسان صدق علیا** " (سورۂ مریم آیت ۵۰)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں کو اپنی شفاعت کی امید دلائی ہے اور ان سے شفاعت کا وعدہ کیا ہے جو راست گو رہے ہوں " **قال رسول اللہ ان اقربکم منی غدا" و اوجبکم علی شفاعتہ اصدقکم للحدیث و اداکم للامانتہ** (وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۲۲۲)

" آپ نے امام علی علیہ السلام کو سب سے پہلے جس چیز کی نصیحت کی وہ

سچائی ہے یعنی کبھی بھی اپنی زبان سے کوئی جھوٹا کلمہ نہ نکالیں " " **قال رسول الله او صیک یا علی فی نفسک بخصال اللهم اعنہ ○ الاولی الصدق ولا یخرج من فمک کذبتہ ابدا** " (وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۲۲۲)

" قرآن مجید جھوٹ بولنے والوں کو ایسے لوگ سمجھتا ہے جو اپنے پروردگار پر ایمان نہیں رکھتے " " **انما یفتری الکذب الذ ین لا یومنون بایات الله**"
(سورۂ نحل آیت ۱۰۶)

اور انہیں خدا تعالیٰ کی ہدایت سے محروم شمار کیا ہے " **ان الله لا یهدی من هو کاذب کفار** " (سورۂ زمر آیت ۳۰)

اور ان کے مقدر کی بارے میں کہتا ہے تم قیامت کے دن جھوٹوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر افتراء باندھا ہو سیاہ شکل کے ساتھ دیکھو گے " **یوم القیامتہ تری الذ ین کذ بوا علی الله وجوهھم مسودة** (سورۂ زمر آیت ۴۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ممکن ہے کہ مومن ڈر پوک یا بخیل ہو لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ دروغ گو ہو ۔ " **قال ابو الحسن الرضا علیہ السلام سئل رسول الله یکون المومن جبانا قال نعم قیل ویکون بخیل قال نعم قیل ویکون کذابا قال لا** " (وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۲۳۳)

اور ان سب باتوں کے علاوہ جھوٹ کا پھل دنیا میں بھی برا ہی ملتا ہے .
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جھوٹ انسان کی روزی گھٹاتا ہے
" **قال رسول الله الکذ ب ینقص الرزق** " (جامع السعادات ج ۲ ص ۳۱۷)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے جھوٹ سے پرہیز کرو

خواہ اسے تم اپنے لئے مفید ہی سمجھتے ہو کیونکہ اس میں ہلاکت اور بدبختی ہے جس کی جانب تم خود متوجہ نہیں ہو۔" **وقال رسول اللہ واجتنبوا الکذب وان رایتم فیہ النجاۃ فان فیہ الھلکۃ** (مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۱۰۰)

درس امانت و خودداری

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لڑکپن سے گذر کر ۲۵ سال کی عمر کو پہنچ گئے آپ کے کردار کی بلندی اور سیرت کی پاکیزگی کا چرچہ شہر مکہ میں ہر شخص کی زبان پر تھا۔ سب آپ کی شرافت ' صداقت اور امانت کے دل سے معترف تھے اس لیے مکہ میں آپ امین کے لقب سے مشہور تھے۔ ایک روز مکہ میں خدیجہ بنت خویلد علیہا السلام کا تجارتی قافلہ سفر کے لئے تیار کھڑا تھا خدیجہ علیہا السلام قریش کے دولت مند سرداروں کے خاندان میں سے تھیں اور لوگوں کو اپنی تجارت کی لئے ملازم رکھتی تھیں اور دوسرے تاجروں کے ساتھ بھی تجارت میں شراکت کرتی تھیں جناب ابوطالب علیہ السلام نے آپؐ سے کہا بیٹے گھر میں غربت ہے روزگار میں تنگی واقع ہو رہی ہے اور ہم تنگ دستی کی حالت سے گذر رہے ہیں اس وقت ہمارے کنبے کے تجارتی قافلے شام جانے کو تیار ہیں اور خدیجہ بنت خویلد علیہا السلام ہمارے قبیلے کے لوگوں کو اپنا مال تجارت دے کر ان قافلوں کی ساتھ بھیج رہی ہیں تاکہ وہ ان کے لئے تجارت کریں اور منافع میں ان کے ساتھ حصہ دار ہوں' اگر تم ان کے پاس جاؤ اور اپنا تعارف کراؤ تو وہ ضرور تمہیں دوسروں پر ترجیح دیں گی کیونکہ وہ تمہاری شرافت ' دیانت اور امانت سے خوب واقف ہیں۔ آپ نے جواب دیا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود مجھے اس مقصد کے لئے بلائیں' چچا نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم نے خود اپنے آپ کو پیش نہ

کیا تو وہ کسی اور کو رکھ لیں گی لیکن آپؐ اس بات پر تیار نہ ہو سکے کہ خود خدیجہ علیہا السلام کے پاس جا کر درخواست کریں کیونکہ ذاتی غرض کے لیے کسی کے پاس جانا آپؐ کو پسند نہ تھا۔

جناب ابوطالب علیہ السلام خود جناب خدیجہ علیہا السلام کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ محمدؐ کو ملازم رکھ لیں گی خدیجہ علیہا السلام نے جواب دیا اگر آپ کسی بیگانہ و ناآشنا شخص کے لئے بھی شفارش کرتے تو مان لیتی بھلا ایسے ایماندار اور خوش کردار کے لئے کیوں نہ مانوں گی۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے آپؐ کو بلایا اور کہا آپؐ کی راست گوئی، امانتداری اور خوش اخلاقی نے مجھے آمادہ کیا ہے کہ آپؐ کو اپنی تجارت میں شریک کروں۔ اگر آپؐ اس پر تیار ہوں تو آپ کے اہل قبیلہ سے آپؐ کو دگنا حصہ دوں گی۔ آپ نے اس پیش کش کو قبول فرمایا اور واپس آکر اپنے چچا سے سارا ماجرا بیان کیا جناب ابوطالب علیہ السلام نے کہا یہ دن اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ آپؐ خدیجہ علیہا السلام کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارتی سفر کے لئے تیار ہوئے۔ روانگی کے وقت آپؐ کے سارے چچا آپؐ کو الوداع کہنے کے لئے آئے اور انہوں نے قافلہ والوں سے آپؐ کے بارے میں سفارش کی۔

یہ پہلی بار تھی کہ آپؐ تنہا سفر کر رہے تھے چند روز قافلہ سفر کرتا رہا آپؐ اور میسرہ کے درمیان کافی گفتگو رہی آپؐ کی خوش کلامی اور خوش اخلاقی نے میسرہ کا دل موہ لیا اور وہ آپؐ سے بہت قریب ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد قافلہ بصرہ کے بازار میں پہنچا اور آپؐ میسرہ کے ساتھ مل کر جناب خدیجہ علیہا السلام کا مال تجارت بیچنے لگے۔ فروخت کے دوران آپؐ

سے ایک گاہک کا اختلاف رائے ہو گیا اس نے آپ سے کہا اگر آپ سچے ہیں تو لات وعزیٰ کی قسم کھائیں، آپ نے فرمایا میں کسی بت کی قسم نہیں کھا سکتا وہ شخص آپ سے بہت متعجب ہوا کیونکہ سارے عرب انہی بتوں کی قسمیں کھا کھا کے اپنا مال بیچتے تھے اس نے آپ سے سودا کر لیا کیونکہ اس نے معلوم کر لیا کہ آپ دوسرے تاجروں سے بہت مختلف ہیں جو بتوں کی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال بیچتے ہیں۔

آپ کا سارا مال تجارت بہت اچھے داموں بک گیا اور اس سے بہت سا منافع آپ کو حاصل ہوا، میسرہ نے بہت خوش ہو کر آپ سے کہا ہم نے کئی سال جناب خدیجہ علیہا السلام کے لئے تجارت کی ہے لیکن کبھی اتنا منافع نہیں کمایا۔

جناب خدیجہ علیہا السلام اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں اور انہوں نے اپنی نظریں شام کے راستے پر جما رکھی تھیں دور سے انہوں نے ایک قافلے کو آتے دیکھا جس کے چلنے سے گرد اٹھ رہی تھی سمجھ گئیں کہ ہمارا ہی قافلہ ہے جو شام سے آرہا ہے کیونکہ یہ وقت اسی کی واپسی کا تھا یہ قافلہ واقعی انہیں کا تھا۔ جس کے آگے آگے آپ اور میسرہ چل رہے تھے میسرہ نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا بہتر ہے کہ آپ آگے جائیں اور سب سے پہلے جناب خدیجہ علیہا السلام کے پاس پہنچ کر انہیں پربرکت سفر کی روداد سنائیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نصیب میں کیا ہے۔ آپ آگے گئے ظہر کا وقت تھا جناب خدیجہ علیہا السلام اپنے کمرے میں کھڑی تھیں اور انہوں نے کھڑکی سے اپنی نظریں قافلے پر جمائی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے آپ کو اونٹ پر سوار آتے دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور استقبال کے لئے تیار ہو گئیں، آپ تشریف لائے اور اپنے سفر تجارت اور اس سے ہونے والے نفع کی روداد جناب خدیجہ علیہا السلام کے سامنے بیان کی۔ جناب خدیجہ

علیہا السلام نے پورے اشتیاق سے آپؐ کی باتیں سنیں آپؐ کا ایک ایک لفظ ان کے کانوں میں رس گھول رہا تھا اور دل کی گہرائیوں میں محبت بن کر اتر رہا تھا جب آپؐ کی باتیں ختم ہوئیں تو جناب خدیجہ علیہا السلام نے پوچھا میسرہ کہاں ہے ؟ آپؐ نے جواب دیا وہ سامان کے ساتھ ہے' جناب خدیجہ علیہا السلام نے عرض کیا اسے میرے پاس بھجیں۔

وہ میسرہ کی زبان سے اس تجارتی سفریا منافع وغیرہ کی داستان سننا نہیں چاہ رہیں تھیں کیونکہ وہ تو انہیں آپ سے معلوم ہو ہی چکا تھا کہ منافع آگے کی نسبت دگنا ہوا ہے ان کی دراصل خواہش یہ تھی کہ آپ کے اخلاق و کردار کے بارے میں میسرہ سے مزید معلومات حاصل کریں۔

جناب خدیجہ علیہا السلام کی عمر چالیس سال تھی ان کی شرافت اور پاک دامنی کا بڑا شہرہ تھا لوگ انہیں طاہرہ اور قریش کی ملکہ کہتے تھے۔ قریش کے بڑے بڑے دولتمند سرداروں نے ان سے شادی کی درخواست کی لیکن انہوں نے سب کو ٹھکرا دیا تھا کیوں کہ ان میں کوئی بھی ان کے پائے اور مرتبے کا نہ تھا۔ لیکن جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ کو ہر لحاظ سے بے عیب پایا' اور دشمنوں کو بھی آپؐ کا مداح پایا تو آپؐ کے ساتھ شادی کی فکر کرنے لگیں۔ لیکن کس طرح اس نازک موضوع کو آپؐ کے سامنے چھیڑتیں آپؐ اور میسرہ اکٹھے تجارت کر چکے تھے اور دونوں میں دوستی قائم ہو چکی تھی۔ جناب خدیجہ علیہا السلام نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ میسرہ کو آپؐ کے پاس بھجیں تاکہ وہ آپؐ سے اس بارے میں گفتگو کرے۔ میسرہ آپؐ کے پاس آیا اور اس نے آپؐ کے ساتھ باتیں کر شروع کر دیں دوران گفتگو موقع پا کر اس نے پوچھ لیا محمدؐ سچ بتائیں آپ شادی کیوں نہیں کرتے ؟ آپؐ نے فرمایا میرے پاس

شادی کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ میسرہ نے کہا اگر پیسوں کا انتظام ہو جائے اور آپ کو مال و دولت کے ساتھ خوبصورت اور شریف بیوی بھی ملتی ہو تو کیا آپ شادی پر راضی ہو جائیں گے ؟ آپ نے دریافت فرمایا وہ کون ہے ؟ میسرہ نے جواب دیا جناب خدیجہ بنت خویلد علیہا السلام آپ نے پوچھا کیا وہ میرے ساتھ شادی کے لئے تیار ہیں ؟ میسرہ نے کہا یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔

میسرہ جناب خدیجہ علیہا السلام کے پاس آیا اور اس نے انہیں بتایا کہ محمدؐ کے ساتھ ان کی شادی کے بارے میں اس کی بات چیت کامیاب رہی۔ اور وہ اس شادی سے خوش ہیں اس پر جناب خدیجہ علیہا السلام کو بہت زیادہ خوشی ہوئی اور پھر انہوں نے خود آپ کو باقاعدہ طور پر یہ پیغام بھیجا۔

اے چچا زاد میں آپ کی انسانی شرافت' آپ کی خوش اخلاقی و راست گوئی اور آپ کے ساتھ اپنے خاندانی قرابت کی وجہ سے آپ کے ساتھ محبت کرتی ہوں' جناب خدیجہ علیہا السلام کی آپ کے ساتھ خاندانی قرابت یہ تھی کہ دونوں ایک دادا قصیٰ کی اولاد میں سے تھے دونوں نے ایک وقت مقرر کر لیا کہ جس میں طرفین کے بزرگ یکجا ہو کر شادی کے بارے میں گفتگو کریں مقررہ وقت پر جب آپ اپنے چچاؤں جناب ابوطالب علیہ السلام اور جناب حمزہ بن عبدالمطلب علیہ السلام اور قریش کے دوسرے بڑے لوگوں کے ساتھ جناب خدیجہ علیہا السلام کے گھر آئے تو ان کے خاندان کے بزرگوں کو اپنی آمد کے لئے منتظر پایا۔

مجلس جمی تو جناب ابوطالب علیہ السلام کھڑے ہو کر حاضرین سے یوں گویا ہوئے میرے بھائی کا بیٹا محمدؐ اگرچہ مالی اعتبار سے بہت بڑی حیثیت والا نہیں لیکن نسب خاندانی شرافت و بزرگی اخلاق کی بلندی' عقل اور تدبیر کے اعتبار سے قوم قریش کے سب افراد سے بلند اور ممتاز ہے اور مال دنیا ذاتی کمالات کا معیار نہیں

کیونکہ یہ سائے کی طرح زائل ہو جانے والی چیز ہے۔

ورقہ بن نوفل جو جناب خدیجہ علیہا السلام کے قریبی عزیز تھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے گروہ قریش گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمدؐ بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ جناب ابوطالب علیہ السلام نے فرمایا عقد ازواج کے قانونی طور پر صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے یہی الفاظ دلہن کا قریب ترین عزیز اپنی زبان سے کہے اس لیے میں دلہن کے چچا سے کہوں گا کہ یہ الفاظ خود کہہ کر شادی کے اس بندھن کی تکمیل کا اعلان کریں اس پر جناب خدیجہ علیہا السلام کے چچا عمر بن اسد نے اٹھ کر یہ اعلان کیا اے گروہ قریش گواہ رہو کہ میں نے اپنے بھائی کی بیٹی خدیجہؑ بنت خویلد کو محمدؐ بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ اس کے بعد حاضرین میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور انہیں کھانا کھلایا گیا اور شادی کا جشن شایان شان طریقے سے منایا گیا۔ اس طرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکہ عرب خدیجہ علیہا السلام طاہرہ کے ساتھ شادی کی مبارک تقریب بخیر و خوبی انجام کو پہنچی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کے عقد مبارک کے سلسلہ میں ایک روایت یوں بھی ملتی ہے کہ ایک دن ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ علیہا السلام کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خدیجہؑ اتنے لوگ آپ سے نکاح کے خواستگار ہیں مگر آپ ہیں کہ کسی کی طرف توجہ ہی نہیں دیتیں۔ فرمایا میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتی جس میں عیب ہوتا ہے۔ فرمایا کس نے خواستگاری کی، کہا عتبہ، عتیبہ اور محمدؐ ابن عبداللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) فرمایا صف لی عیوبھم ان کے عیب بیان کرو۔ ورقہ نے کہا کہ عتبہ فھو بخیل عتبہ بخیل ہے۔ اور عتیبہ کہا فھو رذیل وہ رذیل ہے۔ فرمایا محمد ابن عبداللہ

(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ورقہ سوچنے لگے کہ کوئی عیب ملے تو بیان کروں۔ ورقہ
بن نوفل سر جھکا کر بڑی دیر تک سوچتے رہے اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کا
اصرار بڑھتا گیا۔ یاد رکھئے ورقہ بن نوفل عیسائی ہے ' حضرت خدیجہ علیہا السلام کا
چچا زاد بھائی ہے۔ فرقہ بن نوفل کو سوچتے ہوئے جب بڑی دیر ہو گئی تو حضرت
خدیجہ علیہا السلام نے جب اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا کہ **ورقہ صف لی
عیوبہ** ورقہ نے سر اٹھایا اور کہا **وجھہ قمر جبینہ اظہر و ریحہ اسکی من
مسک الاصفر** کہا چہرہ چاند ہے ' آنکھیں ستارہ خوشبو مشک سے بہتر لفظ شرینی
سے افضل۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے فرمایا **ورقہ صف لی عیوبہ** ورقہ میں
عیب پوچھتی ہوں تم تعریف کرتے ہو' میں تعریف نہیں سننا چاہتی میں تو پوچھ رہی
ہوں کہ اس میں عیب ہے تو بتاؤ۔ کیوں کہ میں اس کو پسند نہیں کرتی جس میں
عیب ہوتا ہے۔ ان کے عیب بیان کرو۔ ورقہ کا سر پھر جھک گیا۔ بڑی دیر تک
سوچتا رہا اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کا اصرار بڑھتا گیا' بڑی دیر کے بعد ورقہ
نے سر اٹھایا اور کہا بڑے عیب ڈھونڈے بس یہی کہنے پر پھر مجبور ہوں **صورتہ
اجمل ' سیرتہ اکمل و سریرتہ احسن** کہا خدیجہؑ نہ ان کی صورت کا جواب ہے '
نہ سیرت کا جواب ہے' نہ سریرت ضمیر کا جواب ہے۔ فرمایا ورقہ میں پوچھتی ہوں
عیب بیان کرو تم ان کی تعریف کرتے ہو۔ کہا خدیجہؑ جو لاریب ہو اس میں ریب
کہاں اور جو بے عیب ہو اس میں عیب کہاں۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے
فرمایا ورقہ اتنا بے عیب انسان کہ جس میں ڈھونڈنے سے بھی عیب نہیں ملتا میری
ان سے شادی کرادو' ورقہ نے کہا ہاں شادی کراتا ہوں مگر ملے گا کیا ؟ اب
حضرت خدیجہ علیہا السلام سوچنے لگیں ایسی بے عیب ہستی کے بدلہ میں کیا شئے
دوں سوچتے سوچتے فرمایا' اے ورقہ یہ سارا خزانہ تم لے لو اور میرا نکاح کرادو۔

ورقہ بیشک عیسائی تھے مگر کہنے لگے نہیں مجھے اس کام کے بدلے خزانہ نہیں چاہئے اگر نکاح کرانے کے بدلے میں کچھ دینا چاہتی ہو تو وعدہ کرو کہ قیامت کے دن میری شفاعت کراؤ گی۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے فرمایا ہاں میں نکاح کرانے کے بدلے میں شفاعت کراؤں گی۔

اس طرح حضرت خدیجہ علیہا السلام اور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نکاح کی مبارک تقریبات کا آغاز ہوا اور خطبہ نکاح حضرت ابوطالب علیہ السلام نے پڑھا۔ جس کا ذکر اگلے صفحات پر تفصیل سے آئے گا۔ یہاں یہ بھی سوچنا پڑے گا عیسائی ہونے کے باوجود' نکاح کرانے پر شفاعت کا وعدہ ہو رہا ہے۔ تو جو نکاح کرائے' اس کی تو شفاعت ہو سکتی ہے اور جو نکاح پڑھائے..........؟

حضرت ابوطالبؑ کا خطبہ نکاح اور اظہار مسرت

" الحمد للہ الذی جعلنا من ذریتہ ابراہیم و زرع اسمعیل و ضئضئی معد ابن عدنان وعنصر مضر و جعلنا حضنتہ بیتہ و سواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا و حرما امنا وجعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن اخی محمد ابن عبداللہ لا یوزن برجل الا رجح بہ شرفا ونبلا و فضلا و عقلا فان کان فی المال قل فان المال ظل و زائل و امر حائل و محمد من قد عرفتم قرابتہ و قد خطب خدیجہ بنت خویلد ولھا ما اجلہ و عاجلہ من مالی کذا وھو واللہ بعد ھذا لہ نباء عظیم و خطیر جسیم " (اسوۃ الرسول ص ۷۹)

تمام تعریفیں اس خدا بزرگ و برتر کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو ذریت ابراہیم اور اولاد اسمٰعیل نسل معد ابن عدنان اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہم کو اپنے بیت کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا۔ ہمارے لئے

ایک ایسا گھر قرار دیا جس کا خلقِ خدا حج کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی جہاں خدا کی مخلوق امن پاتی ہے۔ ماسوا اس کے' خدا نے ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا امابعد میرا یہ بھتیجا "محمدؐ بن عبداللہ" ہے جس کا اگر کسی شخص سے موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تو ازروئے فضل و کمال و باعتبار شرافت و ذہانت یہی گرامی تر نکلے گا۔ یہ مالداری اور دولتمندی میں کم ہے مگر مال کیا ہے ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اور متغیر و متبدل ہو جانے والی شئے ہے۔ محمدؐ وہی شخص ہے جس کی قرابت جو کچھ مجھ سے ہے آپ لوگ اس کو خوب جانتے ہیں' اس نے خدیجہ علیہا السلام سے تزویج کا ارادہ کیا ہے اور اس طرح میں نے اپنے مال سے اس کے خدیجہ علیہا السلام کو مہر موجل رقم مقررہ اور صداق معجل (وہ رقم جو بروقت ادا کر دی جائے) ادا کر دیا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمدؐ وہ شخص ہے جس کے لئے کوئی خبر عظیم اور مہتمم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہونے والا ہے۔

ورقہ بن نوفل کا خدیجہ علیہا السلام کی طرف سے خطبہ

" فی المنتقی فلما اتم ابوطالب خطبتہ تکلم ورقہ بن نوفل فقال الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت و فضلنا کما علی عد د ت صخن سادۃ العرب وقاد تھا وانتم اھل ذالک کلہ لا ینکرہ العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من النلس فخر کم و شرفکم و قد رغبنا فی الا تصال بحبلکم و شرفکم فاشھد وا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجہ بنت خویلد من محمد بن عبداللہ علی اربعمائتہ دینارا" ثم سکت فقال ابوطالب قد اجبت ان یشرکک عمھا فقال عمھا یا معاشر قریش انی قد انکحت محمد بن عبداللہ من خدیجہ بنت خویلد و شھد علی ذلک صنادید قریش

منتقی میں مرقوم ہے کہ جب ابوطالب علیہ السلام اپنا خطبہ نکاح ختم کر چکے تو ورقہ بن نوفل نے یوں تقریر کی۔ وہ خدا قابل ستائش ہے جس نے ہم لوگوں کو ان اوصاف سے موصوف کیا جس کا آپؑ نے ذکر کیا اور ہم لوگوں کو وہ فضائل عنایت کیے جس کا شمار و انحصار آپؑ نے فرمایا۔ ہم لوگ سردار قوم عرب ہیں اور پیش رائے قوم اور آپ حضرات بنی ہاشم وہ بزرگوار ہیں جن کے فضائل سے کسی قبیلہ اور عشیرہ کا انکار ہو ہی نہیں سکتا اور آپ کے مفاخرو مشارف پر کسی فرد واحد کو حرف گیری کی جرات ہو ہی نہیں سکتی ہم لوگوں نے بطیب خاطر آپ حضرات سے پیوند کرنا چاہا اور آپ کے مشارف میں شریک ہونا قبول کیا۔ معاشر قریش آپ حضرات اس کے گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہؑ بنت خویلد کو محمدؐ بن عبداللہ کے ساتھ چار سو دینار مہر پر بیاہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر ورقہ خاموش ہو گئے تو حضرت ابوطالب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ اس کی تصدیق و شہادت میں خدیجہؑ کے چچا کو بھی شامل کر لیں۔ یہ سن کر ان کے چچا (اسد) اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے معاشر قریش آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمدؐ بن عبداللہ سے کر دیا ہے تمام صنادید قریش نے اس پر گواہی کر دی۔

" فرح ابی طالب فرحا شدیدا وقال الحمد للہ الذی اذھب عنا الکرب و رفع عنا الھموم "

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اس تزویج سے بڑی مسرت ہوئی اور فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ہمارے مشکلات و مہمات کو دور فرمایا "

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کے لئے فیصلہ کرنے کا

پورا حق اسلام نے دیا۔ مگر اس میں اس کا شرم و حیا باقی رہے جیسا کہ جناب خدیجہ علیہا السلام کا واقعہ آپ کے سامنے ہے اور مزید جناب فاطمہ علیہا السلام کا واقعہ درج کیا جاتا ہے جس میں یہ واضح طور پر یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بیٹی کے نکاح کا اختیار باپ کو ہے لیکن اس میں بیٹی کی رضا کا بڑا عمل دخل ہے۔

جناب ابراہیم امینی صاحب " فاطمہ الزہرا علیہا السلام اسلام کی مثالی خاتون" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے جناب فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ نکاح کی خواستگاری کی تو کہا "اگر آپؑ مصلحت دیکھیں تو اپنی دختر جناب فاطمہؑ کو میرے عقد میں دے دیں کہ جس سے مجھے ایک بہت بڑی سعادت نصیب ہو گی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس قسم کی پیشکش کے منتظر تھے آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی اور سرور سے جگمگا اٹھا اور فرمایا کہ صبر کرو میں فاطمہؑ سے اس کی اجازت لے لوں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جناب فاطمہ علیہا السلام کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم علی علیہ السلام کو بہتر جانتی ہو وہ خواستگاری کے لئے آئے ہیں آیا تم اجازت دیتی ہو کہ میں تمہارا عقد کردوں ؟ جناب فاطمہ علیہا السلام شرم کی وجہ سے ساکت رہیں اور کچھ نہ بولیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آنجنابؑ کے سکوت کو رضایت کی علامت قرار دیا (بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۲۷ ذخائر العقبی ۲۹)

امانت کا ذکر اکثر صداقت کے ساتھ ساتھ ہوا ہے جیسا کہ **" درس صداقت "** میں ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔ اس سے امانت کی اہمیت اسلام کی نظر میں کیا ہے ؟ آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ امانت اور صداقت انسانی معاشرے کی خوش بختی کا اہم ترین ستون ہے۔ ایک مقام پر قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ امانت اس کے مالک کو لوٹا دی جائے " **ان اللہ یا مرکم ان تود وا الا**

ملنات الی اھلھا " (سورۂ النساء ۵۸) ایک اور مقام پر امانتداری کو اہل ایمان کی اولین صفات میں شمار کرتا ہے " **والذین ہم لا ملنا تھم وعھد ھم راعون** " (سورۂ مومنون ـ ۸) اس نے بہت سے پیغمبروں (مثلاً نوحؑ ' ہودؑ ' صالحؑ ' لوطؑ ' شعیبؑ اور موسیٰ علیہم السلام کا تعارف "فرستادہ امین" "رسول امین) کے جملے سے کرایا ہے " **انی لکم رسول امین** " (شعرآء ۱۰۷ و ۱۲۵ ' ۱۴۳ ' ۱۶۳ ' ۱۷۸ ' اور دخان ۱۸) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص امین نہ ہو وہ کامل ایمان اور استقامت کا حامل نہیں ہو سکتا" " **قال رسول اللہ لا ایمان لمن لا امانتہ لہ** " رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں "امانت انسان کی روزی بڑھاتی ہے اور اس میں خیانت فقر اور تنگ دستی کا باعث بنتی ہے" " **قال رسول اللہ الا مانتہ یجلب الرزق و الخیانتہ یجلب الفقر** "

درس امن و حق پرستی و مدد انسانیت

قوم قریش اس بات پر متفق تھی کہ کعبہ کی تعمیر نئے سرے سے کی جائے قبائل قریش نے اس مقصد کے لئے جدا جدا پتھر اکٹھے کر کے یہ تعمیر شروع کر دی تعمیر کا کام حجراسود تک پہنچا ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ حجراسود کو اپنے مقام پر رکھنے کی عزت و سعادت ہمیں حاصل ہو۔ یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے باہمی قتل و غارت پر پہنچا چاہتا تھا کہ قریش کے سفید سروں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ وہ اکٹھے ہو کر اس کا شریفانہ حل تلاش کریں چنانچہ وہ لوگ خانہ کعبہ میں جمع ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے ان میں سے ایک نے اٹھ کر اپنی تجویز اس طرح پیش کی اے گروہ قریش آؤ اپنے اس قضیہ کا فیصلہ اس شخص کے سپرد کریں جو مسجد حرام میں سب سے پہلے داخل ہو اور وہ جو فیصلہ کرے

اسے سب مانیں سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور حرم کے دروازے پر نظر جما کر بیٹھ گئے پہلا شخص جو مسجد الحرام میں داخل ہوا وہ جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے آپؐ کے آنے سے سب ہی خوش ہوئے اور پکار اٹھے یہ امین ہے ہم اس کی رائے سے متفق ہیں چنانچہ سب نے یہ فیصلہ آپؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا ایک چادر لاؤ وہ لوگ چادر لے آئے آپ نے حجراسود کو اٹھا کر اس چادر میں رکھ دیا اور فرمایا تم میں سے ہر شخص اس چادر کا کنارہ پکڑے اور سب مل کر حجراسود کو اٹھا کر اس کے مقام تک لے چلیں۔ اس طرح حجراسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اسے اس کی صحیح جگہ پر رکھ دیا۔ قبائل قریش اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے کیونکہ آپؐ نے ان سب کو اپنی عقل خداداد شان رحمت اللعالمین کے صدقے میں ایک بہت ہولناک خون ریزی سے بچا کر ایک عظیم سعادت سے ہمکنار کر دیا۔

"حرب الفجار"

"جب بنی کلاب اور بنی بکر کے قبائل کی وجہ سے تمام قبائل عرب میں ٹھن گئی تھی' بنی کلاب کے عروہ بن عینیہ کو بنی بکر کے براص بن قیس نے قتل کر دیا تھا۔ یہ قتل ناحق ہی نہ تھا بلکہ ایام حرم میں واقع ہوا تھا لہٰذا اس خون ناحق کا قصاص طلب کیا گیا' نہ ملنے پر تمام قبائل میں جنگ چھڑ گئی قریش نے مظلوم قبیلہ کی حمایت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی اس جنگ میں حق کا ساتھ دیتے ہوئے مظلوموں کی طرف سے شرکت فرمائی۔

حلف الفضول

حرب الفجار بالآخر صلح پر منتج ہوئی اور ایک امن و آشتی کا معاہدہ طے پایا

جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت فرمائی۔

درس ایفائے عہد

" وعدے دے پکے " حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعدے دے بہوں پکے ھن جو وعدہ وی کریندے ھن ہر حالت وچ پورا کریندے ھن، وعدے توں کڈاہیں وی ناہیں پھردے ھن۔ وعدے دے پکے ہون دا ھک واقعہ بیان کریندے ھن، جو عبداللہ بن ابی الحمساء نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نال خرید و فروخت یعنی ونج وپار دا کوئی معاملہ طے کرناں ہا، کجھ گالھ تھی گئی آئی، کجھ اجن باقی ہائی جو عبداللہ بن ابی حمساء جلدی ول آون دا وعدہ کر کے اٹھی گیا پر اوکوں ولہن دا خیال نہ رہیا تے ڈوں ڈیں گزر گئے، تریجی ڈیوار یاد آئی تاں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہ بھیجیا آیا تاں ڈٹھس جو آپ اوندے انتظار وچ بیٹھے ھن، الہیہ ڈریا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میڈے نال کوڑیسن پر آپ کوئی ناراضگی ظاہر نہ کیتی بس ایو کجھ آکھیونے میں کو ایں جا تے تریجھا ڈینہہ ہے جو تیرا انتظار کریندا پیا ہاں این واقعہ کنوں ایہ وی پتہ لگدا اے جو آپ وڈے خوش معاملہ شخص ہن تے کہیں کوں ناراض نہ تھیوں ڈیندے ہن (جداں رسول کریم نیگر ھن ص ۱۴۱)

وفا کا لفظ ایک مقدس لفظ ہے جو ہر جگہ احترام سے یاد کیا جاتا ہے اور اسے غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ عہد و پیان کا وفا کرنا اسلام کے نقطہ نظر سے انسانی فضائل کا اعلیٰ ترین جزو شمار کیا گیا ہے اور یہ وہ نیکو کار شخص اسے سمجھتا ہے جو اپنا پیان وفا کرتا ہے " **الموفون بعهد هم اذ عاهد وا** " (سورۂ البقرہ ۱۷۷)

"قرآن مجید صریح حکم دیتا ہے اپنا وعدہ وفا کرو کیونکہ وعدے کا حساب و کتاب لیا جاتا ہے" "**اوفو بالعهد ان العهد کان مسئولا**" (سورۂ بنی اسرائیل ۳۴)

اور خدا تعالیٰ اپنے بزرگ پیغمبر اسمٰعیل کو ان الفاظ میں سراہتا ہے کہ وہ وعدے کا پکا اور رسول اور پیغمبر تھا "**واذکر فی الکتاب اسمعیل انه کان صادق الوعد و کان رسولا نبیا**" (سورۂ مریم ـ ۵۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص اپنا وعدہ پورا نہ کرے وہ دین نہیں رکھتا) "**قال رسول الله لا دین لمن لا عهد له**" (سفینتہ البحار ج ۲ ص ۲۹۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شخص سے وعدہ فرمایا کہ جب تک وہ واپس نہیں آئے گا آپ ایک پتھر پر بیٹھے رہیں گے وہ شخص چلا گیا اور سورج نکل آیا اور گرمی ہو گئی صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگر آپ دھوپ سے سائے میں تشریف لے آئیں تو کیا حرج ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اس شخص کے ساتھ اس جگہ کا وعدہ کر رکھا ہے اور اگر وہ نہیں آتا تو میں قیامت تک یہیں رہوں گا (اسلام دین معاشرت ص ۱۲۹)

درحقیقت پیشوایان اسلام کا یہ عمل عہدو پیمان وفا کرنے کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے ایک سبق ہے یہ وہی اصول ہے جس پر اجتماعی زندگی میں صحیح عمل کرنے کے لئے بہت سے دلدر دور ہو سکتے ہیں۔

عام انسانون کی فکری و عملی اصلاح و تربیت

انسان کی حقیقت اس دنیا میں بسنے والے انسان کی حقیقت اگر اسلامی نقطہ

نظر سے معلوم کی جائے تو اس کی زندگی کے مختلف مراحل کی ایک عجیب داستان سامنے آتی ہے ظاہر میں تو وہ ایک راست قامت چلنے پھرنے اور بولنے والا انسان ہے لیکن قرآن حکیم کی نظر میں اس کی حقیقت کہیں زیادہ گہری اور پراسرا ہے

قرآن حکیم میں انسان کی تعریف بھی بیان کی گی ہے اور مذمت بھی کی گئی ہے' اس کی تعریف بھی زیادہ ہے اور مذمت بھی جہاں اسے زمین و آسمان فرشتوں سے بالاتر پیش کیا گیا ہے وہاں اسے جانوروں سے پست تر بھی دکھایا گیا ہے وہ ایک خاص قوت کا حامل ہے جس سے وہ قوائے عالم کو مسخر کرتا ہے اور فرشتوں پر حکم بھی چلاتا ہے لیکن اس کے برعکس وہ اپنے برے اعمال کی پاداش میں اسفل السافلین میں بھی گر جاتا ہے ذیل میں انسان کی ان قابل تعریف صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو قرآن حکیم کی مختلف آیات میں بیان کی گئی ہیں۔

انسان کی قابل تعریف صفات

(۱) انسان زمین پر خدا کا خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۲) اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا۔ کیا تو زمین میں اس کو قائم کرتا ہے جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری خوبیاں پڑھتے رہتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا بے شک مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے (سورۃ البقرہ ایت ۳۰)

(۳) اور اسی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں سے ایک سے ایک پر درجے بلند کر دیئے تاکہ تم کو اپنے دیئے ہوئے احکام میں آزمائے (سورۃ انعام آیت ۱۶۵)

انسان کی علمی استعداد جو دوسری مخلوقات کی ممکنہ استعداد سے زیادہ ہے
اور اللہ نے آدم علیہ السلام کو سب نام سکھا دیئے' پھر ان سب ناموں کو فرشتوں کے سامنے رکھا پھر فرشتوں سے کہا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو تو وہ بولے تو پاک ہے ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدمؑ تو ان کو ان ناموں کے بارے بتا دے پھر جب اس نے ان کے نام بتا دیئے تو (اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا) کیا میں نے نہ کہا تھا میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہوں (سورۃ البقرہ آیت ۳۱ تا ۳۳)

انسان کی خدا آشنا فطرت

اگرچہ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے خدا کو پہچانتا ہے اور اس کے وجود سے آگاہ ہے لیکن اس کی فطرت احکام خداوندی سے انکار اور ان کی تردید کا منبع بھی ہے۔

(۱) اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان کی جانوں پر اقرار کروایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں وہ بولے ہاں تو (ہمارا رب ہے) اور ہم اقرار کرتے ہیں۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۷۶)

(۲) پس تو اپنا چہرہ یکے دین کی طرف کر (اس لئے) کہ وہی دین فطرت ہے وہی اللہ نے بنایا ہے اور سب لوگوں کو اسی پر پیدا کیا ہے (سورۃ روم آیت ۴۳)

انسان کی فطرت

انسان فطرت میں علاوہ ان مادی عناصر کے جو جمادات' نباتات اور حیوانات میں ہیں ایک آسمانی اور روحانی عنصر بھی موجود ہے گویا انسان جسم اور

روح کا مرکب ہے۔

جس سے جو چیز بنائی خوب بنائی انسان کی پیدائش ایک گارے سے شروع کی پھر اس کی اولاد نچڑتے ہوئے حقیر پانی سے پھر اس کو برابر کیا اور اس میں روح پھونکی۔ (سورۃ حم السجدہ آیات ۷ تا ۹)

انسان کی پیدائش

انسان کی پیدائش اتفاقی نہیں بلکہ ایک مقررہ طریقے پر ہوئی ہے اور وہ خدا کی ایک برگزیدہ ہستی ہے۔

پھر اس کے خدا نے اس (یعنی آدمؑ) کو برگزیدہ کیا پھر اس کی جانب متوجہ ہوا اور اس کو ہدایت کی (سورۃ طٰہٰ آیت ۔ ۱۲۲)

انسان کی اختیاری شخصیت

اگرچہ انسان پیغام خداوندی کا امین اور اس کا دوسرے تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے لیکن اس سے یہ بھی توقع کی گئی ہے کہ وہ اپنی پختہ کاری زمین کو آباد کرے اور نیکی اور بدی کے دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کرے۔

اور ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں کو اپنی امانت دکھائی پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک یہ بڑا ظالم اور نادان ہے (سورۃ احزاب آیت ۷۲)

ہم نے انسان کو ایک دو رنگی بوند سے بنایا (اور) اس کو پلٹتے رہے پھر ہم نے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا کر دیا۔ پھر ہم نے اس کو راستہ دکھایا' یا وہ شکر کرنے والا اور یا ناشکری کرنے والا (سورۃ دھر آیات ۲ ۔ ۳)

انسان کی ذاتی شرافت

اگرچہ خدا نے انسان کو دیگر مخلوقات پر برتری بخشی ہے لیکن وہ اپنی حقیقت کو خود اسی وقت پہچان سکتا ہے جب کہ وہ اپنی ذاتی شرافت کو سمجھ لے اس کے بعد ہی وہ پستی اور نفسانی خواہش سے بالاتر ہونے کا اہل ہوتا ہے۔

اور ہم نے اولاد آدمؑ کو عزت دی اور ہم نے ان کو جنگل اور سمندر میں سواری دی اور ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے روزی دی اور ہم نے ان کو بہتوں سے جن کو ہم نے پیدا کیا بڑھائی دے کر بڑھا دیا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۵)

انسان کا باطنی اخلاق

انسان باطنی اخلاق کا حامل ہے اور وہ اپنی فطری قوت سے ہر نیک و بد کو پہچان لیتا ہے۔ اور قسم ہے نفس انسان کی! جیسا کہ اس کو درست بنایا اور اس کو بدی اور پرہیزگاری کی سمجھ دی بے شک وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کر لیا (سورۃ الشمس آیت ۷ تا ۹)

انسان اور یاد خدا

انسان کے لئے اطمینان قلب کے حصول کا واحد ذریعہ یاد خدا ہے اگرچہ اس کی خواہشیں بے شمار ہیں لیکن ان تمام خواہشوں کے پورا ہو جانے کے بعد بھی اس کے دل میں یہ خواہش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ ذات خداوندی سے مل جائے۔

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ ہاں

اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں (سورۃ رعد آیت ۲۸)

اے انسان تجھے اپنے رب تک پہنچنے میں محنت سے تکلیف اٹھانی ہے پھر اس سے ملنا ہے (سورۃ انشقاق آیت ۶)

انسان اور زمین کی نعمتیں

بے شک زمین کی تمام نعمتیں انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور وہ ان تمام نعمتوں سے جائز طریقے سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

وہی ہے جس نے سب جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا (سورۃ بقرہ آیت ۲۹)

(ب) اور مسخر کر دیا تمہارے لئے اپنی طرف سے سب کچھ آسمانوں اور زمین میں سے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں (سورۃ جاثیہ آیت ۱۳)

انسان کی پیدائش کا مقصد

انسان کی پیدائش کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں خدا کی عبادت اور اس کی احکام کی پابندی کرے اور یہی انسان کا فرض ہے اور میں نے جن اور انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں (سورۃ ذاریات۔ آیت ۵۶)

انسان اور عبادت خدا

انسان خدا کی عبادت اور اس کی یاد کے بغیر نہیں رہ سکتا اگر وہ خدا کو بھول جائے تو وہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور نہیں جانتا ہے کہ وہ کون ہے اور کس لئے وجود میں آیا اور یہ کہ وہ کیا کرے اور کہاں جائے۔

اور ان لوگوں کی مانند مت ہو، جو خدا کو بھول گئے پھر خدا نے ان کے

لئے ان کی جانیں بھلا دیں اور وہی نافرمان لوگ ہیں (سورۃ حشر آیت ۱۹)

انسان اور رضائے خداوندی کا حصول

انسان دنیا میں ہمیشہ مادی مسائل ہی کے حل کے لئے کوشش نہیں کرتا اور اس کے ذہن کو صرف مادی ضرورتیں ہی محترک نہیں کرتیں بلکہ کبھی کبھی کسی بلند مقصد کے حصول کے لئے بھی اٹھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس عمل سے اس کے ذہن میں سوائے رضائے خداوندی کے حصول کے اور کوئی مقصد نہ ہو۔

اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف پلٹ جا تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (سورۃ فجر آیات ۲۸-۲۷)

اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو رہنے کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضا مندی ان سب سے بڑی ہے یہی بڑی کامیابی ہے (سورۃ توبہ آیت ۷۲)

اور اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں انسان خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک برگزیدہ ہستی ہے وہ زمین پر اس کا خلیفہ اور جانشین ہے وہ روحانی اور مادی عنصر کا مرکب ہے وہ خدا آشنا فطرت کا مالک ہے وہ آزاد اور مختار ہے وہ پیغام خداوندی کا امین اور اس کو دوسرں تک پہچانے کا ذمہ دار ہے وہ اپنی فطرت اور زمین اور آسمان پر مسلط ہے وہ نیکی اور بدی کو سمجھتا ہے وہ اپنی زندگی کے آغاز میں کمزور ہوتا ہے اور قوت و کمال کی طرف بڑھتا ہے' لیکن جب وہ حالت رشد (یعنی سن تمیز) کو پہنچتا ہے تو اسے صرف اسی صورت میں سکون قلب ملتا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر اس کی

یاد میں مشغول ہو جائے اس کی علمی اور عملی استعداد نامحدود ہے وہ ذاتی شرافت کا حامل ہے وہ مادی اور نفسانی خواہشات سے دور رہتا ہے اس کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے جائز طریقے سے فائدہ اٹھائے وہ اپنے خدا کے سامنے اپنے فرائض کی انجام دہی کا ذمہ دار ہے۔

اب ہم ان اعمال کا ذکر کرتے ہیں جن کی بناء پر قرآن حکیم کی مختلف آیات میں انسان کی مذمت کی گئی ہے۔

انسان کے قابل مذمت اعمال انسان کا ظلم اور اس کی نادانی

بے شک انسان ظالم اور ناداں ہے اور ہم نے آسمان زمین اور پہاڑوں کو اپنی امانت دکھائی پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بے شک یہ بڑا ظالم اور نادان ہے (سورۃ احزاب آیت ۷۲)

انسان کی ناشکری

بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے وہ مصالح خداوندی کو نہیں سمجھتا اور اسی نے تم کو زندہ کیا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرے گا بے شک انسان ناشکرا ہے (سورۃ حج آیت ۶۶)

حالت بے نیازی میں انسان کی سرکشی

جب انسان اپنی ضروریات زندگی میں اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے تو وہ احکام خداوندی کی بجا آوری سے سرکشی کرتا ہے بے شک انسان (خدا سے) سرکشی کرتا ہے اس (وجہ) سے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے (سورۃ علق

آیت ۴-۷)

انسان کی جلد بازی

انسان اپنے مطالبات میں جلد بازی سے کام لیتا ہے اور انسان برائی مانگتا ہے جیسے وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان بڑا جلد باز ہے (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۱)

تکلیف میں یاد خدا اور آرام میں خدا فراموشی

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے متضاد اعمال کا مرتکب ہوتا ہے تکلیف میں تو وہ خدا کو یاد کرتا ہے لیکن تکلیف دور ہو جانے کے بعد اسے بھول جاتا ہے۔

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے کھڑے پکارنے لگتا ہے اور پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف دور کر دیتے ہیں تو پھر وہ اپنی پہلی حالت میں آجاتا ہے۔ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کو دور کرنے کے لئے اس نے کبھی ہم کو پکار ہی نہ تھا ان حد سے نکلنے والوں کو اعمال (بد) ان کو اسی طرح پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں (سورۃ یونس آیت ۱۲)

انسان کی تنگ دلی

تنگ دلی انسان کا فطری تقاضا ہے اسی سے وہ اپنا مال و دولت بچا کر رکھتا ہے (اے پیغمبر !) کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں میرے رب کی رحمت کے خزانے ہوتے تو تم اس ڈر سے بند کر کے رکھتے کہ خرچ نہ ہو جائیں۔ اور انسان بڑا تنگ دل ہے (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۰)

انسان کی ستیزہ کاری

یہ بھی ایک فطری امر ہے اور انسان مختلف مباحث میں الجھا رہتا ہے اور بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں لوگوں کو بار بار سمجھائی اور انسان سب چیزوں سے زیادہ ستیزہ کار ہے (سورۃ کہف آیت ۵۴)

انسان کی حرص اور کم ہمتی

حرص اور جمع مال انسان کا فطری تقاضا ہے اور یہ اس کی کم ہمتی کی ایک بین دلیل ہے اور مال (جوڑا ور حرص) اور حرص کی بنا پر سمیٹ کر رکھا بے شک انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے (سورۂ معارج آیت ۱۸۔ ۱۹)

انسان کا اضطراب اور بخل

یہ دونوں صفات بھی انسان کی فطرت میں پائی جاتی ہیں جن کا وہ مظاہرہ کرتا ہی رہتا ہے۔ جب اس کو برائی پہنچے تو وہ مضطرب ہو جاتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچے تو وہ بخل کرنے لگتا ہے (سورۂ معارخ ۲۰ ـ ۲۱)

انسان قرآن حکیم کی نظر میں

اب یہاں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ کیا انسان قرآن حکیم کی نظر میں نیک ہے یا بد ـ کیا وہ بہت نیک ہے یا بہت بد ' کیا وہ فطرتوں کا حامل ہے یا اس کی آدھی فطرت نور ہے اور آدھی ظلمت اور قرآن حکیم اس کی بہت زیادہ تعریف کیوں کرتا ہے اور بہت زیادہ مذمت کیوں ؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تعریف اور مذمت اس سبب سے نہیں کہ وہ دو فطرتوں کا حامل ہے گویا اس کی ایک فطرت قابل تعریف ہے اور دوسری قابل مذمت۔ قرآن پاک کا نقطہ نظریہ

ہے کہ انسان اپنی ذاتی قوت کی بنا پر تمام کمالات کا حامل ہے اور اس کی لئے لازم ہے کہ وہ ان کمالات کو قوت سے فعل میں لائے اور یہ خود انسان ہی ہے جو اپنی ذات کو خود بنانے والا ہے۔

انسان کے لئے ان کمالات تک پہنچنے کی اصل شرط ایمان ہے یہ ایمان ہی ہے جس کی بدولت اس میں تقویٰ نیک عمل اور راہ خدا میں کوشش کاملہ پیدا ہوتی ہے یہ ایمان ہی ہے جس کے ذریعہ سے ناپسندیدہ علم (نفس امارہ) کی گرفت سے نکل کر پسندیدہ علم کی صورت اختیار کرتا ہے اور یہ ایمان ہی کی دولت ہے جس کے توسط سے حقیقی انسان جو خلیفتہ اللہ، مسجود ملائکہ ہے دنیا کی ہر چیز اس کے لئے ہے اور وہ تمام انسانی کمالات کا حامل ہے۔ وہ انسان باایمان ہے نہ کہ انسان بے ایمان۔ انسان بے ایمان ضعیف اور ناقص ہے وہ حریص ہے اور خون ریز و بخیل ہے اور خسیس و کافر ہے اور حیوان سے پست تر۔ قرآن حکیم میں ایسی بھی آیات آئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کون سا انسان ہے جس کی تعریف کی گئی ہے اور وہ کونسا انسان ہے جس کی مذمت کی گئی ہے ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا انسان حقیقی نہیں ہے صاحب کمالات انسان وہی ہے جو خدا پر ایمان رکھتا ہے اور جو اس کی یاد سے آرام پاتا ہے ورنہ اگر وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جو اپنی جڑیں چھوڑ چکا ہے۔

ہم ذیل میں اس موضوع پر صرف دو آئتیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

"قسم ہے زمانے کی کہ بے شک انسان خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور حق کی تائید کرتے رہے اور صبر کی تاکید کرتے رہے

(سورۂ عصر)

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کیے ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں وہ لوگ غافل ہیں (سورۂ الاعراف ۱۷۹)

انسان اور ادائیگی فرض

انسان میں ان صلاحیتوں کے علاوہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے قبولیت فرض کی صلاحیت بھی موجود ہے وہ ان قوانین کے حدود کے اندر رہ کر اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ جو اس کے لیے وضع کئے گئے ہوں البتہ انسان کے علاوہ کوئی دوسری ہستی فطرت کے صبری قوانین کے علاوہ کسی دوسرے قانون کی پابند نہیں ہو سکتی۔ مثلاً نہ تو جمادات و نباتات اور حیوانات کے لئے کوئی قانون وضع کر کے ان کو پہنچایا جا سکتا ہے اور نہ انہیں اس بات کا پابند کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے لئے وضع کئے ہوئے قانون پر عمل کریں اگر ان کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام کیا بھی جائے تو وہ ان کے لئے جبری اور لازمی ہو گا۔

لیکن یہ تنہا انسان ہی ہے جو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس کے لیے وضع کئے گئے قوانین کے حدود کے اندر رہ کر ہی زندگی بسر کرے چونکہ یہ قوانین ایک باحیثیت ادارہ کی جانب سے وضع ہو کر انسان پر عائد کئے جاتے ہیں اور یہ کہ ان کی پابندی تکلیف سے خالی نہیں ہوتی اس لئے اسے فرض کہا جاتا ہے۔

قانون ساز

اس لئے کہ وہ انسان کو کسی خاص فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دے

اس کے لئے چند شرائط بھی مقرر کرتا ہے یا بالفاظ دیگر انسان ان چند فرائض کا پابند ہو کر کسی فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتا ہے وہ شرائط جن کا تعلق فرائض سے ہے حسب ذیل ہیں۔

ادائیگی فرض کی شرائط

(ا) بلوغت : انسان جب اپنی عمر کی ایک منزل پر پہنچتا ہے تو ناگہانی طور پر اس کے اعضاء احساسات اور اس کی سوچ میں چند تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں جسے جست لگانے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے یہی صورتحال بلوغت کہلاتی ہے اور ہر شخص ایک فطری بلوغت کو پہنچتا ہے تمام افراد کے لئے بلوغت کے سلسلے میں عمر کی کوئی خاص منزل مقرر نہیں کی جا سکتی ممکن ہے بعض لوگ دوسروں کی نسبت جلدی بلوغت کی منزل پر پہنچ جائیں اس لئے کہ انفرادی یا کسی خاص خطہ زمین یا ماحول کی خصوصیات انسان کے لئے بلوغت کی منزل پر جلد یا بدیر پہنچنے پر اثرانداز ہوتی ہیں۔

اور مسلم یہ ہے کہ مرد کے مقابلے میں عورت جلدی بالغ ہو جاتی ہے قانونی نقطہ نظر سے لازم ہے کہ ایک مقرر عمر جو عام لوگوں کی متوسط عمر ہوتی ہے جو کم از کم بلوغت کی عمر ہے اسلامی فقہ کی دوسری شرائط کے علاوہ جیسے "حالت رشد" یعنی سن تمیز معین کی جائے تاکہ سب لوگ ایک ضابطے کے پابند ہو جائیں۔ اور ممکن ہے کہ بعض انسان فطری لحاظ سے بالغ ہو چکے ہوں، لیکن ابھی قانونی بلوغت کی عمر تک نہ پہنچے ہوں اسلام میں اکثر شیعہ علماء کے نقطہ نظر سے عمر کے لحاظ سے مرد کی قانونی بلوغت پندرہ قمری سال پورے ہونے اور سولہویں سال میں داخل ہونے پر مقرر کی گئی ہے قانونی بلوغت ادائیگی فرض کی ایک خاص

شرط ہے یعنی اگر کوئی شخص قانونی بلوغت کی عمر کو نہ پہنچا ہو تو وہ ادائیگی فرض کا ذمہ دار نہیں ہے علاوہ اس کے ولائل سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قانون بلوغت کی عمر پر پہنچنے سے پہلے طبعی بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔

(ب) عقل : ادائیگی فرض کی ایک اور شرط انسان کا عاقل ہونا ہے ایک پاگل شخص جو عقل سے عاری ہے ادائیگی فرض کا پابند نہیں اور فرض اس پر ساقط ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک نابالغ لڑکا کسی طرح سے بھی ادائیگی فرض کا پابند نہیں نیز یہ کہ بلوغت کے زمانے میں وہ اس بات کا ذمہ دار نہیں ہے کہ جو فرض اس نے بلوغت کے قبل انجام نہیں دیا وہ بھی انجام دے مثلاً ایک بالغ لڑکے کا فرض نہیں ہے کہ جو نمازیں اس نے بلوغت سے پہلے ادا نہیں کیں وہ قضا کرے اس لئے کہ اس عمر میں اس فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں جو اس نے پاگل پن کے عرصے میں ادا نہیں کیے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ اس عرصے کے روزے اور نمازیں قضا کرے۔

لیکن بعض فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق بالغ بچے یا پاگل شخص کی دولت اور مال سے ہوتا ہے اور بچے یا پاگل شخص اپنے بچپن یا پاگل پن کی حالت میں ان کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں ہے لیکن جب بچہ "بالغ" اور پاگل "عاقل" ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ وہ ان فرائض کو ادا کریں جیسے زکوٰۃ یا خمس اس مال سے جس کا تعلق اس مال سے ہے۔اور اگر فرائض ان کے شرعی ولی نے ادا نہ کیے ہوں تو ادائیگی کی منزل پر پہنچنے کے بعد وہ خود ادا کرے۔

(ج) علم و آگہی : ظاہر ہے کہ انسان صرف اس وقت کسی فرض کو ادا کر سکتا ہے جب وہ اس فرض سے آگاہ ہو۔ یعنی وہ فرض اس کو پہنچا دیا گیا ہو

فرض کرو کہ کسی قانون ساز نے قانون واضح کر دیا اور وہ قانون اس پر عمل کرنے والے شخص کو نہیں پہنچا تو وہ شخص اس قانون کی پابندی کا ذمہ دار نہیں بلکہ وہ اس قانون پر عمل کرنے پر قادر بھی نہیں اور اگر وہ شخص اس قانون کے خلاف عمل کرے تو قانون ساز اس کو سزا نہیں دے سکتا۔

علماء علم اصول کا نظریہ یہ ہے کہ اس شخص کو سزا دینا برا ہے۔ جو فرض سے آگاہ نہیں اور جس نے وہ فرض معلوم کرنے میں کوتاہی بھی نہیں کی اور علماء موصوف قانون کی اس شق کو "بلا بیان سزا کی برائی" کہتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ یہ کسی قوم کو کسی قانون کی خلاف ورزی کی سزا نہیں دیتے علاوہ اس کے کہ ان لوگوں پر حجت پوری ہو گئی ہو۔ یعنی ہم کسی حق کو بلا بیان سزا نہیں دیتے۔

البتہ فرض کے لئے علم و آگاہی کی جو شرط اوپر بیان کی گئی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان عملاً اپنے آپ کو بے خبری میں رکھے اور اس بے خبری کو اپنے لیے عذر بنائے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے اطلاع حاصل کرے اور اس کے بعد وہ اس اطلاع کی بنا پر عمل کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بہت سے گناہگاروں کو خدائی انصاف کے محکمہ میں حاضر کر کے ان کو اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرنے پر قابل مواخذہ قرار دیا جائے گا۔ گناہگار کو کہا جائے گا کہ تو نے معلوم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی ؟

پس ہمارا مقصد اس امر سے یہ ہے کہ فرض سے مطلع ہونا فرض کی ایک شرط یہ ہے کہ اگر فرض' فرض ادا کرنے والے شخص کو نہیں پہنچایا گیا تو فرض ادا

کرنے والا اس کوتاہی میں قصور وار متصور نہ ہو گا۔ یعنی اس نے فرض معلوم کرنے کی کوشش تو کی۔ لیکن باوجود اس کے کہ وہ فرض معلوم نہیں کر سکا تو ایسا شخص خدا کے نزدیک معذور قرار پائے گا۔

(د) **طاقت و توانائی :** اصل میں وہی کام انسان کے لئے فرض قرار پاتا ہے جس کی انجام دہی کی اس میں طاقت ہو۔ لیکن وہ کام کہ انسان جس کی انجام دہی پر قادر نہ ہو فرض قرار نہیں پاتا۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی طاقت محدود ہے ایسی صورت میں چاہیے کہ اس کے فرائض اس کی طاقت کے حد کے اندر ہوں۔ مثلاً انسان میں علم و دانش حاصل کرنے کی طاقت ہے لیکن اتنی جو وقت اور انداز و معلومات کے نقطہ نظر سے ایک مقررہ حد کے اندر ہو ایک انسان نابغہ روزگار ہی کیوں نہ ہو تاہم چاہیے کہ وہ ایک طویل مدت میں علم و دانش کے مدارج طے کرے۔

اب اگر کسی شخص کو مجبور کیا جائے کہ وہ چند سالوں میں حاصل ہونے والا علم ایک رات میں حاصل کرے یا یہ کہ وہ تمام دنیا کے علوم حاصل کرے تو یہ ایک ایسے کام کی انجام دہی کا معاملہ ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے اور ایسا کرنا ہرگز درست نہیں اور کسی انصاف پسند حاکم کی طرف سے ایسا حکم صادر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم میں آیا ہے "اللہ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اس کو جو اس کی طاقت ہو" (سورۃ البقرہ ۲۸۶)

اگر کوئی شخص غرق ہو رہا ہو اور ہمارے اندر اس کو بچا لینے کی طاقت ہو تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کو بچائیں۔ لیکن اگر کوئی ہوائی جہاز گر جانے کی حالت میں ہو اور ہم کسی طرح بھی اس کو گرنے سے روکنے پر قادر نہ ہوں تو وہ

فرض ہمارے اوپر سے ساقط ہو جائے گا اور کسی صورت میں خداوند تعالیٰ ہم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ یہاں ایک اور امر کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ جیسا ہم نے علم و آگاہی کے ضمن میں کہا ہے کہ فرض کا علم و آگاہی سے مشروط ہونے سے یہ لازمی قرار پاتا ہے کہ ہم طاقت و توانائی کے ذمہ دار نہ ہوں البتہ بعض امور میں ضرورت سے زیادہ طاقت کا استعمال جائز نہیں' مثلاً ہمیں ایک زبردست دشمن کا سامنا ہے جو ہمارے حقوق یا ہمارے دین اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور ہم موجودہ صورتحال میں طاقت سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور یہ کہ اس سے ہر طرح کا مقابلہ اپنی طاقت کا ضیاع ہے علاوہ اس کے کہ ہمیں اب یا آئندہ اس عمل سے مثبت نتیجہ حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہم دشمن کے مقابلے یا اس کو حملہ کرنے سے روکنے کے ذمہ دار نہیں لیکن ایک بات کی ذمہ داری ہم پر ہمیشہ عائد ہوتی ہے کہ ہم طاقت اور توانائی حاصل کریں تاکہ ایسے حالات میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہیں۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ "اور تیار کرو ان کو لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھ جائے اللہ کے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے (اور) اللہ ان کو جانتا ہے" (سورۂ انفال)

جیسا کہ ایک فرد یا سوسائٹی جو ناواقفیت کی بنا پر اطلاع حاصل کرنے میں کوتاہی کرتی ہے خدا کی طرف سے قابل مواخذہ قرار پاتی ہے کہ اس نے طاقت اور توانائی کیوں حاصل نہیں کی اور اس کی کمزوری بطور عذر قبول نہیں کی جائے گی۔

(۵) **آزادی و اختیار** : ادائیگی فرض کے لئے آزادی و اختیار بھی ایک شرط ہے یعنی ایک شخص اس وقت ادائیگی فرض کا ذمہ دار ہے جب کہ اس کے

لئے جبر یا بے اختیاری کی صورت نہ ہو اگر ایسی صورت موجود ہو تو فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ جبر کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جابر شخص کسی دوسرے کو دھمکی دے کہ وہ اپنا روزہ توڑ دے اور اگر وہ روزہ نہیں توڑے گا تو وہ اس کو جان سے مار دے گا ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنے کا فرض ساقط ہو جاتا ہے ..... ایسے ہی اگر ایک شخص حج (بیت اللہ) کی استطاعت رکھتا ہو اور وہ حج پر جانا چاہتا ہے۔ اب ایک جابر شخص اس کو دھمکی دیتا ہے کہ اگر وہ حج پر گیا تو اس کے متعلقین کو جان کا خطرہ ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے "جہاں جبر درمیان میں آجائے وہاں فرض ساقط ہو جاتا ہے"

"اضطرار"

اضطرار کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں کسی دوسرے شخص سے دھمکی تو نہیں ملتی بلکہ یہ اس کا اپنا فعل ہے کہ وہ فرض ادا نہیں کر سکتا لیکن اس کا یہ فعل سخت حالات کی شرط سے مشروط ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کسی بے آب و گیاہ بیابان میں بھوک سے بے حال ہو چکا ہے اور وہاں سوائے مردار کے کوئی اور چیز موجود نہیں جس سے وہ اپنی بھوک کو مٹا سکے۔ تو ایسی حالت اضطرار میں مردار کھانے کے حرام ہونے کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

جبر اور اضطرار میں فرق یہ ہے کہ جبر کی صورت میں ایک کمزور شخص کو ایک جابر شخص کی طرف سے دھمکی ملتی ہے کہ فلاں خلاف شرع کام کرو اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تمہیں سخت صدمہ پہنچے گا اور وہ مجبور شخص اس بنا پر کہ وہ اس پر وارد ہونے والے سخت صدمے سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا تو وہ

بحالت مجبوری اپنے فرض کی ادائیگی کے خلاف عمل کرے گا لیکن اضطرار میں دھمکی ملنے کا کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن اگر کسی شخص کو ایسے سنگین حالات درپیش ہوں جن کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو چکی ہو تو وہ اپنی اس خراب حالت کو دور کرنے کے لئے مجبور ہے کہ اپنے فرض کی ادائیگی کے خلاف عمل کرے لہٰذا جبر اور اضطرار میں فرق کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

(ا) "جبر" میں برخلاف "اضطرار" دھمکی ملنے کا دخل ہے

(ا) "جبر" میں انسان کسی آنے والی سخت مصیبت کو دور کرنے کے لئے چارہ جوئی کرتا ہے لیکن "اضطرار" میں وہ کسی آئی ہوئی مصیبت سے رہائی پانے کے لئے ایسا کرتا ہے۔

لیکن جبر اور اضطرار کو کسی فرض کی عدم ادائیگی کی ضروری شرط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یعنی یہ مسلم مسئلہ نہیں ہے اس لیے کہ اول تو یہ دونوں حالتوں کا تعلق اس شدید صدمے سے ہے جسے دور کرنا مقصود ہے درسرے یہ کہ ان حالتوں کا تعلق اس فرض کی اہمیت سے بھی ہے جسے انسان جبر یا اضطرار کی حالت میں ترک کر دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کسی وقت بھی جبر یا اضطرار کو بہانہ بنا کر کوئی ایسا اقدام کرے جو دوسروں کی جان یا سوسائٹی کے لئے نقصان یا خود دین اسلام کے لئے ضرر کا سبب بن جائے بہت سے فرائض ایسے ہیں کہ جن کی ادائیگی کے لئے ہر طرح کا نقصان اور صدمہ برداشت کرنا چاہیئے۔

(۲) درستی اعمال کی شرائط

اب جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق ادائیگی فرض کی شرائط سے ہے یعنی انسان شرائط کے تحت ہی کسی فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے چنانچہ فرض کی

شرائط سے وہ شرائط مراد ہیں جو اگر موجود نہ ہوں تو انسان پر فرض کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی۔ البتہ بعض ایسی بھی شرائط ہیں جو درستی اعمال کی شرائط کہلاتی ہیں جیسا کہ معلوم ہے عبادت اور معاملات کے علاوہ بعض شرعی اعمال ایسے بھی ہیں جن کا تعلق خاص شرائط سے ہے تاکہ وہ شرعی اعمال ان شرائط کے ساتھ صحیح طریقے سے انجام پائیں اور درستی اعمال کی شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں کہ اگر کسی شخص نے شرعی اعمال انجام دینے میں ان شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا تو گویا اس نے وہ فرض صحیح طریقے سے انجام نہیں دیا اگر اسی صورت میں کوئی فرض ادا کیا جائے تو وہ باطل تصور ہو گا۔

شرائط درستی اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں۔

شرائط خاص اور شرائط عام : ہر عمل کی شرائط خاص اسی عمل کے ساتھ مخصوص ہیں اور اسی عمل کے سلسلہ میں پہچانی جاتی ہیں البتہ شرائط عام کا تعلق حسب ذیل امور سے ہے اور اس سلسلے میں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فرض کی شرائط عام اور درستی اعمال کی شرائط عام کے درمیان بھی ایک قدر مشترک موجود ہیں۔ یعنی

۱۔ بعض شرائط "شرائط ادائیگی فرض بھی نہیں اور شرائط درستی اعمال بھی
۲۔ بعض شرائط "شرائط ادائیگی فرض تو ہیں لیکن شرائط درستی اعمال نہیں
۳۔ بعض شرائط "شرائط ادائیگی فرض تو نہیں لیکن شرائط درستی اعمال ہیں

اور درستی اعمال کی شرائط کی حسب ذیل تین صورتیں ہیں۔

۱۔ بعض شرائط درستی عبادت اور درستی معاملات دونوں کی شرائط ہیں
۲۔ بعض شرائط صرف درستی عبادت کی شرائط ہیں

۳- بعض شرائط صرف درستی معاملات کی شرائط ہیں

(ب) ہم ادائیگی فرض کی شرائط عام اور درستی اعمال کی شرائط عام کی مذکورہ تین قسموں کی وضاحت کرتے ہیں۔

۱- ہر وہ عمل جو بیک وقت شرط ادائیگی فرض اور شرط درستی اعمال ہو وہ عقل ہے اس لئے کہ عقل سے عاری انسان جس پر فرض عائد نہیں ہوتا اس کے اعمال عبادات سے متعلق ہوں یا معاملات سے درست متصور نہیں ہوں گے مثلاً اگر کوئی پاگل شخص یہ چاہے کہ وہ کسی دوسرے کے لئے حج بدل کرے یا کسی دوسرے کے لئے نماز ادا کرے یا روزہ رکھے یا نماز باجماعت میں امام اور مقتدیوں کے درمیان یا صرف مقتدیوں کے درمیان رابطہ کا عمل انجام دے تو اس کا یہ عمل درست متصور نہ ہو گا۔

عقل کی طرح طاقت بھی بیک وقت شرط ادائیگی فرض اور شرط درستی اعمال ہے اس طرح عام جبر بھی اسی زمرے میں آتا ہے یعنی ایک مجبور شخص کہ جس کا فرض خاص شرائط کے پورا ہونے کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے اگر وہ کوئی معاملہ جبر کے تحت یا مثلاً جبر کی صورت میں شادی کرے تو اس کا یہ فعل شرعی نقطہ نظر سے درست متصور نہ ہو گا بلکہ وہ فعل باطل متصور ہو گا۔

۲- ہر وہ امر جو شرط ادائیگی فرض تو ہے لیکن شرط درستی اعمال نہیں بلوغت ہے یا نابالغ لڑکا کسی فرض کی ادائیگی کا ذمہ دار نہیں لیکن اگر وہ سن تمیز اور فہم و فراست کی حد کو پہنچ چکا ہے اور اس قابل ہے کہ ایک بالغ مرد کی طرح کسی شرعی عمل کو درست انجام دے تو اس کا وہ عمل درست متصور ہو گا اور اسی طرح سن تمیز اور فہم و فراست کی حد کو پہنچا ہو نابالغ لڑکا بھی نماز باجماعت میں امام مقتدیوں

کے درمیان صرف مقتدیوں کے درمیان رابطہ کا عمل سرانجام دے سکتا ہے اور اسی طرح وہ عبادت میں دوسروں کی نیابت بھی کر سکتا ہے البتہ امر مسلم یہ ہے کہ بلوغت درستی عبادت کی شرط نہیں ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا بلوغت درستی معاملات کی بھی شرط ہے یا نہیں۔

بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ بلوغت درستی معاملات کی شرط نہیں ہے اور سن تمیز اور فہم و فراست کی حد کو پہنچا ہوا ایک نا بالغ لڑکا بغیر کسی دوسرے کی نیابت کے خود اپنے لئے معاملہ کر سکتا ہے مثلاً خرید و فروخت کرے یا مکان کرایہ پر دے یا خطبہ نکاح پڑھے۔

اور بعض دوسرے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ سن تمیز اور سن فہم و فراست کی حد کو پہنچا ہو' نابالغ لڑکا بغیر کسی دوسرے کی نیابت کے خود اپنے لئے معاملہ نہیں کر سکتا بلکہ دوسروں کی نیابت کر سکتا ہے۔

اسی طرح وہ امور جو شرائط ادائیگی فرض تو ہیں لیکن شرط درستی اعمال نہیں علم و آگاہی اور عدم اضطرار ہیں ایسے ہی ایک عمل جو عبادت ہو یا معاملہ اگر دوسری شرائط کے اعتبار سے مکمل طور پر انجام پائے لیکن یہ صورت عمل کرنے والے پر ظاہر نہ ہو تو بھی اس کا یہ عمل درست ہو گا یا مثلاً ایک شخص ایک ایسے مکان کا مالک ہے جو اسے بہت پسند ہے اور وہ اسے فروخت نہیں کرنا چاہتا لیکن اچانک اسے کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور اسے رقم کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور وہ اضطرار کی حالت میں اپنے پسندیدہ مکان کو فروخت کر دیتا ہے تو اس کا یہ معاملہ درست متصور ہو گا۔

یا اگر کوئی مرد یا عورت کسی طرح بھی شادی کرنے پر راضی نہیں لیکن اس

کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جاتی ہے کہ طبیب اس کیلئے شادی ضروری قرار دیتا ہے اور وہ اضطرار کی حالت میں شادی کر لیتا ہے تو ان میں سے ہر ایک کی شادی درست متصور ہو گی۔

مذکورہ مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ درستی اعمال کی شرائط کے لحاظ سے جبری اور اضطرار حالت میں معاملات کی انجام دہی میں فرق ہے جبری حالت میں کیا ہوا معاملہ درست نہیں لیکن اضطراری حالت میں کیا ہوا معاملہ درست ہے۔

البتہ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جبری حالت میں کیا ہوا معاملہ کیوں درست نہیں اور اضطراری حالت میں کیا ہوا معاملہ کیوں درست ہے ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ مجبور اور مضطر دونوں اس لحاظ سے کہ ایک عمل کی انجام دہی پر راضی نہیں ہیں باہم برابر ہیں جیسے اگر کوئی شخص کسی دھمکی کی بنا پر اپنا پسندیدہ مکان فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے اور اس دھمکی کی مصیبت کو دور کرنے کے لئے اپنا مکان بیچ دے تو وہ اس واقعہ پر رنجیدہ ہو گا اسی طرح اگر کوئی دوسرا شخص اپنی زندگی کو کسی مصیبت سے بچانے کی لئے اپنا پسندیدہ مکان فروخت کرتا ہے لیکن وہ حقیقت میں اس عمل پر راضی نہیں ہے بلکہ وہ اپنا پسندیدہ مکان فروخت کرنے سے بہت زیادہ متاسف ہے۔

البتہ اگر ایک مجبور انسان اپنی مصیبت کو دور کرنے پر مجبوراً کوئی کام کرتا ہے یا کوئی مضطر ناگہانی صورت میں اپنے آپ کو کسی مصیبت سے بچانے کے لئے کوئی کام کرتا ہے تو دونوں کے عمل کا اصل موضوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسی طرح اگر کوئی جابر شخص جبری معاملات میں براہ راست ملوث ہوتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اضطراری معاملات میں ملوث نہیں ہوتا تو ان دونوں کے عمل

کا اصل موضوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس کے علاوہ غالباً کمزور انسانوں کے معاملات میں طاقتور انسانوں کا فائدہ حاصل کرنے یا ان کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے اس میں بالواسطہ داخل ہو جانے کا عمل بھی اضطراری کیفیات پیدا کرتا ہے۔

البتہ مجبور اور مضطرب کے معاملات کے درمیان فرق کی صورت یہ ہے کہ شارع اسلام (حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجبور کے معاملات کو باطل قرار دیا ہے اور مضطرب کے معاملات کو درست، لیکن دونوں کے معاملات کی صورت یہ ہے کہ اگرچہ مجبور کو بحالت مجبوری کسی عمل کی انجام دہی کی فوری ضرورت پیش آتی ہے اور اسی طرح مضطر کو بھی لیکن مجبور کی فوری ضرورت کا تعلق جابر کے جبر کو دور کرنا ہوتا ہے اور جابر جبر کو دور کرنے کے لئے مجبور کا کوئی اقدام ایک قانونی معاملے کی صورت پیدا کرتا ہے اور جابر کے جبر کے خلاف مجبور کے معاملے کو غیر قانونی قرار دیتا ہے۔

لیکن مضطر کی فوری ضرورت براہ راست اس رقم سے ہے جو وہ اضطراری معاملہ کی صورت میں حاصل کرنا چاہتا ہے اس صورت میں اگر قانون مضطر کی حمایت کرنا چاہے تو لازم ہے کہ معاملے کے صحیح اور قانونی ہونے کا اعلان کیا جائے اس لئے کہ اگر اس معاملے کو غیر قانونی قرار دیا جائے تو اس کا نتیجہ مضطر کے حق میں زیادہ نقصان کا موجب ہو گا۔

مثلاً اس سلسلے میں اگر مضطر کے مکان کی فروخت کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور معاملے کو اس کی اصلی صورت پر سے ٹال دیا گیا تو نہ مکان کے خریدار کو مکان کی ملکیت کا حق حاصل ہو گا اور نہ مکان فروخت کرنے والے کو مطلوبہ رقم

ملے گی جس کے نتیجے میں مضطر اپنے بیٹے کے علاج کے معاملے میں معذور ہو گا۔

ایسی صورت کی بنا پر علماء فقہ کا نظریہ یہ ہے کہ جبری معاملہ کو غیر قانونی قرار دینا نیکی ہے یعنی مجبور کے لئے فائدہ مند ہے لیکن اگر اضطراری معاملہ کو غیر قانونی قرار دیا جائے تو مضطر کے حق میں نہ وہ نیکی ہے اور نہ وہ اس کے لئے فائدہ مند ہے۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہی کہ آیا ممکن ہے کہ دوسرے لوگ مضطر کے اضطرار اور بچارگی سے فائدہ اٹھا کر اس کے مال کو مناسب قیمت سے کم قیمت پر خرید لیں اور اس مال کو ایک بلا مشقت حاصل کیا ہوا جائز مال سمجھیں ؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ معاملہ جو شریعت کے خلاف ہے محض ایک فرض کو جائز قرار دینا ہے۔ لیکن کیا یہ معاملہ جس طرح " مضطر کے معاملے میں درست ہے اس طرح دوسرے فریق کے معاملے میں بھی درست ہے ؟ یا یہ کہ اس میں کوئی اختلافات نہیں ہے کہ ایک طرف کا معاملہ درست ہو اور دوسری طرف کا غلط ؟ یا اگر دونوں طرف کا معاملہ درست ہے تو کیا کم قیمت پر مال لینے والے شخص پر یہ لازم ہو گا کہ وہ مال دینے والے کے نقصان کی تلافی کرے ؟ ان موضوعات پر بحث ابھی باقی ہے۔

(۳) ہر وہ امر جو شرط ادائیگی فرض تو نہیں لیکن شرط درستی اعمال ہے۔ اسلامی قانون میں ہر وہ شخص جو یہ چاہتا ہے کہ کسی معاشرتی کام کی انجام دہی کو اپنے ذمے لے مثلاً وہ شادی کرنا چاہتا ہے یا کوئی اور معاملہ کرنا چاہتا ہے یعنی وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنا مال اپنے قبضے میں آئے۔ تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ معاملہ کرنے کی تمام عام شرائط یعنی بلوغت عقل و آگاہی طاقت و توانائی اور اختیار کے علاوہ سن تمیز اور فہم و فراست کی حد پر بھی پہنچا ہوا ہو۔ یعنی یہ کہ وہ معاملہ کرنے کی

تمیز اور اہلیت بھی رکھتا ہو جس کی انجام دہی وہ اپنے ذمے لینا چاہتا ہے۔

اس لیے قانون اسلام کے مطابق کسی شخص کے لئے کوئی معاملہ کرنے کے سلسلے میں صرف بالغ عاقل ' آگاہ ' طاقتور ' توانا اور مختار ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ مثلاً شادی کی سلسلے میں شادی کرنے کا ارادہ بھی کر سکے یا اپنا مال اپنے قبضے میں کر سکے۔ یا مثلاً لڑکا اور لڑکی جو شادی کرنا چاہتے ہیں ان کی شادی اسی صورت میں درست ہے جب کہ وہ دونوں سن تمیز اور فہم و فراست کی حد پر پہنچے ہوئے ہوں یعنی ان دونوں کے لئے لازم ہے کہ وہ شادی کا مفہوم سمجھیں کہ کیا معاملہ ہے ؟ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ اور یہ کہ شادی ایک فرد کی قسمت پر کیسے اثرانداز ہوتی ہے ؟ تاکہ وہ اس معاملے کو نادانستہ طور پر انجام دیا ہوا معاملہ نہ سمجھیں۔

اسی طرح اس مال کا معاملہ ہے جو کسی نابالغ لڑکے اور لڑکی کو ورثے میں یا کسی اور ذریعہ سے ملا ہو اس معاملہ میں صرف یہ کافی نہیں ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال ان کو دیا جائے۔ بلکہ اس سلسلے میں لازم یہ ہے کہ ان دونوں کو آزمالیں اگر بلوغت کے علاوہ وہ سن تمیز اور فہم و فراست کی حد پر پہنچے ہوئے ہوں یعنی یہ کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تمیز اور اہلیت رکھتے ہوں۔ تو ان کا مال ان کو دے دیا جائے اور اگر ان کے متعلق یہ صورتحال نہ ہو تو ان کا شرعی اور قانونی ولی حسب سابق ان کی سرپرستی کو جاری رکھے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے "اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں سن تمیز کی قوت پالو۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو" (سورۂ النساء ـ ۴)

عقائد

توحید

انبیاء علیہم السلام کی تحریکوں کو سامنے رکھ کر قرآن مجید پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اصلاحی پروگراموں کا آغاز نفی شرک اور اثبات توحید سے ہوا ہے اور ان کی پہلی بات یہ تھی۔

یا قوم اعبد واللہ مالکم من الہ غیرہ (سورۃ اعراف ۷۳۔ ۸۵۔ ۵۹)

"اے قوم خدائے یکتا کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں"

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا آغاز بھی اسی کلمہ سے ہوا **قولو لا الہ الا اللہ** "کہو کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں" اسی بناء پر اسلام کی سب سے پہلی اصل توحید ہے۔

دلیل توحید

اجزائے طبیعت کا اتحاد

نظام کائنات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سورج چاند اور زمین کے درمیان ایک خاص ربط و ضبط اتحاد پایا جاتا ہے سورج کے گرد زمین کی گردش سے چار موسم اور اپنے محور کے گرد زمین کی گردش سے شب و روز پیدا ہوتے ہیں نور آفتاب کی گرمی سے دریا کا پانی بخارات بن کر بادل کی صورت اختیار کرتا ہے اور سطح زمین پر درجہ حرارت کے مختلف ہونے سے ہوا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے' ہوا بادلوں کو خشکی کی طرف لے جا کر برف اور بارش کی صورت میں پہاڑوں پر

ڈال دیتی ہے اور پہاڑ دریاؤں اور نہروں کا منبع قرار پاتے ہیں نہریں اپنے اطراف کو سر سبز بنانے کے ساتھ ساتھ مختلف نباتات کی پیدائش کا باعث بنتی ہیں حیوانات اور انسان دریاؤں اور نہروں کے کنارے جمع ہو جاتے ہیں۔ نباتات بارش اور دریا کے پانی سے رشد و نمو پاتے ہیں اور حیوانات پانی اور نباتات سے غذا حاصل کرتے ہیں انسانی زندگی کی ضروریات بھی پانی ' نباتات حیوانات کے گوشت اور دودھ سے پوری ہوتی ہیں۔ بنابریں طبیعت کے مختلف اجزاء میں ربط و ضبط اور اتحاد برقرار ہے اور یہ ان کے بنانے اور پیدا کرنے والے وجود اور یگانگی پر سب سے بڑی دلیل ہے چنانچہ قرآن یوں ارشاد فرماتا ہے۔

یعنی "تمہارا خدا خدائے یکتا ہے سوائے اس رحمٰن و رحیم کے اور کوئی معبود نہیں ہے **بالحقیقت** آسمانوں اور زمین کی خلقت شب و روز کی گردش کشتیوں کا پانی پر چلنا (جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے) باران رحمت کا نازل ہونا (جو زمین.اور زمین پر حرکت کرنے والے حیوانات کی حیات کا باعث ہے) ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کا زمین اور آسمان کے مابین معلق رہنا ان سب میں سمجھنے والے لوگوں کے لئے قدرت حکمت اور وجود خدا کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

کئی خدا ہونے کی صورت میں فساد لازم ہونا

اگر جہاں میں متعدد خدا ہوتے تو اجزء طبیعت کی جدائی اور مستقل ہونے کا موجب بنتے۔ مختلف سمتیں اور قطب وجود میں آتے اور ایک دوسرے پر سبقت اور برتری حاصل کرنے کی تگ و دو میں خود ان میں بھی اور ان کی مخلوق کے درمیان بھی جنگ و جدل کا بازار گرم رہتا۔

لو کان فیھما الھتہ الا اللہ لفسد تا ○ (سورۃ انبیاء آیت ۲۲)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا یعنی اگر اللہ کے سوا دیگر خدا ہوتے تو جہاں کو تقسیم کر لیتے اور ان میں اختلاف شروع ہو جاتا اور یہ اختلاف فساد اور نظام جہاں کے درہم برہم ہونے کا باعث بنتا اب جہاں میں نظم و ضبط کا برقرار رہنا اور فساد کا نہ ہونا توحید کی بہترین دلیل ہے۔

خدائے واحد پر ایمان لانے کا اثر

اارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار ؟ (سورۃ یوسف ۳۹)

آیا متعدد خدا بہتر ہیں یا خدا یکتا و واحد۔ جو سب پر غالب ہے توحید پر ایمان انسانی وحدت اور ہمیشگی کا باعث ہے چونکہ قرآنی نظریہ معاشرت کی رو سے اس جہاں کے رہنے والے ایک خدا کی مخلوق اور اسی کے زیر تربیت ہیں اور روزانہ ہر نماز میں **الحمد للہ رب العلمین** حمد اور تعریف اسی خدا کی جو عالمین کا رب ہے کی رسم ادا کرنے سے نہ صرف وحدانیت خدا بلکہ اتحاد و یگانگت کا درس بھی ملتا ہے کہ خدا ایک پیدا کرنے والا ایک اور (رب تربیت کرنے والا) ایک ہے اور کسی کو دوسرے پر تقویٰ کے سوا برتری حاصل نہیں انسان اور پروردگار میں اس تربیتی ارتباط کا یہ تقاضا ہے کہ دعا اور نماز کی رسومات کے ذریعے اپنے رب کی صفات حسنہ کا تکرار کریں تاکہ خود کو اور اپنے معاشرہ کو صفات الہیہ کا مجسمہ بنا سکیں اور جس طرح خداوند تعالیٰ ایک ہے ہم بھی آپس میں ایک ہوں اور باہمی اختلاف و انتشار سے اجتناب کریں۔

اسماء اللہ

کلمتہ اللہ قرآن مجید کی رو سے ایسی ذات کا نام ہے جس کی کم وبیش ۹۹

صفات اور نام بیان کئے گئے ہیں مثلاً **الرحمٰن** بخشنے والا **الرحیم** مہربان **العلیم** دانا **الخبیر** آگاہ **البصیر** بینا وغیرہ

یہ صفات اور اسماء انسانی اخلاق کی بنیاد ہیں چونکہ اسلامی نظریہ کے مطابق انسان زمین میں خدا کا خلیفہ اور جانشین ہے لہٰذا اسے خود کو صفات اور اخلاق الٰہی سے آراستہ کرنا چاہیئے تاکہ خدا کی جانشینی کے لائق ہو سکے جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے **تخلقو باخلاق اللہ** (خود کو اخلاق الٰہی سے مزین کرو)

اسی طرح قرآنی نظریہ معاشرت کی رو سے زمین پر خدا کی خلافت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے معاشرہ کو صفات الٰہی سے متصف کرنا چاہیئے۔ مثلاً انسان کو اجتماعی زندگی میں صلح اور سلامتی کی ضرورت ہے اور **السلام** اسمائے خدا میں سے ایک اسم ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی کی خوش بختی کے لئے مہربانی اور درگزر کی ضرورت ہے **الرحمٰن** اور **الرحیم** اسمائے الٰہی میں دو اسم ہیں معاشرہ کو قدرت اتحاد اور عمومی اعتماد حاصل کرنے کے لئے ایمان کی اشد ضرورت ہے اور **المومن** صفات الٰہی میں سے ایک صفت ہے سیادت اور استقلال تک پہنچنے کے لئے قدرت اور بے نیازی کو اپنے اندر راسخ کرنا چاہیئے اور **القوی** اور **الغنی** صفات الٰہی میں سے دو صفتیں ہیں انسانی معاشرہ کا امتیاز تخلیق و ایجاد کی قوت نئی ایجادات نفاست عمل اور امانت سے وابستہ ہے اور **الفائق** ' **الباری** ' **المبدع** ' **المصور** ' **الامین** صفات الٰہی میں سے ہیں۔

اسی طرح ہمیں دیگر صفات اور اسماء کو بھی اپنی روح میں منعکس کرنا چاہیئے جنہیں ہمیشہ نماز دعا اور قرآن مجید میں پڑھتے ہیں اور جن سے اپنے خدا کی حمد و ستائش کرتے ہیں تاکہ صلح و صفائی مہربانی و درگزر ایمان اعتقاد وصداقت و امانت علم و دانش ' بصیرت و بینائی ' عزت و سربلندی اور قدرت و توانائی سے بھر

پور معاشرہ قائم کر سکیں۔

عدل

خدا کی صفات کمال میں سے ایک صفت عدل ہے چونکہ خداوند تعالیٰ حکیم ہے یعنی ہر کام موقع و محل کے مطابق اور بہترین صورت میں انجام دیتا ہے۔ علیم و خبیر ہے یعنی تمام اچھائیوں اور برائیوں سے آگاہی رکھتا ہے۔ غنی ہے یعنی نیاز مند و محتاج نہیں لہٰذا ازروئے عقل ممکن ہی نہیں کہ اس کی طرف سے کسی پر تھوڑا سا بھی ظلم ہو آیات و احادیث کی رو سے بھی خداوند تعالیٰ نے نہ فقط اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی ہے۔

ولا یظلم ربک احدا بلکہ عدالت اجتماعی برقرار رکھنا انبیاء کے اہم ترین فرائض میں سے قرار دیا ہے **لیقوم النا س با لقسط ولا تخسر و المیزان** مادہ پرست جو تمام چیزوں کو محدود اور مادی پیمانوں سے ناپتے ہیں۔ چیزوں کو خلاف عدالت تصور کرتے ہیں لیکن گہری اور وسیع فکر سے عیاں ہوتا ہے کہ جو کچھ خدا کی جانب سے ہے خیر اور اچھائی ہے اور ہر پردۂ شر طیعنی (جس کو وہ شر سمجھتے ہیں) کے پیچھے خیر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئا" وھو خیرلکم

تم پر جہاد واجب کیا گیا ہے حالانکہ وہ تم کو ناگوار ہے اور شاید ایک چیز تم کو ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے اچھی اور مفید ہو (یعنی بہت سی چیزوں کو تم اپنے لیے ناگوار اور مضر سمجھتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے مفید اور سودمند ہوتی ہیں (البقرہ ۲۴۶)

عدل الٰہی پر ایمان رکھنے کا اثر

اسلامی حکومت میں اجتماعی عدالت کو فروغ دینا یعنی اسلامی معاشرہ کو خدائی صفات و خصوصیات اور قرآنی نظریہ معاشرت میں تبدیل کرنا ہے اسلامی حکومت کا مقصد نہ فقط عدالت بلکہ قسط کتاب اور میزان کا قائم کرنا بھی ہے **وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النلس بالقسط** اور ہم نے ان کے ساتھ (یعنی رسولوں کے ساتھ) کتاب اور میزان بھیجی تا کہ لوگوں میں قسط اور عدالت قائم کریں۔ (سورۂ حدید - ۲۵)

(۱) عدالت یعنی حقوق کی رعایت کرنا اور ہر صاحب کو اس کا خاص حق ادا کرنا

(۲) قسط یعنی جو حق و نصیب اور عدل تک پہنچنے کا سبب ہے اسلامی رہنماؤں کا فرض ہے کہ ماحول کی اس طرح اصلاح کریں کہ ہر شخص اپنے حقوق کا دفاع کر سکے اور اسے حاصل کر سکے۔

(۳) اسلامی قانون کی کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرے اور عدالت کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا تعین کرے۔

(۴) میزان یعنی قابل قبول اور معیاری اصولوں سے موازنہ اور ان کی قدر و منزلت معلوم کرنے کا وسیلہ تا کہ کسی کا حق پامال نہ ہو۔ روز قیامت بھی عدل اور میزان بنیاد پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا " **وتضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینابھا وکفا بنا حاسبین** " یعنی ہم قیامت کے دن انصاف کی میزان قائم کریں گے اور کسی نفس پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی

عمل ہو گا تو ہم اسے لا کر حاضر کریں گے اس کا بھی حساب لیں گے اور حساب لینے کو ہم ہی کافی ہیں" (سورۂ انبیاء - ۴۷)

نبوت

پیغمبروں کی نبوت

ایٹم سے لے کر نظام شمسی تک تمام کائنات نظام الٰہی کے مطابق ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک چھوٹا سا دانہ بھی شرائط اور قوانین کے تحت ایک تنو مند درخت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے یا شہد کی مکھی نظام قدرت کے رہنما اصولوں پر کاربند اعلیٰ تمدن کے ساتھ اجتماعی زندگی میں مشغول ہے چنانچہ اشرف المخلوقات انسان بھی اس نظام کائنات سے مستثنیٰ نہیں۔ اور اپنی پیش رفت کے لئے قوانین الٰہی کا محتاج ہے۔ خصوصاً جب کہ اسے دیگر موجودات کے برخلاف اختیارات دیئے گئے ہیں اور خود حق و باطل کے دوراہے پر کھڑا ہے لہٰذا اسے رہنما کی سب سے زیادہ احتیاج ہے جو اس کو صحیح راہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اطراف و سقوط سے بچائے اور انفرادی اور اجتماعی مصالح اور وظائف اس کے لئے بیان کرے۔

نبوت انسانی زندگی میں وہی قوانین الٰہی ہیں جو انبیاء پر وحی کئے گئے ہیں تاکہ کاروان بشریت کو خیر و اصلاح اور کمال تک پہنچانے میں رہنمائی کریں اور وہی خدا جس نے شہد کی مکھی پر وحی کی **واوحی ربک الی النحل** (نحل - ۶۸) جس کی وجہ سے چھوٹا سا جانور کسی ماہر استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے بغیر شکر کی صنعت میں استاد مانا جاتا ہے۔ کسی مدرسے یونیورسٹی میں پڑھے بغیر بہترین معمار اور انجینئرنگ میں ماہر ہے اور معاشرتی علوم میں دسترس حاصل کیے بغیر

بہترین نظم و ضبط میں ماہر ہے اور معاشرتی علوم میں دسترس حاصل کئے بغیر بہترین نظم و ضبط اور تمدن سے اجتماعی زندگی میں مشغول ہے۔

اونبو روحی حق ' عزو جل
کرد عالم را پر از شمع و عسل
آنکہ کر منا است و بالا تراست
وحیش از تیور کی کی کمتر است

مثنوی مولانا روم

پیغمبر اسلام کی نبوت

اگر آپ کے پاس بہترین ادیبانہ اور علمی مطالب پر مشتمل خط کسی ایسے انسان سے موصول ہو جس نے دنیا میں آکر کسی کے آگے زانوئے تلمذتہ نہ کیا ہو تو آپ کی عقل فوراً حکم لگائے گی کہ خط اس کا اپنا لکھا ہوا نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگوں میں اس طرح سچے اور امانت دار مشہور تھے کہ سب لوگ آپ کو امین کے نام سے یاد کرتے تھے اور بہت سے لوگ آپ کی صداقت کی وجہ سے مسلمان ہوئے اگر (نعوذباللہ) آپ نے پیغمبری کا دعویٰ جھوٹا کیا تھا تو جھوٹ جلد یا بدیر ظاہر ہو کر رہتا۔ اور لوگوں سے مال و مقام کا مطالبہ بھی کیا ہوتا لیکن جب اشراف و قبائل کے سربراہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ذریعہ تجویز پیش کی گئی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہو جائیں اور جتنا مال و دولت اور جو مقام چاہیں ہم دینے کو تیار ہیں۔ مگر جواب یہ ملتا ہے خدا کی قسم اگر سورج میری دائیں ہتھیلی پر اور چاند بائیں ہتھیلی پر رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنے مشن سے دستبردار نہیں ہوں گا وہ

اپنے دعوے میں سچے تھے کیونکہ اپنے ہدف میں اتنی فداکاری اور زحمتیں برداشت کرنے کے بعد جب ظاہری ریاست و حکومت ہاتھ آئی تو اپنے لئے خاص علاقے میں محل اور کاخ بنانے کی بجائے مسجد (لوگوں کے اجتماعی گھر) کے ساتھ ایک مختصر سا مکان بنایا اور تا آخر عمر اس ہی میں زندگی گذاری اور بجائے اس کے کہ اپنے لئے مال و دولت جمع کریں دیگر انبیاء کی طرح فرمایا " **یا قوم لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی افلا تعقلون** " اے میری قوم میں تم سے اس رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میری اجرت اس خدا کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم اتنی سی بھی عقل نہیں رکھتے" (سورۂ ہود۔ ۵)

آپ کے گھریلو افراد میں سے حضرت خدیجہ علیہا السلام جیسی بیوی کا ایمان کا اعلان کرنا نبوت پر ایک اور دلیل ہے چونکہ عموماً بیوی اپنے شہر کے حالات سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اس کی رفتار و کردار سے بخوبی واقف ہوتی ہے۔

انسانیت میں ایک قسم ایسی بھی ہے کہ جس کو اعتبار نہیں ہوتا' یا پھر وہ مانتی ہی نہیں ' وہ بیوی ' زوجہ کی قسم ہے۔ شوہر جو کچھ بھی ہو مگر گھر کے باہر' گھر میں اس کی حیثیت وہ نہیں ہوتی ' ہر کوئی اپنی اوقات خود ہی جانتا ہے ' کتنے بھی عالم و زاہد اور طاقتور ہوں مگر گھر میں بزدل ' کمزور ' غیر ذمہ دار ڈرپوک وغیرہ' غیر ملکی دوروں کی عظمت اور عہدے کی ترقی کا رعب بیوی پہ نہیں چل سکتا' بیوی کے سامنے اپنی ہستی منوانا بڑا مشکل کام ہے ' جو لوگوں کی نظر میں سخی ہوتا ہے بیوی کی نظر میں فضول خرچ ' پیسہ برباد کر دینے والا ہوتا ہے۔ پوری تاریخیں گواہ ہیں کہ ادھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان رسالت کیا ادھر سب ایمان لانے والوں میں پہلی حضرت خدیجہ علیہا السلام تھیں۔ اس واقعہ سے کسی نے انکار نہیں کیا' یہ اور بات ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کا اسلام خواتین کے

ڈیپارٹمنٹ میں چلا گیا' ورنہ جتنے بھی ایمان لائے ان سب میں سے پہلے ایمان کا اعلان کرنے والی حضرت خدیجہ علیہا السلام تھیں۔

مثلاً مسجد کے لئے چندہ اکٹھا کیا جائے تو سب سے پہلے ایک بچہ آئے اور پانچ روپے دے دے پھر جوان ' پھر بوڑھا ' پھر لاہور ' پھر پشاور ' کوئٹہ اور کراچی سے چندہ اکٹھا کیا جائے تو اب اس کی لسٹ چاہے جس طرح بھی بنائیں ' سب سے پہلے بچے ہی کا نام آئے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ سبھی کا نام اوپر دینے کے لئے لاہور ' پشاور ' کراچی ' کوئٹہ اور چھوٹا بڑا الگ کیا جائے ' اس دنیا میں ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجہ علیہا السلام سے پہلے کوئی نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام باہر کی بھی نہیں کہ سن لیا اور ایمان لے آئیں ' حضرت ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شادی ۲۵ برس کی عمر میں ہوئی اور اعلان رسالت اس وقت ہوا جب آپ زندگی کے چالیسویں برس میں تھے۔ ۱۵ سال حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پورا کردار سامنے ہے' اگر غیر اعلان کر دیتے تو سب یہ سمجھتے کہ اچھائیاں ہی سنی تھیں اور ایمان لے آئے' کسی کو کیا پتہ گھر میں کیسے ہیں۔ جیسا بتانے والے نے بتایا مان لیا' امانتدار بتایا تھا' مال دے دیا مگر مال تجارت دینا اور بات ہے اور ایمان کا اعلان کرنا اور بات ہے' مال تجارت زندگی کو قریب سے دیکھے بغیر دیا اور ایمان کا اعلان اس وقت کیا جب پندرہ سال کی زندگی دیکھے ہوئے ہیں۔ یہ دنیا والوں کا تجربہ ہے کہ باہر والے جلدی ایمان لاتے ہیں اور گھر والوں کو حقیقت معلوم ہوتی ہے اس لئے اول تو ایمان لاتے ہی نہیں اور لائیں بھی تو تاخیر ضرور کرتے ہیں مگر یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کردار تھا کہ سب سے پہلے گھر والی ایمان لائی اور یہ گھر والی

کا کردار تھا کہ اعلان رسالت کے ساتھ ساتھ بلا فصل اعلان ایمان کیا' اگر اتنے دنوں میں ذرہ برابر عیب پایا ہوتا (نعوذ باللہ) تو اعلان ایمان کبھی نہ کرتیں' اب یہ بات لکھنے میں باک نہیں کہ جس کی زندگی میں گھر والی عیب نہ ڈھونڈ سکی باہر والے کیا تلاش کریں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی حدیث مبارکہ ہے کہ **کنت نبیا و آدم بین الماء والطین** میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام آب و گل کے درمیان تھے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے ایمان کا اعلان کیا ہے' مومنہ تو پہلے ہی سے تھیں اگر حضرت خدیجہ علیہا السلام کے کردار و ایمان سے (نعوذ باللہ) نقص یا عیب مانیں گے تو کردار پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عیب دار ہو جائے گا۔ آدم علیہ السلام سے پہلے کا نبیؐ جو ہم جیسے مسلمانوں سے کہتا ہے کہ خبردار غیر مسلم کافر' مشرک سے عقد نہ کرنا' اس حکم کی کیا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پابندی نہیں کرنا چاہئے ؟ وہ صرف ہمارے لئے پابندی نہیں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بھی لازم ہے کیونکہ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** پوری امت کے لئے نمونہ عمل آپ ہی کی ذات والا صفات ہے' یہ بات مسلم ہے کہ آپ نے کسی بھی کافر اور مشرکہ سے شادی نہیں کی' چاہے اعلان رسالت سے پہلے شادی کی ہو' چاہے اعلان رسالت کے بعد شادی کی ہو۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان رسالت سے پہلے شادی کی تھی اور باقی امہات المومنین سے آپ نے اعلان رسالت کے بعد شادیاں کیں تھیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ سب کا اسلام اعلان نبوت کے بعد کا ہے اور صرف حضرت خدیجہ علیہا السلام ہی ہیں کہ جن کا

ایمان اعلان نبوت سے پہلے کا ہے۔

حضرت ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کا ساتھ ایسا مثالی ساتھ ہے کہ جسے فراموش کرنا ممکن ہی نہیں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے انتقال کے بعد آپ کو برابر یاد کیا کرتے تھے۔ یہ بات آپؐ کی ایک زوجہ محترمہ کو ناگوار گزری، ان کو اچھی نہ لگی آپؐ کو آپؐ کی اس زوجہ نے سمجھایا کہ اب وہ دنیا سے جا چکی ہیں اب ان کو یاد کرنے کا کیا فائدہ ؟ مثال کے طور پر بیوی کے مرجانے پر اپنی بیوی کو وہ شخص اس شدت سے یاد کرے جس کی دوسری شادی نہ ہوئی ہو، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر میں تو ماشاء اللہ ازواج کی کمی نہیں، اب یاد کرنے کا کیا مقصد ہے ؟ آپ نے فرمایا خدیجہؑ میں تین خوبیاں تھیں جس کی وجہ سے میں ذکر کرنے پر مجبور ہوں، **امنت بی اذا کفر الناس** خدیجہؑ اس وقت ایمان لائیں جب سب کافر تھے، دوسری بات یہ ہے کہ اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب مخالف تھے۔ تصدیق کرنے والا نہ تھا، یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ ایمان اپنے لئے ہوتا ہے اور تصدیق دوسرے کے لئے ہوتی ہے، اپنا کردار و ایمان بھی مضبوط ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی بھی لاریب و بے عیب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روحانیت اور معصومیت اور (قلوب مومنین میں) ان کا نفوذ ۔ یعنی ان کی ہر بات کا دلوں میں اتر جانا) بھی آپ کو موید نبوت کہلاتا ہے کہ بو علی سینا کا ایک شاگرد بہمنیار کہنے لگا کہ آپ اس علم و شہرت کے ہوتے ہوئے اگر پیغمبر ہونے کا دعویٰ کریں تو لوگ سب آپ کے گرویدہ ہو جائیں گے۔ اور آپ کے اس دعوے کو تسلیم کرلیں گے بو علی سینا

نے اذان کے وقت اس شاگرد کو آواز دی اور ایک گلاس پانی کا تقاضا کیا لیکن وہ سخت سردی اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے استاد کو پانی دینے پر تیار نہ ہوا بو علی سینا نے کہا اچھا اذان توجہ سے سننا۔ تھوڑی دیر بعد اذان ہوئی اور جب مؤذن نے "**اشہد ان محمد الرسول اللہ**" کی آواز بلند کی بو علی نے اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ محمدؐ کے کلام کا اثر دیکھو کہ ان کی رحلت کے صدیوں بعد بھی اس سخت ترین سردی میں مؤذن نے گلدستہ اذان پر جا کر ان کی رسالت کی گواہی دے رہے ہیں اور میں نے خود تجھ سے پانی طلب کیا ہے مگر تو میرے ساتھ لیت لعل کرنے لگا اور میری خاطر استراحت کا ایک لمحہ قربان نہ کیا (کتاب وحی محمدی تالیف محمد رشید رضا طبع مصر ۲۳)

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پیش گوئیاں روحانیت و جاذبیت اور اس کی مثل کوئی دوسری کتاب لانے کے چیلنج کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے علمی معجزات نبوت کی محکم دلیل ہیں "**وقل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القران لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعضا ظھیرا**" (سورہ بنی اسرائیل ـ ۸۸) اے رسولؐ تم کہہ دو کہ اگر ساری دنیا جہاں کے آدمی اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو (غیر ممکن) اس کے برابر نہیں لا سکتے اگرچہ (اس کوشش) میں ایک کا ایک مددگار بھی بنے دوسری طرف یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ قرآن مجید نوشتہ جات بشری میں سے کسی کے مشابہ نہیں بلکہ مکمل طور پر ایک طبعی کتاب و فطرت الٰہی کے مشابہ ہے۔ قرآن مجید نے بشر کو صرف قرآنی آیات کے مطالعہ اور سمجھنے ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ ساتھ ساتھ فطرت کی اس کھلی کتاب (کائنات) میں موجود آیات و علامات الٰہی میں غور کرنے کی بھی دعوت دی ہے اور

دونوں کو آیات الٰہی کا نام دیا ہے۔ تھوڑی سی غور و فکر کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید بھی طبیعت (کائنات) کی طرح رموز و اسرار ظاہری و باطنی کا حامل ہے اور مفکرین دونوں اقسام کی آیات میں مطالعہ و غور و فکر کرنے سے توحید ایمان اور دیگر امور کو حاصل کر سکتے ہیں اور جس طرح قرآن میں آیات بشارت و عذاب ہیں اور اسی طرح کتاب طبیعت میں بڑی آیات رحمت و بشارت موجود ہیں مثلاً ہوا و بارش **وهو الذی یرسل الریاح بشرا** (سورۂ اعراف ۔ ۵۷) اور آیات عذاب بھی مثلاً طوفان اور دیگر زمینی بلیات و آفات **فارسلنا علیهم الطوفان والجراد و القمل والضفادع والدم ایات مفصلات** " (سورۂ اعراف ۔ ۱۳۳) اور جس طرح قرآن معجز نما ہے کتاب طبیعت (کائنات) میں بھی معجزات الٰہی انجام ہوتے ہیں مثلاً معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ

اب تک کسی بھی مکتب نے مکتب محمدیہ کی طرح بشر کو علم و دانش کی طرح ترغیب نہیں دلائی حالانکہ اگر اس مکتب کا آئین ان کی اپنی طرف سے ہوتا (خدا کی طرف سے نہ ہوتا) تو لوگوں کو جہالت میں رکھنے اور انہیں جہالت اور ناآگاہی سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے انہیں غور و فکر کا موقع نہ دیتے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے آئین کے ذریعے محروم اور مستضعف لوگوں کو استعمار و استحصال سے نجات دی اور اعلیٰ و درخشاں ثقافت و تمدن کا وراث بنایا اب مسلمان قرآن مجید کی بدولت تمام علوم و فنون میں عظیم علمی ثقافتی میراث کے مالک ہیں اور آج کی متمدن اقوام نے اس کے نور سے کسب فیض حاصل کیا ہے۔

تورات اور انجیل کا ایک ایسے پیغمبر کے آنے کی خبر دینا (توراییت سفر تکوین ۔ ۱۲۱۷ ۔ ۲۰ ۔ ۴۹ ۔ ۱۰) (انجیل یوحنا ۱۵ ۔ ۲۶ ۔ ۱۴ ۔ ۲) انجیل یوحنا کہتی ہے

"جب وہ یعنی روح صادق (فار قلیط) آجائے تو تمہیں سچائی کی طرف ہدایت کرے گا"

آغاز نبوت سے آخری عمر تک دعویٰ نبوت اور رسالت پر باقی رہنا" **قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا**" (میرے رسولؐ) کہہ دو کہ اے لوگو! میں خدا کی طرف سے تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں" ان دلائل کی رو سے اس میں کسی قسم کے شک اور تردد کی گنجائش نہیں کہ قرآن جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت اور نبوت کا بیان کرنے والا ہے بطور قطع یقین خدا کا نازل کردہ ہے۔

نبوت کے فرائض

(۱) آیات الٰہی پڑھ کر لوگوں کو شناخت و آگاہی کا درس دینا

"**یتلو علیھم ایاتہ**" (سورۂ جمعہ ۔ ۲)

(۲) لوگوں کے اخلاق کو ہر طرح کی پلیدگی اور شیطانی صفات سے پاک و پاکیزہ کر کے صفات الٰہی سے مزین کرنا۔

"**ویزکیھم**" (سورۂ جمعہ آیت ۲)

(۳) کتاب اور قوانین الٰہی کی تعلیم۔

"**ویعلمھم الکتاب**" (سورۂ جمعہ آیت ۲)

(۴) حکمت اور جہان و انسان کی پیدائش کے اسرار و رموز کی تعلیم۔

"**والحکمتہ**" (سورۂ جمعہ ۔ آیت ۲)

(۵) لوگوں کو آزاد فکر کی ترغیب دلانا۔

"**فبشر عبادؐ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنتہ**"

(٦) لوگوں کو غور و فکر پر آمادہ کرنا اور ان کی ثقافتی سطح بلند کرنا۔

" وانزل الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون " (سورۂ نحل ۔ ۴۴)

(۷) لوگوں کو ظلمات جہالت اور خودغرضی سے باہر نکالنا اور نور علم و ہدایت، صراط مستقیم اور سربلندی کی راہ پر لے آنا۔

"الر ○ کتب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید" (سورۂ ابراھیم ۔ آیت ۱)

(۸) معاشرے میں عدل و مساوات کا قیام ملاحظہ ہو (سورۂ حدید ۔ ۲۵)

۴۔ امامت

نبوت یعنی ابلاغ احکام الٰہی اور تعلیم مذہب کے بعد امامت کے فرائض یعنی " معاشرے میں احکام " کی ترویج کا مرحلہ آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو نبوت کے چند سال بعد مقام امامت عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا **"انی جاعلک للنا س اماما ○ قال ومن ذ ریتی قال لاینال عھدالظلمین** (سورۂ البقرہ ۔ ۱۲۴) اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہ صرف نبی بلکہ امام اور سیاسی رہبر بھی تھے اور حجتہ الوادع کے موقع پر آیت **الیوم اکملت لکم د ینکم** کے ذریعہ آپ کی رسالت کی تکمیل ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم الانبیاء ہو گئے لیکن آپ کا مقام امامت (قوانین کا اجرا کرنا) آپ کے خاندان میں منتقل ہو گیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خاندان میں سے بارہ محترم و معصوم ہستیوں کو عطا ہوا اور بارھویں امام کی غیبت کے بعد ان کی طرف سے نائبین اور مراجع عظام و مجتہدین کرام کو

اس مقام کی نیابت دی گئی۔

امامت و رہبری کے فرائض

(۱) امام کے لئے ضروری ہے کہ خود عملاً نمونہ اور آئینہ اسلام و قرآن ہو تاکہ لوگ اس کو نمونہ عمل بنائیں چنانچہ سورۂ احزاب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ** مسلمانوں تمہارے واسطے تو رسول خود ایک اچھا نمونہ تھے"

(۲) معاشرتی نظام کی حفاظت تقسیم کار اور مراتب کی تقسیم اور ہر ایک کے لئے مسئول کا تعین جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے انقلاب کے بعد حکم پرودگار سے بنی اسرائیل کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا " **وقطعنھم اثنتی عشرۃ اسباطا" امما" "** (سورۂ اعراف ۔ آیت ۱۶۰)

(۳) افتراق واختلاف میں مسلمین کو اتحاد میں تبدیل کرنا کیونکہ جس طرح استعماری استحصالی طاقتوں کی بقا اختلاف مسلمین سے وابستہ ہے اسی طرح مسلمانوں کی بقا آپس میں اتحاد و اتفاق سے وابستہ ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے " **وکان الناس امتہ واحدۃ ○ فبعث اللہ النبین مبشرین و منذرین وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس قیما" اختلفوا فیہ** (بقرہ ۔ ۲۱۳)
مقصد یہ ہے کہ لوگ امت واحدہ تھے اختلاف کیا اس وقت خداوند عالم نے انبیاء کو بھیجا کہ انہیں وحدۃ و ہمیشگی پر کاربند رہنے اور اختلاف و انتشار سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تلقین کریں۔

(۴) معاشرے میں مروج اندھی تقلید کا سدباب

" **وکذلک ما ارسلنا من قبلک فی قریتہ من نذیر الا قال مترفوھا انا وجد**

نا اباء نا علی امتہ انا علی اثرھم مقتدون" (سورۂ زخرف ـ ۲۳)

(۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

(۶) ناپاک اور ضرر رساں اشیاء کو حرام قرار دینا (سورۂ اعراف ـ ۱۵۷)

(۷) عوام کو استعماری طاقتوں کے ظلم و ستم اور استحصال سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ انسانی معاشرے کو جہالت، پراگندگی اور دیگر خرافات سے پاک کرنا (سورۂ اعراف ـ ۱۵۷)

(۸) توحیدی معاشرے کا قیام (سورۂ نحل ـ ۳۶)

(۹) طاغوت (شیطانی طاقتوں) سے اعلان جہاد (سورۂ نحل ـ ۳۶)

(۱۰) معاشرے میں عدل و مساوات کی بحالی (سورۂ حدید ـ ۲۸)

(۱۱) ظلم و فساد کی روک تھام

(۱۲) حدود و احکام کا نفاذ

(۱۳) دشمنوں سے جنگ

(۱۴) تقسیم اموال

(۱۵) اقامتہ جمعہ و جماعات

(۱۶) مظلوموں کا دفاع اور ظالموں کے ظلم کی روک تھام

(۱۷) بدعتیں پیدا کرنے کی روک تھام

(۱۸) احکام الٰہی میں تحریف (کمی و زیادتی) کی روک تھام

(۵) معاد و قیامت

اسلام کے اعتقادی اصولوں میں سے ایک اصل آخرت پر ایمان لانا ہے یعنی یہ اعتماد رکھنا کہ قیامت کے دن زمین کی تباہی و بربادی کے بعد مردوں کو

دوبارہ قبروں سے اٹھا کر بارگاہ عدل الٰہی میں پیش کیا جائے گا جہاں بدکاروں کو ان کے برے کردار کی سزا اور نیکوکاروں کو ان کے اچھے عمل کی جزا دی جائے گی (سورۂ النجم ۔ ۳۱) قرآن مجید نے قیامت کو تمام مسائل پر ترجیح دی ہے اور اس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کی متعدد آیات میں عقلی و نقلی فلسفی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) دلیل عقلی : اگر ایک ماہر دانا اور بااعتماد انجینئر کوئی مشین یا آلہ آپ کے پاس لے آئے اور یہ ضمانت دے کہ خراب ہونے کی صورت میں وہ دوبارہ اس شکل و صورت میں بنا دے گا تو عقل یقیناً قبول کرلے گی اور آپ اس کی بات پر ضرور اعتماد کریں گے' مسئلہ معاد میں بھی ایسی ذات جس نے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے (سورۂ الروم ۔ ۲۷) جو ہر کام پر قادر و توانا ہے (سورۂ الاحقاف ۔ ۳۳) جو علیم و دانا ہے (سورۂ سبا ۔ ۳) خالق (پیدا کرنے ولا) اور مرید (با ارادہ) ہے (سورۂ یٰسین ۔ ۸۲) یقیناً اپنے دعوٰی کو جامعہ عمل پہنا سکتی ہے اور اس بے نظیر مخلوق کو مرنے کے بعد بھی دوبارہ پہلی شکل و صورت میں زندہ کر سکتی ہے نیز یہ بھی مسلم ہے کہ جو ذات ایک بہت بڑا کام انجام دے سکتی ہے تو اس سے چھوٹے کام انجام دینے پر زیادہ قادر ہو گی آیا نظام فلکی کا پیدا کرنا زیادہ اہم اور باعظمت ہے یا خلقت انسان ؟ آیا جس خداوند تعالٰی نے آسمان اور زمین کو خلق کیا (اور اس خلقت سے کمزور و ناتواں نہیں ہوا) وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے (سورۂ احقاف ۔ ۲۳)

(۲) دلائل منقولہ : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں چار پرندوں کا زندہ ہونا (بقرہ ۔ ۲۶۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ گائے کا زندہ

ہونا (بقرہ - ۷۳) حضرت عزیر علیہ السلام اور ان کی سواری کا سو سال بعد زندہ ہونا (بقرہ - ۲۵۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک پر پرندے کا زندہ ہونا (آل عمران - ۴۹) اصحاب کہف کا تین سو سول کے بعد زندہ ہونا (کہف - ۴) معاد کے امکان اور مردوں کے زندہ ہونے پر نقلی دلائل ہیں۔

(۳) **دلائل علمی** : زمین، نباتات اور درختوں کا موسم سرما میں خشک ہو جانے اور مرجانے کے بعد موسم بہار میں دوبارہ زندہ (سرسبز و شاداب) ہونا (سورۂ حج ۵ - ۳۹) کسی پروانہ کا موت کے بعد خوبصورت پروانے کی صورت میں ظاہر ہونا (سورۃ ۱۰۱ آیت ۴) ٹیڈیوں کا زمین میں چھپے ہوئے انڈوں سے باہر نکلنا خود انسان کی حیرت انگیز پیدائش اور رحم میں اس کا زندہ رہنا (حج - ۵) اور ہاتھوں کی انگلیوں کے خطوط (جو کسی انسان کے یکساں نہیں) مٹ جانے کے بعد دوبارہ اصلی حالت میں لانا (قیامت - ۳ - ۴) امکان تجدید حیات اور مردوں کی زندہ ہونے پر بہترین شواہد ہیں۔

(۴) **دلائل فلسفی** : (ا) اسی جہاں میں منازل ارتقاء تک انسان کی رسائی کے لئے دوسرے جہاں کا ہونا ضروری ہے (سورۃ ۸۴ آیت ۶) چنانچہ صدر المتالمین فرماتے ہیں۔ "انسان طبعاً" کمال کی طرف جا رہا ہے اور فطرتاً" چاہتا ہے کہ مبداء خصال یعنی ذات خدا کے نزدیک ہو جائے لیکن وہ کمال جو لائق انسان ہے اس دنیا میں اس کو میسر نہیں ہو سکتا بلکہ ایک اور جہان ہے جو انسان کو اس کے مطلوبہ کمال تک پہنچا سکتا ہے (صدر المتالمین۔ اسفار اربعہ ج ۹)

(ب) حکمت کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے (حجر - ۲۵) تو اگر زندگی کی سختیوں کے بعد دوسرا جہان نہ ہو جو ان کی تلافی کرے اور انسان کو اس کی امیدوں اور

زحمات کے نتائج تک پہنچائے تو یقیناً کتاب آفرینش (خلقت) ناقص رہ جائے گی اور ایسی ناقص کتاب کی خلقت خداوند تعالیٰ جیسی دانا اور حکیم ذات سے بعید ہے۔

(ج) عدل خداوند تعالیٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوسرا جہان ہو (سورہ سجدہ۔ آیت ۲۶) جس میں ہر شخص اپنے کردار کی سزا اور جزاء پا سکے۔

(۵) خداوند عالم نے جب بشر سے وعدہ فرمایا ہے کہ نیکو کاروں کو ان کے نیک اعمال کی جزاء اور بدکاروں کو ان کے برے اعمال کی سزا دے گا تو اس پر لازم ہے کہ اپنا وعدہ پورا فرمائے کیونکہ **ان اللہ لایخلف المیعاد** خداوند تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

آخرت پر ایمان اور اس کا اثر

آخرت پر ایمان مسلمانوں کو وسعت نظر عطا کرتا ہے اور تنگ نظری سے محفوظ رکھتا ہے۔ خود کو اس چند روزہ دنیاوی زندگی میں محدود کرنے سے آزاد رکھتا ہے اور انہیں دنیاوی زندگی اور اس کی لذت کے فریب سے محفوظ رکھتا ہے اور اس بات کا باعث بنتا ہے کہ دنیاوی زحمات و تکالیف انہیں راہ حق سے منحرف نہ کر سکیں بلکہ امید کے ساتھ ترقی' تکامل' امانت اور صداقت کی راہ پر گامزن رہیں۔ چنانچہ اعتماد اور آخرت پر ایمان ابتدائے اسلام کے مسلمانوں اور آج کے مسلمانوں کے لئے بہترین اور سب سے بڑا محرک ہے آخرت پر ایمان انسان کے سرکش نفس کو جرائم اور ظاہری و باطنی گناہوں سے باز رکھتا ہے اور بااعتماد و پرامن معاشرہ کو وجود میں لاتا ہے۔ موت کی وحشت کو ختم کر دیتا ہے اور انسان کو دشمن کے مقابلے میں کئی گنا قوی اور طاقت ور بناتا ہے۔

اعمال

جن کو فروع دین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جہاں اصول دین پر اعتقاد رکھنا نہایت ضروری ہے اور اس حسن اعتقاد کے ساتھ ساتھ اعمال بجا لانا بھی ضروری ہے " اصول دین " کو دین کی جڑوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور " فروع دین " کو دین کی شاخوں کا نام دیا جاتا ہے" اگر ایک انسان اصول دین پر اعتقاد رکھے اور فروع دین کا لحاظ نہ کرے تو وہ ایسے درخت کی مانند ہو گا جس کی جڑیں تو ہیں مگر شاخیں نہیں ہیں۔ کوئی بھی درخت تب ہی اپنے وجود کا پتہ دیتا ہے جب اس پر برگ و بار بھی ہو۔ ورنہ کاٹ دینے کے قابل سمجھا جاتا ہے کوئی بھی صاحب درخت ایسے شجر کو اپنی پاس رکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ اور اگر صرف اعمال ہیں فروع دین پہ ہی عمل جاری ہے اور اصول دین سے مانوس نہیں تو ایسا درخت چند دن تو ہرا رہے گا۔ اور آخر میں ایک تنور والا آئے گا جو اس کو تنور میں ڈال دے گا۔

فروع دین

مندرجہ ذیل ہیں ان پر عمل "اصول دین پر اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ" ضروری ہے۔

(۱) نماز (۲) روزہ (۳) حج (۴) زکوٰۃ (۵) خمس (۶) جہاد (۷) امر بالمروف (۸) نہی المنکر (۹) خدا رسول اور امام سے محبت کرنا (۱۰) خدا رسولؐ اور امامؑ کے دشمن سے نفرت کرنا۔

مذکرہ بالا اعمال (فروع دین) کی احکام فقہ کی کتابوں میں درج ہیں طوالت کے خدشہ کے پیش نظر صرف ان کا نام لکھنا ضروری جانا گیا ہے تفصیل کیلئے آپ

کسی بھی فقہ (توضیح المسائل) کی کتاب کی طرف رجوع فرمائیں ہر ایک کا حکم اور تشریح وہاں درج ملے گی۔

حکام وسلاطین کے لئے اصول حکمرانی

فکری و عمل تربیت

سب سے پہلے ضرورت کی حکومت پہ بحث کی جاتی ہے کہ انسان کو حکومت کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ قطع نظر اس کے کہ یہ معاشرہ کیسے وجود میں آیا جس کی مغربی مفکرین نے مختلف تعبیریں کی ہیں اور ہر تعبیر دوسری تعبیر سے ٹکراتی ہے لیکن اس سے مفر ممکن نہیں کہ انسان مل جل کر رہنے کو زیادہ پسند کرتا ہے بلکہ معاشرے کے بغیر اس کی زندگی کسی کام کی نہیں' انسان مل جل کر کام کرتے ہیں تو نظام زندگی چل رہا ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان ایک وقت میں کئی ایک کام انجام نہیں دے سکتا کہ وہ ایک وقت میں پل بنائے اور اس کو اصل صورت دینے کے بعد وہ زمین کو کاشت بھی کرے' گھر آکر کھانے کا فکر بھی اسے ہی ہو اور پھر ایک روٹی کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے وہ کسی ذات سے مخفی نہیں۔ جب فصلوں کو کاشت کرنا ہوتا ہے تو جتنا وقت صرف ہوتا ہے اس کا اندازہ مشکل ہے روٹی کھانے کا پکانے کا وقت کیا اس کے پاس ہوتا ہے لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مل جل کر رہے۔ کوئی اس کے لئے پل بنائے اور کوئی اس کے لیے لوہاروں کا کام انجام دے' کوئی اس کے لئے کھانے کا بندوبست کرے کوئی کاشتکاری کرے اور وہ ان کے مفادات کا خیال رکھے' وہ اس کے مفادات کا خیال رکھیں تب جا کر انسان معاشرے میں امن و

سکون کی زندگی گذار سکتا ہے ورنہ یہ زندگی اجیرن ہو کہ جائے گی۔ انسان تب ہی اچھی زندگی گذار سکتا ہے جب وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہے۔ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کا نام معاشرہ ہے۔

معاشرہ

اجتماعی زندگی آپس میں کچھ رابطے اور تعلقات کی بنا پر پیدا ہوتی ہے جو کئی ایک افراد کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیتی ہے۔ یہ رابطے اور تعلق کبھی تو قدرتی ہوتے ہیں اور کبھی ارادتاً" پیدا کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا قصداً" یا اتفاقاً" اگر گروہ بندی ہو جائے تو اسے معاشرہ کہتے ہیں۔

معاشرے کی قسمیں

اس کی کئی ایک قسمیں ہیں ان میں کچھ چھوٹی ہیں اور کچھ بڑی گھرانہ معاشرے کی چھوٹی قسم میں شمار ہوتا ہے اور قبیلہ قوم اور برادری اس کی بڑی قسمیں ہیں

گھرانہ : میاں بیوی اور بچوں سے مل کر ایک چھوٹا سا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جن میں باہمی کئی ایک واسطے اور کشش و تعلق ہوتے ہیں۔

قبیلہ : ایک گھرانہ کی وسعت کو قبیلہ کے نام دیا جاتا ہے جب گھرانے کے افراد بڑھنے پھولنے اور شادی ازدواج کے رشتوں سے منسلک ہوتے جاتے ہیں' ایک قبیلہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کو آپس میں بے پناہ محبت و پیار ہوتا ہے اور ایک دادا کے نام سے پہچانے جاتے ہیں قبیلہ و برادری تقریباً ایک ہی اصطلاح ہے۔

قوم : قبیلہ کی ترقی یافتہ شکل کا نام ہے۔ کئی ایک قبیلے مل کر ایک قوم بنتے ہیں۔ ایک سرزمین یا ایک نسل ' ایک زبان ' ایک ثقافت انہیں ایک دوسرے سے مربوط رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں بھی بہت سی گروہ بندیاں ہیں جن کا تذکرہ یہاں نہیں کیا جا رہا ہے معاشرہ کبھی جنس' طبقہ اور مذہب و مسلک کی بنا پر بھی قائم ہوتا ہے۔

وہ معاشرہ جس کی بنیاد عقیدہ اور مسلک پر قائم ہو

یہ معاشرے کی وہ اعلیٰ قسم ہے کہ جس کے سامنے سارے رشتے ماند پڑ جاتے ہیں مذہب و مسلک انسان میں وہ امنگ پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ غیر کو بھی ایک قوم میں داخل کر دیتے ہیں اور اس کے لئے کٹ مرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں اس معاشرے کے آگے ماں باپ بہن بھائی بیٹا سب رشتے ہیچ ہیں یہ معاشرے کی قسم سب سے طاقتور اور مؤثر قسم ہے۔

اسلامی معاشرہ

ہم نے تمہیں مثالی جماعت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے نمونہ بن جاؤ
(سورۃ البقرہ ۔ آیت ۱۴۲)

قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اسلامی معاشرہ ہی ایک مثالی معاشرہ ہے اسلامی معاشرے کے افراد اپنے قول فعل میں اس قدر پختہ ہوں کہ دنیا ان کو دیکھ کر رشک کرے۔ بس خلوص نیت سے اس پر عمل پیرا ہونے کی شرط ہے۔

اسلامی معاشرے میں نہ صرف فرد کو اہمیت دی جاتی ہے اور نہ صرف

معاشرے کو۔ فرد اور معاشرے کے مرکب کی اہمیت پر اسلام زور دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں جہاں فرد کو اپنی ذات کے سنوارنے پر زور دیا گیا ہے' وہاں ماحول کو سازگار رکھنے پر بھی زور دیا گیا ہے' جہاں اپنی ذات کو سنورانا فرد کا حق ہے وہاں ماحول سازگار رکھنا بھی اس کا فرض ہے۔ معاشرہ تب ہی اعتدال پر رہ سکتا ہے جب حقوق کے ساتھ فرائض کا بھی خیال رکھا جائے اور یہ بھی خیال رکھے کہ اگر ماحول اچھا نہیں تو خود بھی اس میں نہ ڈھل جائے بلکہ یقین کامل سے انسان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے۔ صراط مستقیم پر ہی چلتا رہے اللہ تعالی فرماتا ہے " بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتہ قبض کرتا ہے جن لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا ان سے فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم دنیا میں مغلوب تھے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین اتنی بھی وسیع نہ تھی کہ تم کہیں اور چلے گئے سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے ! (سورۃ النساء۔ آیت ۹۷)

علاوہ ازیں انسان کو یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جو کچھ کرے سبھی کے لئے کرے' اگر کچھ مانگے تو ہم کا لفظ استعمال کرے میں کا نہیں' اس سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے' جو معاشرے کے بگاڑ کا سبب بنتی ہے' جو اپنے لئے پسند کرو وہی دوستوں کے لئے بھی پسند کرو' نماز کے آخر کا سلام اور سورہ فاتحہ کی آیات اس بات کی بین دلیل ہیں کہ انسان کو اجتماعی مفاد پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) درود و سلام ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر

(۲) اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں تو ہمیں سیدھی راہ پر قائم رکھ " ان سب آیات میں ہم کا لفظ ہے میں کا نہیں لہذا معاشرہ تب ہی سازگار رہ سکتا ہے جب ہم کے لئے کام کریں اور جب کبھی بھی

"میں" کے لئے کام کیا گیا معاشرے کے بگاڑ کا سبب بن گیا۔ اس لیے اسلام امربالمعروف اور نہی عن المنکر پر زور دیتا ہے کہ ایک دوسرے کو اچھے کاموں کی ترغیب دیتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو۔ اس سے ہمیں جہاں اچھے کاموں کی طرف رغبت ہو گی اور برے کاموں سے نفرت ہو گی وہاں معاشرے میں ایک احسن رابطہ بھی رہے گا اور اجتماعی مفاد پیش نظر رہے گا ذاتی اغراض خود بخود مرجائیں گی۔

یہ یاد رہے کہ اسلامی معاشرہ خود بخود وجود میں نہیں آیا بلکہ اس کو وجود میں لانے کے لئے ایک ادارہ کا بڑا عمل و دخل ہے یہ دوسرے معاشروں کی طرح اتفاق سے پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ایک ارادی معاشرہ ہے کیوں کہ اس میں صرف فرد کی نہیں معاشرے کے مفاد کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

جب معاشرے کو ایسی افراد مل جائیں جو خود سازی کے ساتھ ساتھ ماحول سازی کا بھی خیال رکھیں تو ایسا معاشرہ یقیناً ایک مثالی معاشرہ ثابت ہو گا جس میں ہر فرد کی صلاحیتیں پھلیں پھولیں گی۔ ایمان اور یقین میں پیہم ترقی اور کمال حاصل کرنے کا افراد معاشرہ میں شوق و جذبہ پیدا ہو گا۔ آپس میں اخوت و بھائی چارے کا احساس پیدا ہو گا اور برائیوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

اسلامی معاشرے میں منصفانہ نظام پر زور دیا گیا ہے لہٰذا قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے "ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور قانون نازل کیا تاکہ لوگ عدل و انصاف قائم کریں اور ہم نے ہی لوہا بھی پیدا کیا جو جنگ و جدل میں کام آتا ہے اور لوگوں کے اس میں اور بھی فائدے ہیں اور اللہ جان لے کہ بے دیکھے کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بے شک اللہ قوی اور غالب ہے" (سورۂ حدید۔ ۲۵)

دوسری آیت ملاحظہ ہو جس میں اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کو پسند کرتا ہے اور ظلم و بگاڑ کو پسند نہیں فرماتا۔ "بے شک اللہ عدل و احسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے بڑے افعال اور ناشائستہ حرکات اور سرکشی سے منع کرتا ہے اللہ تم کو اس لئے نصیحت کرتا ہے تاکہ نصیحت قبول کرو" (نحل - ۹۰) اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسے طریقے پر پایا اور خدا نے یہی حکم دیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے خدا کبھی برے کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم خدا کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ؟ "کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو انصاف کا حکم دیا ہے" (سورۂ اعراف ۲۸ - ۲۹)

معاشرے میں انسان کے حقوق اور فرائض

معاشرے کی سب سے چھوٹی قسم گھرانہ ہے سب سے پہلے اس معاشرے کے باہمی حقوق و فرائض پر بحث کی جاتی ہے۔

میاں بیوی کا آپس میں سلوک

تم میں بہتر شوہر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے بہترین شوہر ثابت ہوں" (رسول اکرمؐ "من لایحضرہ الفقیہ ص ۴۲۵)

بیوی سے اچھا سلوک اور نرمی سے پیش آنا اس کی اصلاح کا موجب ہے اس کے اطمینان ' تندرستی اور خوبصورتی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ بیوی کے اخراجات پر روک ٹوک نہیں کرنی چاہئے اور کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ مرد اگر خود پاک دامن ہے تو بیوی بھی پاک دامن ہی رہے گی۔ اور اس کے دل میں گناہ کا خیال تک نہ آئے گا اس کی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا چاہئے تاکہ وہ ان کو پورا

کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال نہ کرے۔

سب سے اچھی عورت وہ ہے جو محبت و الفت سے پیش آتی ہے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہے شوہر کی نافرمانی نہیں کرتی اور بدتمیزی سے پیش نہیں آتی جس کا بناؤ سنگار صرف اپنے شوہر کے لئے ہوتا ہے اور شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی امانت کا خیال اور اس کے حقوق کا لحاظ رکھتی ہے" (رسول کریمؐ وسائل۔ ج ۱۴ ص ۱۴)

والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض

والدین اور اولاد کے ایک دوسرے کے ساتھ کچھ حقوق ہیں اور کچھ فرائض بھی ہیں اور اگر کوئی بھی ان کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ اصطلاحاً" عاق کہلائے گا۔

والدین کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ بچے کی اچھی تربیت و پرورش کریں تاکہ وہ معاشرے کے مثالی فرد بن سکیں اپنے کردار کا خاص خیال رکھیں کیونکہ بچے اپنے ماں باپ کی کاپی کرتے ہیں اور والدین کا بچوں پر براہ راست اثر پڑتا ہے نیز بچوں کی تعلیم کی طرف خصوصاً توجہ دیں اور کبھی بھی قربانی اور ایثار سے دریغ نہ کریں بچوں کی حوصلہ افزائی کریں اور اعلیٰ سے اعلیٰ سوسائٹی مہیا کریں ان کی جسمانی اور روحانی غذا کا بندوبست کریں قرآن مجید میں والدین سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے (سورۂ آسرا ۲۳) (سورۂ عنکبوت ۸) رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچوں سے جو بھی وعدہ کرو اسے وفا کرو (مستدرک الوسائل ج ٦) بچوں کے ساتھ یکساں سلوک کرو اور تحفوں کے بارے میں امتیاز نہ کرو"

معاشرے میں فرد کے حقوق و فرائض

فرد کو معاشرے میں معاشی حق حاصل ہے کہ وہ محنت کر کے اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے آذوقہ تلاش کرے گھر بنانے اور ملکیت کا حق دیا گیا ہے "اور اس نے زمین کو انسانون کا مسکن بنایا جس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل پر غلاف ہے اور اس میں غلہ ہے جس میں بھوسہ بھی ہوتا ہے اور خوشبودار پودے ہیں" (سورۃ الرحمٰن ۱۰ تا ۱۲) "اللہ تعالیٰ نے زمین تمہارے سپرد کی "اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس کی آبادکاری تمہارے سپرد کی" (سورۃ ہود۔ ۶۱) مال پر ایک خاص طبقے کی اجارہ داری کو اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے صرف دولتمندوں میں دولت کا گردش کرنا خدا کو سخت ناپسند ہے .... تاکہ تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتی رہے ...." (سورۃ الحشر۔ آیت ۷)

خود محنت کر کے کمانا حلال ہے دوسروں کے کندھوں پر بوجھ ڈالنا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور مستوجب لعنت ہے "وہ لعنتی ہے جو اپنا بوجھ دوسروں کے کندھوں پر ڈالتا ہے" (رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) "آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے پر مت کھاؤ" (سورۃ البقرہ ۱۸۸) اپنے ذاتی یا کسی گروہ کے فائدے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچے "اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے لوگوں کو نقصان ہو یا جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بنے (رسول اکرمؐ) لین دین کا حق، ملکیت کی منتقلی کا حق، آزادی نقل و حرکت کا حق، کام کرنے کا حق۔ تعلیم حاصل کرنے کا حق۔ معاہدے کا حق، تقریر و اشاعت کا حق، اجتماع کا حق، مذھب و عقیدے کا حق۔ خاندان کا حق۔

مساوات کا حق۔ اظہار رائے کا حق ، منتخب ہونے کا حق، سرکاری ملازمت کا حق تنقید کا حق وغیرہ وغیر۔ جہاں فرد معاشرے پر یہ حقوق رکھتا ہے وہاں کچھ فرائض بھی اس پر عائد ہوتے ہیں اور اس کے لئے فرائض کا بجالانا ضروری ہے ہر حق کے ساتھ ایک ویسا ہی فرض بھی ہے۔ فرائض کے بغیر حقوق بے معنی ہوتے ہیں ایک جائز مطالبہ حق بھی ہے اور فرض بھی۔ اگر معاشرہ فرد کو خوشحالی اور بہبود کے مواقع فراہم کرتا ہے تو فرد پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو ان مواقع سے برابر کاا ستفادہ کرنے دے یہ معاشرتی طرز عمل کا ایک سیدھا سادہ اور بنیادی قاعدہ ہے اپنے لئے جو کچھ پسند کرتے ہو وہ دوسروں کو بھی دو۔ حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہیں ہمارے حقوق دوسروں کے فرائض ہیں۔ اور دوسروں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں دوسروں کے حقوق کا احترام ہر شہری کا اولین فرض ہے گویا کہ اپنے حقوق تسلیم کرانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

حکومت

اپنے حقوق کی نگرانی اور فرائض کی ادائیگی یوں تو ہر فرد کی ذمہ داری ہے لیکن بعض مقام ایسے آتے ہیں کہ انسان اپنے فرائض سے غافل ہو جاتا ہے یا اس فرض کے بجالانے میں جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے وہ فرد کو نصیب نہیں ہوتے جس کی وجہ سے فرض کی ادائیگی رک جاتی ہے اور معاشرہ اس کا محاسبہ کرنا چاہتا ہے ۔ جس کی وجہ سے اختلاف و انتشار پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ خصوصاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہم فرض کی بجا آوری مشکل ترین کام ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ افراد مل کر ایک ایسی تنظیم بنا لیں جو ان امور کی انجام دہی کرے کہ جس کے پاس ضروری وسائل موجود ہوں اور

ان سے یہ عظیم مقصد پورا ہوتا رہے اس تنظیم کو حکومت کہتے ہیں۔

اسلام نے حکومت کے لئے تین طریقے ایجاد کیے ہیں۔

(۱) خدا کی طرف سے تقرر

(۲) پیغمبرؐ کی طرف سے تقرر

(۳) مسلمانوں کی طرف سے تقرر

(۱) خدا کی طرف سے تقرر

کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبراد رہو" (آل عمران۔ ۳۲)
"اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت گزار رہو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری شان و شوکت برباد ہو جائے گی" (انفال۔ ۴۶)

اے رسول پہنچا دو جو تیرے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو نے رسالت کو نہ پہنچایا' اور اللہ تمہیں لوگوں کے (شر) سے بچائے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کی رہبری نہیں کرتا (سورۂ المائدہ ۔ ۶۷)

پس جب تو فارغ ہو جائے تو (اپنا وصی) مقرر کرو اور اپنے پروردگار کے حضور میں جانے کی رغبت کر جا (سورۂ الم نشرح ۷ ۔ ۸)

اور اے رسول یاد کرو وہ وقت جبکہ تمہارے پروردگار نے سب فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں ہی زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں (سورۂ البقرہ ۔ ۳۰)

اور وہ وقت یاد کرو جب کہ ابراہیم کے رب نے اس کا امتحان لیا' چند کلمات سے' تو اس نے انہیں پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا کہ میں تمہیں انسانوں کا امام بنانے والا ہوں' ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے' خدا نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا (سورۂ البقرہ ۔ ۱۲۴)

(۲) رسولؐ کی طرف سے تقرر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بحکم خدا متعدد بار حضرت علی علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرمایا جن میں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پہلا اور آخری خطبہ نقل کیا جاتا ہے۔

پہلا خطبہ

حدثنا = ابن حمید قال حدثنی سلمہ قال حدثنی محمد بن اسحاق عن عبدالغفار بن القاسم عن المنہال بن عمرو عن عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب عن عبداللہ بن عباس عن علی ابن ابی طالب قال لما نزلت ھذہ الایہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانذر عشیرتک الاقربین الخ ۔ امابعد دعوۃ الطعام تکلم رسول اللہ فقال یا بنی عبدالمطلب انی واللہ ما اعلم شابافی العرب جاء قومہ با فضل مماقد جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الد نیا ولاخرۃ قد امر نی اللہ تعالی ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی و وصی و خلیفتی فیکم قال فاحجم القوم عنہا جمیعا و قلت انی لاحد ثھم سنا وار معھم عینا واعظم بطنا واحمشھم ساقا انا یا نبی اللہ اکون وزیر ک علیہ فاخذ بر قبتی ثم قال ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فلسمعوالہ وطیعوا قال فقام القوم یضحکون ویقولون لا بی طالب قد امر ک ان تسمع لا بنک وتطیع " (تاریخ طبری ج ۲ ۔ ۲۱۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پہلے خطبہ کو مسٹر گلمن نے "دی سٹوری آف نیشن" میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

ALLAH has commissioned me to call men to him woh among you w ill join me in the secred work and become my brother my caliph, my commissioner. A profound silence fell upon the whol assembly until ALI (Alah-e-slam) the youngest of them al cried out with zeel, I. MOHAMMAD (Peace be upon him) embraced ALI (Alah-e-slam) and said beheld my brother, my caliph, my commissioner. Listen to him obay him commends.

خلافت الیہہ۔ ج ا ص ۸۸

خطبہ کا ترجمہ اور تشریح

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چالیس سال ایسا عمل کر کے مشرکین سے جب منوا لیا کہ آپ ہی صادق ہیں اور آپ ہی امین ہیں۔ اب آپؑ کو حکم ہوا کہ تبلیغ کرو آپؐ نے اللہ تعالٰی کے حکم سے تین سال خاموش تبلیغ کی گویا کی تین سال کلمہ حق پہنچانے میں تقیہ کئے رکھا' پھر حکم ہوا **فاصدع بما تئومرو اعرض عن المشرکین** (سورۃ الحجر۔ ۹۶) میرے حبیب اب تبلیغ کھل کر کرو' اور مشرکین کی پروا مت کرو۔ جب پوشیدہ تبلیغ شروع کی تو حضرت علی علیہ السلام کی عمر دس برس کی تھی اور جب کھل کر تبلیغ شروع کی تو مولا علی علیہ السلام تیرہ سال کے ہو گئے تھے۔ حضرت ختمی مرتبت نے فرمایا علیؑ بنی عبدالمطلبؑ کو میری طرف سے دعوت دو۔ یعنی اللہ تعالٰی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حکم دیا ہمارا پیغام پہنچا دو اور مولا علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہمارا پیغام پہنچا دو۔ اب اگر غور کریں تو جانشینی تو یہیں پر طے ہو گئی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام جب بنی عبدالمطلب کو دعوت دے آئے تو پھر کھانے کے انتظام و انصرام میں لگ گئے اور کھانے کا انتظام کیا گیا۔ یہ ساری تاریخوں کا خلاصہ ہے۔ ایک پیالہ دودھ ' ساڑھے تین سیر بھنا ہوا گیہوں اور بکرے کی ایک ران ۔ تاریخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک عرب کی خوراک اس پوری غذا سے زیادہ ہوا کرتی تھی۔

دعوت ذوالعشیرہ میں تمام بنی عبدالمطلب لگ بھگ چالیس افراد جمع ہوئے اور ان کے سامنے مذکورہ غذا رکھی گئی۔ سب سے پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود لقمہ اٹھایا پھر سبھی کو کھانے کے لئے فرمایا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا' تاریخ نے لکھا ہے کہ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے بقیہ کھانے کو اٹھوالیا۔ **قلم محمد و اراد ان یتکلم** سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور بات کرنے کا ارادہ کیا۔ **فقطعہ ابولہب** ابولہب نے آپ کی بات کو کاٹ دیا اور کہا (نقل کفر کفر نہ باشد) تم نے اس شخص کی جادو گری دیکھی اتنے مختصر سے کھانے میں چالیس آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ اب اگر تم اس کی بات سنو گئے تو اپنے جادو کے اثر سے تمہارے دل و دماغ کو اپنے قابو میں کر لے گا۔ چلو باہر چلیں میں بتاتا ہوں یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

یہ بڑا پرانا طریقہ ہے کہ اعلان حق ہونے لگے تو باطل ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ اس کی بات نہ سنو۔ اب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور ابولہب کا راستہ الگ الگ ہو گیا' لوگ چلے گئے' دوسرے دن پھر دعوت ہوئی اور حسب سابق انتظام و انصرام ہوا وہی قصہ دہرایا گیا ۔ تیسرے دن پھر دعوت فرمائی بنی عبدالمطلب جمع ہوئے کھانا کھایا گیا' کھانا اسی طرح بچا' حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور بات کرنے کا ارادہ کیا۔ ابولہب اسی طرح اٹھا تاکہ

آپ کا کلام قطع کرے اس سے پہلے کہ ابولہب اٹھتا حضرت ابوطالب علیہ السلام اٹھے، ابولہب کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں "اسکت" چپ ہو جا۔ یہ کہہ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف مڑے اور کہا "**یا ایھا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک**" اے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پہنچا دے جو تیرے رب نے تجھ پر نازل کیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمطلب! میں اللہ تعالٰی کی طرف تمہیں بلانے آیا ہوں۔ مجھے اپنا رسول مانو تو تم نجات پا جاؤ گے۔ جب فاران کی چوٹیوں پر تبلیغ فرما رہے تھے تو صرف یہ کہا تھا کہ **لا الہ الا اللہ** کہو نجات پا جاؤ گے، اور آج یہ کہا جا رہا ہے کہ محمد الرسول اللہ کہو تو نجات پا جاؤ گے۔ جب مشرکین سے بات کی تو کہا کہ اللہ کو مانو اور جب بنی ہاشم سے بات کی تو کہا کہ مجھے رسول مانو، اس طرح کلام سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس مجمع میں اکثریت توحید پرستوں کی تھی، تب ہی تو کہا جا رہا ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ مجھے رسول مانو تب نجات ملے گی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان توحید پرستوں کو فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو میری اس کام میں مدد کرے گا ؟ وہ میرا جانشین ہو گا، میرا وصی ہو گا، میرا بھائی ہو گا، یہاں بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس بزم میں مسلمان موجود تھے۔ اللہ والے موجود تھے، جن سے مدد کا سوال ہو رہا ہے۔ ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ کہتے کہ تم میں سے کون ہے جو اسلام قبول کرے گا۔ جو پہلے مسلمان ہو، تو اب بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس محفل میں ایسے افراد موجود تھے کہ جن کا ایمان اور اسلام ہر شک و شبہ سے پاک ہے، وہ پکے اور سچے مسلمان و باایمان ہیں۔ بلکہ ان میں ایک تو وہ بھی ہے جو کل ایمان کا باپ

ہے۔

سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں سے مدد مانگ رہے ہیں ' آج کوئی فتویٰ لگانے والا نہیں ' ہو بھی کیسے ' کسی کی کیا مجال آج شریعت سکھانے والا مدد مانگ رہا ہے۔ اس واقعہ نے یہ ثابت کر دیا کہ یا علیؑ مدد کہنا شرک نہیں بلکہ سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ بھی طے ہو گیا کہ جو آج اسلام لانے والوں کی لسٹ بنے گی تو اس کی ترتیب دعوت **ذوالعشیرہ** سے بنے گی۔ مقصد یہ ہے کہ جب کوئی کافر ایمان لائے گا تو اسلام لانے والوں کی فہرست بنے گی۔ آج جو مدد کا وعدہ کر رہا ہے وہ ان کی فہرست سے خارج ہے کیونکہ وہ پرانا مسلمان ہے۔ حضرت زیدؓ بن انصاری سے پوچھا گیا کہ حضرت علی علیہ السلام کو کرم اللہ وجہہ کیوں کہتے ہیں ؟ زیدؓ مسکرانے لگے کہا کہ سارے چہروں میں وہ واحد چہرہ ہے جو بتوں کے آگے نہیں جھکا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی عبدالمطلب کے اس مجمع میں اعلان خلافت کر کے یہ طے کر دیا کہ ایک تو خلافت بنی عبدالمطلب سے باہر نہیں جائے گی اور دوسری بات یہ کہ میرا جانشین و خلیفہ وہی ہو گا جو آج اٹھ کر میری مدد کر اعلان کرے گا۔

عقائد اسلامی پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں کہ کون سے عقیدے اصول دین میں ہیں اور کونسی باتیں فروع دین میں شامل ہیں۔ دعوت **ذوالعشیرہ** میں ان عقائد کی وضاحت ہو گئی ' اللہ ' رسول اور وصی تینوں عقائد کا اعلان ہو گیا اور کلمہ کا حل بھی ہو گیا۔ تاریخ طبری ' تاریخ ابوالفدا ' ابن اثیر اور کتب تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیں ' لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اٹھے اور کہا **یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ** اے اللہ کے نبی اگرچہ میری پنڈلیاں کمزور ہیں مگر میدان سے بھاگوں گا

نہیں، اگرچہ میری آنکھیں نمد آلود ہیں مگر بصیرت میں کمی نہیں۔ اے اللہ کے نبیؐ میں آپؐ کی مدد کروں گا۔ جتنے قدم آپؐ چلیں گے اتنے ہی قدم میں آپؐ کے پیچھے اٹھاؤں گا۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو قریب بلایا، گردن میں ہاتھ رکھا، مجمع کے سامنے کیا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے، میرا خلیفہ ہے اور اس کی اطاعت تم سب پر واجب ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کا جب سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا تو ابولہب نے چھوٹتے ہی حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی اطاعت کرنے کا طعنہ دیا کہ اب حکم ہو رہا ہے کہ آپ اپنے بیٹے کی اطاعت کریں اور اگر (نعوذ باللہ) حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر ہوتے تو کہتے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو نہیں مانتا، علی (علیہ السلام) کو کیا مانوں گا۔ بلکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام یہ فرماتے ہیں، اے ابولہب چپ رہ میرا بھتیجا جو کہتا ہے خیر کہتا ہے، شر نہیں کہتا۔ ابولہب کا طنز بتا رہا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا عقیدہ کیا ہے اور یہاں اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مدد کے مطالبہ کے جواب میں کہا تھا اے اللہ کے نبیؐ میں مدد کروں گا۔ ابھی کلمہ پڑھا نہیں یا نبی اللہؐ کہہ رہے ہیں۔ کسی نے بھی نہیں کہا کہ جس طرح ابوطالب علیہ السلام نے کلمہ نہیں پڑھا علی علیہ السلام نے بھی نہیں پڑھا لہٰذا (نعوذ باللہ) مسلمان نہیں ہیں۔ سبھی حضرت علی علیہ السلام کو مسلم اول کہتے ہیں حالانکہ کلمہ طیبہ کو اس وقت زبان مبارک پر نہ دہرایا تھا۔ صرف مدد کا اعلان کیا تھا، یہاں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ کلمہ کو زبان سے دہرانا مسلمان ہونے کے لئے شرط نہیں، مسلمان ہونے کے لئے سرکار دوجہاں صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد شرط ہے۔ ابولہب کو چپ کرانے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلمہ حق کہلوانے سے لیکر تادم آخر آپؐ کی مدد کرتے رہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا' جب ابوطالب علیہ السلام کی نصرت مسلم ہے تو پھر آپ کا ایمان بھی مسلم ہے کیونکہ مسلمان ہونے کے لئے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی نصرت بھی ضروری ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

آخری خطبہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ حجتہ الوادع سے واپسی پر غدیر خم کے چٹیل میدان میں اپنے اصحاب کو جمع کر کے ہزاروں کے مجمع میں خطاب فرمایا اور کہا کہ مسلمانوں کو اپنے اوپر جو اختیار ہے کیا مجھے ان سے زیادہ اختیار نہیں؟ مسلمانوں نے بیک آواز میں کہا۔ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کو ضرور اختیار ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس کا میں آقا و مولا ہوں اس کا علیؑ آقا و مولا ہے اے اللہ جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ' جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس کو دشمن سمجھ' جو ان سے محبت کرے تو ان سے محبت کر' جو ان سے بغض رکھے تو ان سے بغض رکھ' جو ان کی مدد کرے تو ان کی مدد کر' جو ان کا ساتھ چھوڑ دے تو بھی اس کو ساتھ چھوڑ دے' (کنزالعمال ج ۶ ص ۴۰۳ مسلم ج ۱ ص ۱۱۹۔ صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۴۴) یہاں واضح الفاظ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الست اولی بکم من انفسکم لہٰذا یہاں

مولا کا معنی اولیٰ کے ہوں گے کیونکہ پہلے قرینہ موجود ہے کوئی اور معنی مولا کے یہاں مراد لینا عربی لغت سے عربی زبان سے غداری کے مترادف ہے۔ مذکور حوالاجات سے بارہ آئمہ کی سند ملتی ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے "میرے خلفاء بارہ ہوں گے اور ایک موقع پر فرمایا کہ میرا بیٹا حسین امام ابن امام اور امام کا بھائی ہے اور نو امام اس کے نسل سے ہوں گے" (منہاج ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۱۰)

مسلمانوں کی طرف سے تقرر

یہ طرز حکومت سب اسلامی فرقوں میں مسلم ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ ملت شیعہ صرف امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت میں اس رواج کو جائز مانتے ہیں اور آئمہ کی موجودگی میں اس طرز حکومت کے حق میں نہیں ہیں۔ بنیادی طور پر شیعہ مکتب فکر صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کا قائل ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اپنا خلیفہ مقرر کرے یا اس کے بعد انبیاء کو اس چیز کا اللہ کی طرف سے اختیار ہے کہ وہ مقرر کرسکتے ہیں اور کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ دین میں مداخلت کرے اور اپنی من مانی کرتا پھرے البتہ غیبت امام زمانہ علیہ السلام میں اس طرز حکومت کو جائز مانتے ہیں لیکن ان کی بھی کچھ شرائط ہیں۔

زمانہ غیبت میں سربراہ کی شرائط

(۱) خدا ' وحی اور حضوراکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات پر ایمان "اللہ ہرگز کافروں کو موقع نہیں دے گا کہ مومنوں پر مسلط ہو جائیں" (سورۃ النساء۔ آیت ۱۴۱)

(۲) انصاف ' اسلامی قوانین کی پوری پابندی اور ان کا نفاذ۔ حضرت ابراہیم علیہ

السلام نے امامت اپنی اولاد کے لئے چاہی' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔" لاینال عھدالظالمین " "ظالموں کو یہ عہدہ نہیں ملے گا" ۔ (سورۃ البقرہ ۔ ۱۲۴) "اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ' حاکم بنایا اس لئے لوگوں پر انصاف کے ساتھ حکومت کرو (ص ۔ ۲۶)

(۴) اسلام سے کافی واقفیت

" آیا وہ شخص جو لوگوں کو حق کا راستہ بتلاتا ہے اس کا اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے یا وہ شخص جس کو بے بتلائے راستہ ہی نہ سوجھے " (سورۃ یونس آیت ۳۵) (لہ) مناسب لیاقت اور موزونیت ۔

(۵) معیار زندگی غریبوں جیسا ہو

مال کی محبت ' نالائقی ' ناتجربہ کاری ' ظلم ' بزدلی 'رشوت خوری ' اسلامی شعائر کی خلافت ورزی اور سفاکی سے پاک وصاف ہو۔ مسلمانوں کی عزت و آبر' جان و مال کا محافظ ہو۔ مسلمان چاہے غریب ہو چاہے امیر برابر سلوک رکھتا ہے وغیرہ وغیرہ

اصول حکمرانی اور فکری و عمل تربیت

جن اصولوں پر حکومتیں قائم رہتی ہیں اور جن کو بنیاد بنا کر حکمران حکمرانی کرتے ہیں ان میں اولین حکمران کے ذاتی کردار کو حاصل ہے اگر حکمران کے قول و فعل میں تضاد ہو گا تو قوم کی جمعیت کا شیرازہ بکھرتے دیر نہیں لگتی قوم کسی صورت صحیح سمت نہیں چل سکتی۔ اسلام حکمرانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی عوام سے بے خبر رہیں اور من مانی کرتے پھریں سب سے پہلے ہم "

اسلام دین حکمت" سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جو حکمرانوں کے لئے سماجی اور معاشی اصول واضح کرتا ہے۔

ایک اہم سماجی اور معاشی اصول

اسلامی روایات میں ہمیں ایک اہم سماجی اصول ملتا ہے جس کا معاشی پہلو بھی بہت نمایاں ہے وہ اصول یہ ہے۔

اسلامی نقطہ نظر صرف وہ حکمران انصاف پسند سمجھے جائیں گے جن کی زندگی کی سطح وہی ہونی چاہئے جو غریبوں کی زندگی کی سطح ہے۔

اس اصول پر خوب غور کرنے کی ضرورت ہے اسلامی حکمران کی زندگی کی سطح وہی ہونی چاہئے جو ایک غریب کی اس ملک میں ہے تاکہ اس کے اور ان کے درمیان رابطہ قائم رہے ورنہ غریب عوام دل سے اس کی حکومت کو پسند نہیں کریں گے اور صحیح معنوں میں ان کی حمایت اسے حاصل نہیں ہو گی۔ وہ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ محسوس کریں گے یہ احساس انہیں چین نہیں لینے دے گا اور ان میں اس کی مخالفت کی تحریک پیدا ہو گی۔

اس سلسلے میں ایک اہم روایت جس سے اس اصول کا تذکرہ ہے امام علی علیہ السلام سے منقول ہے۔

ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام بصرہ میں اپنے اصحاب میں سے "علا" نامی ایک شخص کی عیادت کے لئے ان کے گھر گئے "علا" کا مکان بہت بڑا تھا، امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ مکان دیکھا تو فرمایا

" اتنے بڑے مکان کا کیا کرو گے ؟ اس کی تو تمہیں آخرت میں زیادہ ضرورت تھی۔ اچھا اب بھی اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یہ گھر آخرت میں مل جائے تو اس

میں مہمان نوازی اور صلہ رحمی کرو اسے حق کی حمایت کا قلعہ بنادو اس طرح یہی مکان تمہیں آخرت میں مل جائے گا"

علا نے کہا۔ یا امیرالمومنین علیہ السلام میں آپ سے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کیا ؟ علا نے کہا اس نے دنیا ترک کر دی ہے اور گدڑی سنبھال لی ہے' فرمایا اسے میرے پاس بلاؤ۔ جب عاصم امام علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا "اے اپنی جان کے دشمن تجھے شیطان لعین نے دھوکہ دیا ہے تجھے اپنے بیوی اور بچوں پر ترس نہیں آتا کیا تیرا یہ خیال ہے کہ اللہ نے سب اچھی اور پاکیزہ چیزیں تیرے لیے حلال تو کر دی ہیں لیکن اسے یہ پسند نہیں کہ تو انہیں استعمال بھی کرے اللہ کے نزدیک تیری اتنی حیثیت نہیں ہے کہ تیرے ساتھ ظاہر داری کا برتاؤ کرے ظاہر تو یہ ہے کہ یہ سب نعمتیں تیرے لیے حلال ہیں اور باطن میں یہ چاہے کہ تو انہیں استعمال نہ کرے"

امیرالمومنین علیہ السلام آپ خود بھی تو موٹا چھوٹا لباس پہنتے ہیں اور بہت سادہ کھانا کھاتے ہیں فرمایا میری بات اور ہے میرا معاملہ تجھ سے الگ ہے۔

اللہ نے عادل حکمرانوں پرواجب کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا معیار غریبوں کی زندگی کے برابر رکھیں ایسا نہ ہو کہ غریبوں کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو (یعنی یہ وسوسہ پیدا ہو کہ ہم حکمرانوں سے الگ ہیں اور اس طرح وہ حق کے راستے سے منحرف ہو جائیں"

اس اہم اصول کی بنیاد پر جو اس روایت میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ امت کی سربراہی کے منصب کے خواہاں ہوں وہ پہلے اپنی اور اپنے خاندان کے معیار زندگی کے متعلق صراحت کریں اگر وہ اس

بات پر آمادہ ہیں کہ اپنی زندگی کا معیار وہی رکھیں گے جو ان کے ملک میں غریبوں کا معیار ہے تو پھر وہ اس منصب کو حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔

اس طرح امت کے سربراہ اور اس کے خاندان کے افراد پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اپنا معیار زندگی بہتر بنانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کی کوشش کریں تا کہ اس کے نتیجے میں خود ان کی معاشی حالت بہتر ہو سکے یہ الفاظ دیگر اسلامی معاشرے میں حکومت کا مقدر عوام کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ دولت مندوں اور سرمایہ داروں کے ساتھ ایسی حکومت نہ صرف سرمایہ داروں کی ناجائز آمدنی کی حمایت نہیں کرے گی بلکہ ان کے لالچ کے خلاف ایک طاقتور رکاوٹ اور اسلام کے سماجی انصاف کو بروئے کار لانے کے لئے مؤثر ضمانت ثابت ہو گی"

بیت المال

اسلامی نظام میں بیت المال اہمیت کا حامل ہوتا ہے جس سے ضرورت مندوں کی امداد اور حاجتوں کو رفع کرنے میں مدد ملتی ہے اسلامی حکومت کو یہ چاہئے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ اس میں ضرور جمع کرتی رہے آمدنی کی مدیں مندرجہ ذیل ہیں۔

خمس

سال بھر کے ذاتی گھریلو اخرجات کے بعد بچ جانے والی شئے پر یا کان کن یا غواصی ' مال غنیمت کا ۲۰ فیصد۔

خراج

ایسی زمین کی آمدنی جو حکومت مستاجری پر دے جس کو لوگ آباد کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

جزیہ

اسلامی حکومت اپنے ملک میں رہنے والے غیر مسلموں پر محصول لگا سکتی ہے

ترکہ

ان لوگوں کا ترکہ جن کا کوئی وارث نہ ہو

اور بھی آمدنی کے ذرائع ہیں جن سے حکومت کو آمدنی ہو سکتی ہے جب ایک حکومت کو آمدنی ہوتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اسے خرچ بھی صحیح کرے جہاں اس کی ضرورت ہو وہاں سرمایہ لگایا جائے۔ ضروت مندوں تک اس کا حق پہنچانا بھی حکومت کا فرض ہے۔

جب حکومت خود کو خود کفیل سمجھ لے اس وقت مزید دوسرے امور اور ملکی حالات سنوار نے کی کوشش کرے۔ لوگوں کی فکر اور عمل کی طرف توجہ دے' جتنا انسان تعلیم حاصل کرتا جائے گا اتنا ہی ملک ترقی کرتا جائے گا۔ جس ملک میں ناخوندگی ہو اس ملک کا شمار اچھے ملکوں میں نہیں ہوتا۔ اچھا حکمران اپنے عوام کی صحت و تعلیم پر خاص کر توجہ کرتا ہے اور علوم کو پھیلانے کی سعی مشکور کرتا ہے' یہ ایک ایسا شعبہ ہے کہ حکومتی سطح پر اور انفرادی سطح پر بھی اس کو پھیلایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں :

" اس صورت میں جب کہ ان کا سرانجام خدا اور اس کے اوامر ہوں علمی گفتگوئیں ' مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہیں " " جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ علم حاصل کرنے میں مصروف ہو تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو زندہ کر دے اس کے اوپر پیغمبروں کے درمیان بہشت میں فقط ایک درجے کا فاصلہ ہو گا"

نیز فرمایا ! علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خدا علم کے خواہشمند لوگوں کو دوست رکھتا ہے " علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے علم کو خود اس کے مقام سے حاصل کرو اور اس کے اہل سے سیکھو' کیونکہ خدا کی خاطر علم کا سکھانا خوبی ہے اور علم کا طلب کرنا عبادت۔ اس کے متعلق بحث کرنا تسبیح' اس پر عمل کرنا خدا کی رہ میں جہاد اور اس کا جاہل کو سکھانا صدقہ ہے۔ علم کا اہل دانش پر فیاضی سے خرچ کرنا خدا کی قربت اور نزدیکی ہے " (اسلام دین معاشرت)

مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی حالت درست کرنے کے بعد ایک حکمران کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اسلامی سرزمین کا دفاع کرے اور علاقوں کی آزادی کے لئے جہاد کا حکم دے اور کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

" جہاد کرو تاکہ اپنے فرزندوں کے لئے عزت اور عظمت یادگار کے طور پر چھوڑ جاؤ" خوبیاں تلوار کے سائے کے نیچے ہیں اور فقط تلوار ہی لوگوں کو قائم رکھتی ہے (اور انہیں راہ راست پر چلاتی ہے) تلوار دوزخ اور بہشت کی کنجی ہے " نیز فرمایا " جو شخص جہاد کو ترک کرتا ہے خدا تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے اور زندگی میں محتاج کر دیتا ہے اور دین میں بھی وہ ہلاکت اور ضلالت کا شکار ہو جاتا

ہے ......"

حضرت علی علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جنگ سلاسل سے لوٹتے ہوئے خدا کی راہ میں جنگ کرنے والوں کے ثواب کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا' جب مسلمان جنگجو جہاد کا ارادہ کرتا ہے تو خدا اس کے لئے دوزخ کی آگ سے آزادی مقرر فرما دیتا ہے اور جب وہ جہاد کے سفر پر آمادہ ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ان کے وجود پر فخر کرتا ہے اور جب وہ اپنے گھر والوں کو الوداع کہتے ہیں' در و دیوار اور مکان ان پر روتے ہیں اور وہ اپنے گناہوں سے اس طرح خارج ہو جاتے ہیں جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے باہر آتا ہے"

"جو شخص کسی سپاہی کی حوصلہ افزائی کرے اور اسے آفرین کہے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے فرشتے اس کا استقبال کریں گے اور اسے سلام کہیں گے"

حدود جنگ

"ان لوگوں سے خدا کی راہ میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ ظلم اور تعدی روا نہ رکھو کیونکہ خدا تعالیٰ ظالموں اور تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (سورہٗ البقرہ۔ آیت ۱۹۰) "ان سے لڑو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور خدا کا دین اپنے انتشار اور عمومیت کے معاملے میں خود غرض لوگوں اور شورش پسندوں کی رکاوٹوں اور طالع آزمائیوں سے امان میں رہے اور اگر وہ (اپنی حرکتوں سے باز رہیں) تو ان کے ساتھ مت لڑو کیونکہ "تجاوز ستمگروں کے علاوہ کسی پر نہیں" (سورہٗ البقرہ۔ آیت ۱۹۳) "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کسی شخص سے اسے اسلام کی دعوت دیئے بغیر مت لڑو۔ خدا کی

قسم! اگر خدا تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر ایک شخص کو ہدایت کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہاری حکومت اس پر ہو جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے" (وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۴۲۱)

"جب کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کرتے تھے تو ان لوگوں کو بلا بھیجتے تھے۔ اور انہیں اپنے سامنے بیٹھا کر فرماتے تھے۔ خدا تعالیٰ کا نام لے کر اور خدا کی راہ میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کی مطابق کوچ کرو' اپنے دشمن سے خیانت نہ کرو اور ان کا مثلہ نہ کرو اور ان کے ساتھ فریب کاری نہ کرو' بوڑھے ضعیف آدمی اور عورت اور بچے کو قتل نہ کرو' درخت مت کاٹو' بجز اس کے کہ ایسا کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ ہر چھوٹا بڑا مسلمان ایک مشرک کی جانب متوجہ ہو اور اسے پناہ دے وہ امان میں ہو تاکہ اللہ کا کلام سنے اگر وہ تمہاری متابعت کرے تو تمہارے دینی بھائیوں میں شمار ہوگا۔ اور اگر انکار کر دے تو اسے اس کے گھر پہنچا دو اور خدا سے مدد طلب کرو"

یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر دین پر فوقیت حاصل تھی مگر برگیڈیئر گلزار احمد ایک مقالہ "عساکر اسلام کے لیے تعلیمات" میں تحریر فرماتے ہیں "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدنی دور کے اولین نو سالوں کے اندر ستائیس یا بعض روایات کے مطابق انیس غزوات میں حصہ لیا اور پچاس سے زائد سرایا روانہ ہوئے' ان ۸۰ اسی سے زائدہ مہمات میں سے کسی ایک میں بھی شکست نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی ایک میں سے کسی ایک مجاہد نے ہتھیار ڈالے۔ احد اور موتہ کے متعلق غیر سپاہیانہ یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ان مقامات پر مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی جب کہ ایک آدمی بھی قیدی نہ بنا دشمن

میدان جنگ چھوڑ گیا تو پھر مسلمانوں کو کس طرح شکست ہوئی؟

اور آگے چل کر فتح کے دوسرے اصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ دوسرا اصول جو اس مسلسل کامیابی سے واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فوج کے تمام افراد اس عزم و استقلال' جرات' اللہ پر بھروسہ اور اس درجہ پامردی سے جم کر لڑتے تھے کہ شکست کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

نیز فرماتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ' اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی شہادت کا مقام رکھتی ہے۔ اگر مسلمان شکست قبول کرے تو اسے غیروں کی غلامی قبول کر کے غیراللہ کے قوانین کا پابند ہونا پڑتا ہے یعنی اس کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صرف زبان سے کہے ہوئے الفاظ رہ جاتے ہیں اور عملاً وہ حاکمیت خداوندی کا منکر بن کر غیراللہ کا نام لینے والوں کی تقویت کا باعث بنتا ہے اس لیے مسلمان مجاہد کے لیے شکست قبول کرنا اسلام سے منحرف ہونے کے مترادف ہے"

نوٹ : برگیڈیر صاحب نے غلام سپاہیوں کا لفظ استعمال کر کے تاریخ سے انحراف کیا ہے اور کسی کی محنت کا سہرا کسی کے سر ڈال دیا ہے۔ تمام جنگیں حضرت علی علیہ السلام کی جوانمردی اور جرات کے نتیجے میں فتح ہوئیں ہیں۔ خلوص نیت سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی تمام جنگیں دفاعی جنگیں ہیں۔ اور ان تمام جنگوں میں کس نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ فتح اسلام کی ہی ہوئی' لیکن کن حالات کے بعد' ان حالات کو فراموش کر دینا عسکری ماحول سے ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور خود فریبی کی بہت بڑی دلیل ہے حقیقت حال کے اظہار کے لئے یہاں پر غزوات کا اجمالاً" تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

عام الحزن

۱۰ بعثت شعب ابی طالب سے باہر آنے کے آٹھ مہینے اور گیارہ دن بعد نصف ماہ شوال میں ۸۶ سال کی عمر میں حضرت ابوطالب علیہ السلام اور تین دن بعد ۶۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ علیہا السلام نے انتقال فرمایا۔ جس کی وجہ سے حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سخت محزون و غمگین ہوئے، غم و اندوہ کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام "عام الحزن" رکھا یعنی غم کا سال' ان دونوں ہمدردان و مددگاران پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے حجون نامی قبرستان میں دفن کیا گیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود ان ہستیوں کی تکفین و تدفین فرمائی اور فرمایا **مات عبدالمطلب و ابو طالب علی قول لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ و علی ملتہ ابراہیم** حضرت عبدالمطلب علیہ السلام اور حضرت ابوطالب علیہ السلام نے جب وفات پائی تو ان کا ورد لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ تھا اور ملت ابراہیمی پر کاربند تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معراج جسمانی

۱۲ بعثت ۲۷ رجب کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر براق کے ذریعہ "قاب قوسین" کی منزل پر بلایا وہاں پر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت کے متعلق ہدایات دیں۔ یہ سفر مبارک ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا۔ بیت المقدس تشریف لے گئے پھر آسمان پر روانہ ہو گئے ایک منزل ایسی آئی کہ جبرائیل علیہ السلام یہ کہنے پر مجبور ہو گئے **لو دنوت انملتہ لا حترقت** اگر بال برابر آگے بڑھوں تو جلتا ہوں۔ ایک منزل ایسی بھی آئی کہ براق بھی رک گیا پھر آپؐ رفرف پر بیٹھ کر آگے بڑھے یہ

ایک نوری تخت نور کے دریا میں جا رہا تھا۔ آپ اپنے جسد مبارک سمیت گئے اور فوراً واپس آئے۔ روحانی معراج کے قائل غلطی پر ہیں کیونکہ قرآن میں واضح لفظ **اسری بعبدہ** آیا ہے۔ اور عبد کا اطلاق جسد و روح دونوں پر ہوتا ہے کسی ایک پر نہیں۔ معراج نبویؐ کا اقرار اور عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو معراج نبویؐ کا قائل نہیں وہ ہم میں سے نہیں۔

معراج جسمانی سے انکار کے لئے صرف ایک روایت کا سہارا لیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ معراج کی رات حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تھے۔ بس اسی کو دلیل بنا کر جسمانی معراج کا انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا حقیقت سے ذرا برابر تعلق نہ ہے۔ اور تاریخ سے بے خبری کا واضح ثبوت ہے۔ حضرت عائشہؓ سے شادی مدینہ میں ہوئی تھی جبکہ مکی زندگی میں معراج پر تشریف لے گئے تھے۔

(حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ علیہما السلام کے انتقال پرملال کے بعد آپ کو بے یارومددگار سمجھتے ہوئے مشرکین مکہ نے مصائب و آلام کے پہاڑ توڑ دیئے' طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کر دیں جس کی وجہ سے آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔)

مدینہ کی طرف ہجرت

۱۴ بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں نے چوری چھپے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی۔ مدینہ میں اسلام زور پکڑنے لگا تو مشرکین کو تشویش ہوئی اور دارالندوہ میں جمع ہو کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ ابوجہل کے مشورہ سے ہر قبیلہ کے نمائندہ افراد اکٹھے ہوئے اور طے پایا کہ سبھی مل کر مسلمانوں کے رسول کو قتل کر دیں۔ تاکہ بنی ہاشم خون بہا نہ لے سکیں۔ سبھی نے مل کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا' بحکم خداوند قدوس آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے بستر پر سلایا اور تمام امانتیں حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں حضرت ابو بکرؓ مل گئے۔ آپؐ نے غار ثور میں قیام فرمایا جہاں غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تنا' کبوتری نے انڈے دیئے اور ببول کا درخت غار کے منہ پر خدا نے اگا دیا۔ اب دشمنوں کو غار میں داخلہ کا شبہ نہ رہا۔ اور دشمن رات بھر گھر کو گھیرے میں لئے رہے۔ صبح ہوتے ہی مشرکین دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہوئے' تو بستر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت علی علیہ السلام کو آرام فرماتے ہوئے پایا' پوچھا محمدؐ کہاں ہیں ؟ فرمایا جہاں ہیں خدا کی امان میں ہیں۔ مولا علی علیہ السلام تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے یہ دیکھتے ہی کفار وہاں سے بھاگ لئے۔

حضرت علی علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت کی خاطر بستر پر خطرے کے عالم میں ایسی نیند سوئے کہ فرماتے ہیں کہ شب ہجرت مجھے ایسی نیند آئی ساری عمر نہ آئی تھی۔ تفاسیر میں ہے کہ اس موقع کے لئے آیت و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ نازل ہوئی ہے' حضرت علی علیہ السلام ایسی نیند سوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضاؤں کے بدلے اس نیند کو خرید لیا۔

مختصر یہ کہ یکم ربیع الاول ۱۴ بعثت یوم پنجشنبہ رات کے وقت گھر کا محاصرہ ہوا صبح سے پہلے ۲ ربیع الاول یوم جمعہ غار ثور میں پہنچے یوم یکشنبہ ۴ ربیع الاول

تک غار میں رہے۔ ۵ ربیع الاول یوم دو شنبہ کو عبداللہ ابن ارـیقط اور عامر ابن فہیرہ رضی اللہ عنہما بھی آپہنچے یہ چاروں اشخاص معمول کا راستہ چھوڑ کر بحرہ قلزم کے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

۱۲ ربیع الاول یوم دو شنبہ دوپہر کے وقت آپ مدینہ پہنچے قبا کے مقام پر آپ کا ناقہ خود بخود ٹھہر گیا۔ آپ کا شاندار استقبال ہوا یہاں پر آپؐ نے ایک مسجد بنائی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مقام پر حضرت علی علیہ السلام بھی تفویض کردہ امانتوں سے سبکدوش ہو کر آپہنچے حضرت علی علیہ السلام ایک قافلہ کی صورت میں تشریف لائے۔ عورتیں اور بچے اونٹوں پر سوار تھے اور آپ پیادہ پا سفر فرما رہے تھے۔ جس کی وجہ سے پاؤں پر ورم آگئے تھے۔

مقام قبا جو مدینہ سے دو میل دور تھا وہاں سے ۴ یوم قیام کے بعد آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ۱۶ ربیع الاول یوم جمعہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا۔ آپؐ نے نماز جمعہ یہیں پر ادا کی یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے زمین خریدی جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسجد تعمیر کی جو آج مسجد نبوی کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنایا گیا۔ جو صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں نو مسلم ٹھہرائے جاتے تھے ان (اصحاب صفہ) کی پرورش صدقہ وغیرہ سے ہوتی تھی۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد پانچ وقت کی نماز کی سترہ رکعتیں مقرر ہوئیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نازل ہوا۔

سن ہجری کے اہم واقعات

۱ ھ کو اذان و اقامت کا تقرر ہوا اور اسلام کے پہلے مئوذن حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ جنہوں نے اذان کی تعلیم حضرت علی علیہ السلام سے حاصل کی۔

پہلی ہجری کے ۵ یا ۸ ماہ گزرنے کے بعد حضرت ختمی مرتبت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مہاجرین کی دل بستگی کے لئے انصار و مہاجرین میں باہمی مواخات (بھائی چارگی) قائم فرما دی۔ مہاجرین و انصار جب ایک دوسرے کو تو میرا بھائی تو میرا بھائی کہہ کر مبارک باد دے رہے تھے تو آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا **انت اخی فی الدنیا والاخرہ** اے علیؑ تمہارا مزاج و طبیعت مجھ سے ملتا ہے لہٰذا تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

جناب سیدہ علیہا السلام کی شادی

سن دو ہجری میں ۱۵ رجب اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپؐ نے جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کا حضرت علی علیہ السلام سے عقد فرما دیا اور ۱۹ ذی الحجہ کو رخصتی ہوئی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی اکلوتی اور عزیز ترین بیٹی کو جہیز میں ایک چارپائی ایک چمڑے کا گدا ایک مشک دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دیئے۔ شادی کے وقت حضرت علی علیہ السلام کی عمر ۲۴ سال اور جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی عمر ۱۰ برس تھی۔

اسی دو ہجری میں ماہ شعبان میں حالت نماز میں بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رخ موڑ دیا گیا اس واقعہ میں حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ساتھ دیا۔ اس لئے حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے انا

مصلی القبلتین میں ہی وہ ہوں جس نے ایک نماز بیک وقت دو قبلوں کی طرف رخ کر کے پڑھی۔

جہاد

جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گئے اور ان کا مذہب دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دنیا اندھیر ہو گئی اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مل کر کوشش کرنے لگے کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دیں۔ اس کے نتیجہ میں حضرت کو مشرکین قریش اور یہودیوں کے ساتھ بہت سی دفاعی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سے اہم موقعوں پر حضرت خود فوج اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ایسی مہموں کو غزوہ کہتے ہیں اور جن موقعوں پر آپ اصحاب میں سے کسی کو فوج کا سردار بنا کر بھیج دیا کرتے ان کو "سریہ" کہا جاتا ہے۔ غزوات کی مجموعی تعداد چھبیس ہے۔ جن میں بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں اور سریوں کی تعداد چھتیس تھی۔ جن میں سب سے مشہور "موتہ" ہے۔ جس میں حضرت جعفر طیار شہید ہوئے۔

جنگ بدر

بسمہ تعالی ! ولقد نصر کم اللہ ببدر و انتم اذلتہ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون ○ اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمد کم ربکم بثلثتہ الاف من الملکتہ منزلین ○ بلی ان تصبروا و تتقوا و یاتوکم من فورھم ھنا یمددکم ربکم بخمستہ الف من الملکتہ مسومین ○ وما جعلہ اللہ الا بشری لکم

ولتطمئن قلوبکم بہ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم ○ لیقطع طرفا من الذین کفروا اویکبتھم فینقلبوا خائبین ○ (سورۂ آل عمران آیت ۱۲۴ تا ۱۲۶)

ترجمہ : اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد (جنگ) بدر میں کی ہے۔ جب کہ تم کمزور تھے پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ (اے رسولؐ یاد کر) جب تم مومنوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں ہو گا کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے (آسمان سے) اتار کر تمہاری مدد کرے۔ ہاں ! اگر تم صبر کرو اور پرہیز گار بنے رہو اور وہ (دشمن) اپنے جوش میں ابھی تم پر چڑھ آئیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار نشان دار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا اور خدا نے یہ (مدد) مقرر نہیں کی مگر اس لئے کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو اور اس لئے کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد تو غالب حکمت والے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے (ہوا کرتی) ہے تاکہ وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے ایک حصہ کو کاٹ دے یا ان کو ذلیل کرے کہ وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں۔

یہ مدینہ منورہ سے تقریباً اسی (۸۰) میل پر بدر ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سننے میں آیا کہ ابو سفیان تیس سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت مکہ لئے جا رہا اور نواح مدینہ سے گزرے گا۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۳۱۳) ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے' اور مقام بدر پر جا اترے۔ قریش نو سو پچاس (۹۵۰) آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابو سفیان سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی خدا نے مسلمانوں کی مدد فرمائی' جس سے مسلمان فتح یاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے ۷۰ ہی اسیر ہوئے چھتیس کافروں کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابو جہل اور اس کا بھائی عاص

اور عتبہ شیبہ ولید بن عتبہ نیز اسلام کے بہت سے دشمن مارے گئے۔ حضرت علی علیہ السلام آگے بڑھے اور سب سے پہلے ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عاص بن سعید کو قتل کیا آگے بڑھے تو طعیمہ بن عدی بن نوفل کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو نوفل ابن خویلد کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو زمعہ ابن اسود کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عقیل ابن اسود کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو حارث ابن زمعہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو نضر بن حارث بن عبدالدار کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عمیر بن عثمان بن کعب بن تیم جو کہ طلحہ کے چچا تھے کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عثمان ابن عبیداللہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو مالک ابن عبید اللہ کو قتل کیا۔ یہ دونوں طلحہ کے بھائی تھے۔ آگے بڑھے تو مسعود ابن ابی امیہ ابن مغیرہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو قیس ابن فاکہ ابن مغیرہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو حذیفہ ابن ابی حذیفہ ابن مغیرہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو ابو قیس بن ولید بن مغیرہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو حنظلہ ابن ابی سفیان کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عمر ابن المخزوم کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو ابو المنذر ابن ابی رفاعہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو منبہ ابن حجاج سہمی کو قتل کیا آگے بڑھے تو عاص ابن منبہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو علقمہ ابن کلادہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو ابو عاص ابن قیس بن عدی کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو معاویہ ابن مغیرہ ابن ابی عاص کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو لوذان ابن ربیعہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عبداللہ ابن منذر ابن ابی رفاعہ کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو حاجب بن سائب بن عویمر کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو اوس بن مغیرہ بن لوذان کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو زید بن ملیص کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عاصم ابن ابی عوف کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو سعید بن وہب حلیف بنی عامر کو قتل کیا۔ آگے بڑھے معاویہ ابن عامر ابن عبدالقیس کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو عبداللہ بن

جمیل بن زہیر بن الحارث بن الاسد کو قتل کیا۔ آگے بڑھے تو السائب ابن مالک کو قتل کیا آگے بڑھے تو ابوالحکمؔ ابن الاخنس کو قتل کیا۔ اور آخر میں ذوالفقار حیدری چلی تو ہشام ابن ابی امیہ ابن مغیرہ کو قتل کیا۔

اس پہلی اسلامی جنگ کے علمبردار حضرت علی علیہ السلام تھے تھے قیدیوں میں نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ غزوہ بدر کے بعد کفار کا ہر گھر ماتم کدہ بن گیا اور مقتولین کے انتقام کا جذبہ مکہ کے پیر و جوان میں پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں احد کا معرکہ رونما ہوا۔

یہ جنگ ماہ رمضان دو ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ اسی دو ہجری میں روزے فرض کئے گئے اور عیدالفطر کے احکام نازل ہوئے۔ اور غزوہ بنوقینقاع سے واپسی پر عیدالاضحیٰ کے احکام آئے اور خمس واجب کیا گیا۔

جنگ احد

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم من بعد ما ارکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین ○ اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخرکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی مافاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون ○ ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا یغشی طائفۃ منکم وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شی ء قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک یقولون لو کان لنا من المر شی ء

ما قتلنا ههنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم و اللہ علیم بذات الصدور ○ ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن انما استزلھم الشیطن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم ○ (سورۃ آل عمران ۱۵۲ تا ۱۵۵)

ترجمہ : اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا جب کہ تم انہیں اللہ کے حکم سے قتل کرنے لگے۔ تا آینکہ جب تم نے نامردی کی اور (مورچہ) کے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا اور بعد اس کے اس نے تمہیں وہ چیز دکھلا دی جس سے تم محبت رکھتے تھے۔ تم نے نافرمانی کی کچھ تو تم میں وہ ہیں جو دنیا کے طلبگار ہیں اور تم میں سے کچھ آخرت کی خواہش رکھتے ہیں پھر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پھیر دیا تاکہ تمہارا امتحان لے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے درگذر کی اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر (بہت) فضل کرنے والا ہے۔ (یاد کرو وہ وقت) جب کہ تم (پہاڑ پر) چڑھے جاتے تھے اور کسی کو پلٹ کر (بھی) نہ دیکھتے تھے اور رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو پیچھے سے بلا رہے تھے پھر خدا نے تمہیں رنج پہ رنج پہنچایا تاکہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہی اور جو مصیبت تم پر پڑی اس پر غم نہ کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بڑا خبردار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رنج کے بعد تم پر امن نازل کیا کہ تم میں سے ایک گروہ پر نیند غالب آگئی اور ایک اور گروہ تھا کہ یقیناً انہیں ان کی جانوں ہی کا فکر پڑا ہوا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلیت کی بدگمانی کرتے تھے کہ کیا ہمارے لئے اس امر میں کچھ بھی اختیار ہے (اے رسولؐ) کہہ دو یقیناً کل اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہ اپنے دلوں میں وہ چیزیں چھپاتے ہیں جنہیں وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں اس کام میں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ (اے رسولؐ) کہہ دو کہ اگر تم لوگ اپنے

گھروں میں بھی ہوتے تو بھی جن کے لئے قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ اپنے مقتل میں ضرور نکل کر آتے۔ اور (وہ اس لئے تھا) تاکہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے (لوگوں کو دکھانے کے لئے) اللہ اس میں تمہارا امتحان لے لے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس سے چھانٹ دے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ بے شک وہ لوگ جو (اس دن) تم میں سے پیٹھ پھیر گئے تھے۔ جس دن دو گروہوں کا مقابلہ ہوا تھا۔ ماسوائے اس کے نہیں ہے کہ ان کے بعض افعال کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سے درگذر کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بردبار ہے۔

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے ابو سفیان نے تین ہزار کی فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصہ کا عکرمہ ابن ابی جہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ پورے ایک ہزار آدمی بھی نہ تھے "احد" پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ کامیابی کے بعد بھی پشت کے تیراندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی ہی کہ تیراندازوں کا وہی دستہ جس کے سرکنے کی ممانعت تھی، خلاف حکم خدا و رسولؐ مال غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ جس کے نتیجہ میں فتح و کامرانی شکست و نامرادی میں بدل گئی۔ حضرت حمزہ "اسد اللہ" شہید ہو گئے۔ میدان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بڑے بڑے مدعیان شجاعت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور کسی نے رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف توجہ نہ دی۔ تواریخ میں ہے کہ تمام صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بروایت الیعقوبی ص ۳۹ صرف تین صحابی رہ گئے جن میں حضرت علی اور دو اور تھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ یہ سب بھاگ رہے تھے اور رسولؐ چلا رہے تھے کہ مجھے تنہا

چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو مگر کوئی منہ پھیر کر نہ دیکھتا تھا۔ (ص ۴ رکوع ۷ آیت ۱۵۳)۔
ایک شخص نے گو پھنہ میں رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف پتھر مارا جس کی وجہ سے آپؐ کے دو دانت شہید ہو گئے اور پیشانی مبارک مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے کئی زخم بھی آئے۔ اور آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے جب سب بھاگ رہے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام محو جہاد تھے اور تحفظ رسالتؐ بھی کر رہے تھے۔ بالآخر کفار کو ہٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہاڑی پر لے گئے۔ رات ہو چکی تھی دوسرے دن صبح کے وقت مدینہ کو روانگی ہوئی اس جنگ میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے اور ستر ہی زخمی ہوئے اور کفار صرف تیس قتل ہوئے جن میں بارہ کافر علی علیہ السلام نے قتل کئے تھے۔ اس جنگ میں بھی علمبرداری کا عہدہ شیر خدا حضرت علی علیہ السلام کے ہی سپرد تھا۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علی علیہ السلام محو جنگ رہے آپ کے جسم پر سولہ ضربیں لگیں اور آپ کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ آپ بہت زخمی ہونے کے باوجود تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو الٹتے جا رہے تھے۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۷۷) اسی دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "علی تم کیوں نہیں بھاگ جاتے" عرض کی مولا "کیا ایمان کے بعد کفر اختیار کر لوں" (مدارج النبوت)۔ مجھے تو آپؐ پر قربان ہونا ہے اسی موقعہ پر حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹی تھی۔ اور ذوالفقار دستیاب ہوئی تھی۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۴۰۶ و تاریخ کامل ج ۲ ص ۵۸) "ناد علیؑ" کا نزول بھی ایک روایت کی بناء پر اسی جنگ میں ہوا تھا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زخمی ہوتے ہی کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس خبر سے آپؐ کے فدائی مقام احد پر آپہنچے جن میں آپؐ کی لخت جگر حضرت فاطمہ علیہا السلام بھی تھیں۔

کثیر تواریخ میں ہے کہ دشمنان اسلام کی عورتوں نے مسلم اموات کے ساتھ بہت برا سلوک کیا امیر معاویہ کی ماں نے مسلمان لاشوں کے ناک کان کاٹ لئے اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا اور امیر حمزہ علیہ السلام کا جگر نکال کر چبایا۔ اسی لئے مادر معاویہ "ہند" کو جگر خوارہ کہتے ہیں۔

مدینہ ماتم کدہ بن گیا

علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہ علیہ السلام کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا "**اما حمزہ فلا بواکی لہ**" افسوس حمزہؓ کو رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہ علیہ السلام کا ماتم کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان کی بھیڑ تھی اور حمزہ علیہ السلام کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا کہ میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۸۳)

یہ جنگ یوم سہ شنبہ ۱۵ شوال ۳ ہجری میں واقع ہوئی ہے حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور رسول خداؐ کا نکاح حفصہ بنت عمر کے ساتھ ہوا اور غزوۂ حمرالاسد کے لئے آپ بر آمد ہوئے حضرت علی علمبردار تھے۔

۴ ہجری کے اہم واقعات

محرم ۴ ہجری میں بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا۔ جسے روکنے کے لئے آپؐ نے ابو سلمہؓ کو بھیجا انہوں نے دشمنوں کو مار بھگایا۔ پھر سفیان بن خالد نے حملہ کا ارادہ کیا جس کے مقابلہ کے لئے عبداللہ ابن انیسؓ بھیجے گئے۔

واقعہ بیر معونہ

صفر ۴ ہجری میں ابو براء عامر بن مالک کلابی کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار کو تبلیغ کے لئے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ مقام بیر معونہ پر ٹھہرے جو مدینہ سے ۴ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے اور ایک شخص عامر بن طفیل کے پاس بھیجا اس نے قاصد کو قتل کر دیا۔ پھر ایک بڑا لشکر بھیج کر تمام صحابہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

غزوہ بنی نضیر

لا انتم اشد رھبتہ فی صدورھم من اللہ ذالک بانھم قوم لا یفقھون ○ لایقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنتہ او من وراء جدر باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی ذلک بانھم قوم لا یعقلون (سورۃ الحشر آیت ۱۴ - ۱۳)

ترجمہ : البتہ ان کے سینوں میں تمہارا ڈر اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ہے یہ اس لئے ہے کہ یقیناً وہ لوگ ایسے ہیں جو نہیں سمجھتے وہ سب اکٹھے ہو کر تم سے جنگ نہیں کریں گے مگر قلعہ والی بستیوں میں یا دیوار کے پیچھے سے ان کی آپس میں لڑائی بڑی سخت ہوا کرتی ہے تو انہیں اکٹھا سمجھتا ہے اور ان کے دل پراگندہ ہیں یہ

اس لئے بھی کہ یقیناً وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

عمر بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خون بہا اب تک باقی تھا۔ بروایت طبری آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے مطالبہ کے لئے چند اصحاب کے ہمراہ بنی نضیر کے پاس گئے۔ انہوں نے مطالبہ تو قبول کر لیا لیکن آپؐ کو قتل کر دینے کا یہ خفیہ پروگرام بنایا کہ ایک شخص کوٹھے پر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے چنانچہ عمر بن حجاش یہودی بالاخانے پر گیا حضرت کو اس کی اطلاع مل گئی اور آپ وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔

بنی نضیر ایک قلعہ میں رہتے تھے جس کا نام زہرہ تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ حضرتؐ نے اس کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے جلا وطنی کا حکم دے دیا۔ آپؐ نے کہلا بھیجا کہ دس یوم کے اندر یہ مقام خالی کر دو انہوں نے عبداللہ بن ابی خزرجی منافق کے ورغلانے سے سرتابی کی۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا بالآخر وہ لوگ کچھ یوم میں مفرور ہو گئے۔

غزوہ بنی قریظہ

یا یھا الذین امنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا امنتکم وانتم تعلمون ○ (سورۃ انفال آیت ۲۷)

ترجمہ : اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہو تم اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں کی خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

مذکورہ آیت بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعقوبی نے نقل کیا ہے کہ قریظ اس قبیلہ کے جد کا نام تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر دی کہ بنی قریظہ کی طرف جلدی پیش قدمی

کرو تاکہ تازہ اسلام قبول کرنے والوں کو قرار و سکون ملے۔ حضرت علی علیہ السلام کی عظیم قیادت میں لشکر اسلام روانہ ہوا۔ پچیس روز تک قلعہ کا محاصرہ مسلمانوں نے کیے رکھا پچیس روز بعد ان کا سردار حی بن اخطب باہر آیا کچھ افراد کو گرفتار کر لیا گیا کچھ نے اسلام قبول کر لیا ان کا مال تقسیم کر دیا گیا اس طرح بنی قریظہ کا فتنہ بھی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں انجام کو پہنچا اور مدینہ کے مسلمان یہودیوں کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

غزوہ ذات الرقاع

اسی ۴ ہجری ماہ جمادی الاول میں قبیلہ انمارو شعلبتہ اور غطفان نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اصحاب کو لے کر ان کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن وہ سامنے نہ آئے اور بھاگ نکلے۔ اسی موقع پر ایک شخص نے با ارادہ قتل آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلمؐ سے تلوار مانگی تھی۔ اور آپ نے دے دی تھی مگر وہ قتل کی جرات نہ کر سکا (ابو الفداء ج ۲ ص ۸۸) اسی ۴ ہجری میں غزوہ بدر ثانی بھی پیش آیا۔ لیکن جنگ نہیں ہوئی اس غزوہ میں بھی حضرت علی علیہ السلام علمبردار تھے۔ اسی سال ماہ شعبان میں حضرت امام حسین علیہ السلام متولد ہوئے اور ام سلمہ کا رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے ساتھ عقد ہوا اور فاطمہ بنت اسد علیہا السلام نے وفات پائی۔

غزوہ بنی مصطلق

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی مصطلق مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپؐ اسے روکنے کے لئے ۲ شعبان ۵ ہجری کو ان کی طرف بڑھے۔ حضرت علی علیہ السلام علمبردار لشکر تھے گھمسان کی جنگ ہوئی مسلمان

کامیاب ہوئے۔

غزوہ دومتہ الجندل

دومتہ مدینہ سے کوفہ دمشق کی طرف دس منزل کے فاصلے پر حجاز و شام کے درمیان واقع ہے۔ دومہ کا حاکم کید بن عبدالملک نصرانی تھا۔ قیصر کی زیر نگرانی اس کی حکومت چل رہی تھی۔ کید بن عبدالمالک نے ایک لشکر جمع کیا تاکہ مدینہ پر حملہ آور ہو سکے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ کی طرف چلا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے دومتہ الجندل تشریف لائے دشمن لشکر اسلام کی اس شان و شوکت کو دیکھ کر فرار ہو گئے۔ لشکر اسلام نے تین روز تک یہاں قیام کیا اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے یہ غزوہ بھی ماہ شعبان ۵ ہجری میں ہوا۔

جنگ خندق

ولما را المئومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ و صدق اللہ ورسولہ وما زاد ھم الا ایمانا و تسلیما ○ من المئومنین رجال صد قوا ما عاھد وا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا ○ لیجزی اللہ الصدقین بصد قھم ویعذب المنفقین ان شاء اویتوب علیھم ان اللہ کان غفورا رحیما○ (سورۂ احزاب ۲۲ - ۲۴)

ترجمہ : اور جب مومنین نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا (تو) کہنے لگے یہ ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے کیا اور سچ کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے اور اس نے ان کے ایمان اور تسلیم کو اور بڑھا دیا۔ مونوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے وہ عہد سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا پس ان میں سے کچھ کچھ

وہ ہیں جنھوں نے نذر پوری کر دی اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور انھوں نے (اپنے عہد کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو عذاب دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے بہت رحم کرنے والا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنته ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البلساء والضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب ○ (سورۃ البقرہ۔ ۲۱۴)

ترجمہ : کیا تم نے یہ گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم کو ان لوگوں جیسی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے گذر گئے ان پر سختیاں اور تکلیفیں آپڑیں اور وہ ہلا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ (اس زمانے کے) رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی خبردار رہو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

اس جنگ کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ جنگ ذیقعد ۵ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل کے متعلق ارباب تواریخ لکھتے ہیں کہ مدینہ سے نکالے ہوئے بنی نضیر کے یہودی جو خیبر میں سکونت پذیر تھے وہ شب و روز اور صبح و شام مسلمانوں سے بدلا لینے کے لئے اسکیمیں بنایا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے جس سے مسلمانوں کا تخم تک نہ رہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ مکہ چلے گئے اور ابو سفیان کو ملا کر بنی غطفان اور قیس سے رشتہ اخوت قائم کر لیا اور ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلے کے سورما اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ کریں تاکہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا قلع قمع ہو جائے۔ اسکیم مکمل ہونے کے بعد اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ابو سفیان چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا اور یہود کے دیگر قبائل نے چھ ہزار کے لشکر سے پیش قدمی کی۔ غرضیکہ دس ہزار کی جمعیت مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ اسی لئے آپؐ نے مدینہ سے نکل کر کوہ سلع کو پشت پر لے لیا اور جناب سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھدوائی اور خندق کھودنے میں خود بھی کمال جانفشانی کے ساتھ لگے رہے۔ اس جنگ میں اندرونی خلفشار اور منافقوں کی ریشادوانیاں بھی جاری رہیں۔ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ اندرونی حالات کے تحفظ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب ابو بکر پھر حضرت عمرا ــ کو بھیجنا چاہا۔ لیکن ان حضرات کے انکار کر دینے کی وجہ سے حضرت نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (درمنثور ج ۵ ص ۱۸۵)

خندق کی کھدائی کا کام چھ روز تک جاری رہا خندق تیار ہوئی ہی تھی کہ کفار کا لشکر عظیم آپہنچا لشکر کی کثرت دیکھ کر مسلمانوں کے اوسان خطا ہونے لگے۔ کفار یہ ہمت تو نہ کر سکے کہ دفعتاً" حملہ کر کے مسلمانوں کو تباہ کر دیتے لیکن اکا دکا خندق پار کر کر کے حملہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور یہ سلسلہ بیس روز تک جاری رہا ایک دن عمرو بن عبدود جو لوی بن غالب کی نسل سے تھا اور عرب میں ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ خندق پھاند کر لشکر اسلام تک آپہنچا اور "ھل من مبارز" کی صدا دی۔ عمرو بن عبدود کی آواز سنتے ہی عمر بن خطاب نے کہا یہ تو ایک ہزار قزاق کا اکیلا مقابلہ کرتا ہے یعنی بہت ہی بڑا بہادر ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی صدائے مبارزت پر لشکر اسلام کو مخاطب کر کے مقابلے کی ہمت دلائی۔ لیکن ایک نوجوان بہادر کے علاوہ کوئی نہ سن سکا۔ تاریخ خمیس، روضتہ الاحباب اور روضہ الصفاء میں ہے کہ تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مقابلہ کے لئے نکلنے کی دعوت دی۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی نہ بولا تیسری مرتبہ آپ نے علی علیہ السلام سے کہا کہ عمرو بن عبدود ہے آپ نے

عرض کی میں بھی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو میدان میں نکلنے کے لئے تیار کیا۔ اپنی زرہ پہنائی اپنی تلوار کمر میں حمائل کی اپنا امامہ اپنے ہاتھوں سے علی علیہ السلام کے سر پر باندھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر عرض کی خدایا جنگ بدر میں عبیدہؓ کو جنگ احد میں حمزہؓ کو دے چکا ہوں پالنے والے اب میرے پاس علی علیہ السلام رہ گئے ہیں مالک ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔ دعا کے بعد علی علیہ السلام کو پیادہ روانہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا "**برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ**" آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے (حیواۃ الحیوان ج۱ ص۲۳۸ و سیرۃ محمدیہ ج۲ ص۱۰۲)

الغرض آپ روانہ ہو کر عمرو کے مقابلہ میں پہنچے۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے عمرو سے پوچھا کیا واقعا" تیرا یہ قول ہے کہ میدان جنگ میں اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک ضرور قبول کرتا ہے۔ اس نے کہا "ہاں" آپ نے فرمایا کہ اچھا اسلام قبول کر اس نے کہا "ناممکن ہے" پھر فرمایا "اچھا جنگ گاہ سے واپس جا" کہا "یہ بھی نہیں ہو سکتا" پھر فرمایا "اچھا اتر آ اور مجھ سے نبرد آزما ہو" وہ اتر پڑا لیکن کہنے لگا مجھے امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے کوئی شخص بھی مجھ سے یہ کہہ سکتا ہے جو تم کہہ رہے ہو مگر دیکھو میں تمہاری جان لینا نہیں چاہتا غرض جنگ شروع ہو گئی اور ستر واروں کی نوبت آئی۔ بالآخر اس کی تلوار علی علیہ السلام کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی علی علیہ السلام نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو بن عبدود زمین پر لوٹنے لگا۔ مسلمانوں کو اس دست بدست لڑائی کی بڑی فکر تھی۔ ہر ایک دعائیں مانگ رہا تھا جب عمرو سے حضرت علی علیہ السلام لڑ رہے تھے تو خاک اس قدر اڑ رہی تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ گرد و غبار میں ہاتھوں کی صفائی تو نظر نہ آئی ہاں تکبیر کی آواز سن کر مسلمان سمجھے کہ علی علیہ السلام

نے فتح پائی۔

عمرو ابن عبدود مارا گیا اور اس کے ساتھی خندق کود کر بھاگ نکلے۔ خبرِ فتح جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ خوشی سے باغ باغ ہو گئے اسلام کے تحفظ اور علی علیہ السلام کی سلامتی میں آپؐ نے فرمایا "**ضربت علی فی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین**" آج کی ایک ضرب علیؑ میری ساری امت وہ چاہے زمین میں بستی ہو یا آسمان میں رہتی ہو کی تمام عبادتوں سے بہتر ہے۔

بعض کتابوں میں ہے کہ عمرو بن عبدود کے سینے پر حضرت علی علیہ السلام سوار ہو کر سر کاٹنا ہی چاہتے تھے کہ اس نے چہرہ اقدس پر لعاب دہن سے بے ادبی کی حضرت کو غصہ آگیا آپ یہ سوچ کر فوراً سینے سے اتر آئے کہ کار خدا میں جذبہ نفس شامل ہو رہا تھا جب غصہ فرو ہوا تب سر کاٹا اور زرہ اتارے بغیر خدمت رسالتمابؐ میں جا پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو سینے سے لگا لیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بروایت سلیمان قندوزی آسمان سے انار لا کر تحفتہ عنایت کیا جس میں سبز رنگ کا رومال تھا اور اس پر "**علی ولی اللہ**" لکھا ہوا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام میدان جنگ سے کامیاب و کامران واپس ہوئے۔ اور عمرو بن عبدود کی بہن، بھائی کی لاش پر پہنچی اور خود اور زرہ بدستور اس کے جسم پر دیکھ کر کہا "**ماقتلہ الا کفو کریم**" اسے کسی بہت ہی معزز بہادر نے قتل کیا ہے۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے عمرو ! اگر تجھے اس قاتل کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا تو میں ساری عمر تجھ پر گریہ کرتی۔ معارج النبوۃ اور روضتہ الصفاء میں ہے کہ فتح کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام واپس ہوئے تو حضرت ابو بکر، حضرت عمر نے اٹھ کر آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

۶ ہجری کے اہم واقعات

صلح حدیبیہ

ذیقعد ۶ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حج کے ارادے سے مکہ کی طرف چلے۔ قریش کو خبر ہوئی تو جانے سے روکا۔ حضرت ایک کنوئیں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے اور صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ اسی کو بیعت الرضوان کہتے ہیں اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب سمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قریش کے ایلچی "عروہ" نے کہا کہ اس سال حج سے باز آئیں اور یہ بھی کہا کہ آپ کے ہمراہ ایسے لوگ دیکھ رہا ہوں جو اوباش ہیں اور جنگ سے نکل بھاگیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے بظر الات چوسنے کی گالی دی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بروایت ابن اثیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس اس لئے بھیجنا چاہا کہ وہ انہیں سمجھا بجھا کر صلح کرنے پر راضی کرلیں۔ لیکن وہ نہ گئے اور حضرت عثمان کو بھیجنے کی رائے دی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو ابوسفیان کے بھتیجے تھے ان کے پاس گئے، ان کی اچھی طرح آؤ بھگت ہوئی لیکن اخیر میں گرفتار ہو گئے اور جلد ہی چھوٹ کر چلے آئے۔ آخر عمرو قریش کی طرف سے پیغام صلح لایا اور حضرت نے صلح کرلی۔ صلح نامہ حضرت علی علیہ السلام نے لکھا۔ طرفین سے شہادتیں لے لی گئیں۔ اس صلح کے بعد قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے اور مکہ میں بلا مزاحمت قرآن پڑھا جانے لگا کیونکہ امن قائم ہو گیا اور رسولؐ کا نام لینا جرم نہ رہا۔ ایک دوسرے سے ملنے لگے اور اسلام کا نیا دور شروع ہو گیا۔

تاریخ اسلام احسان اللہ عباسی میں ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے

راہ میں سورۂ انا فتحنا لک فتحنا مبینا نازل ہوئی۔ اسی سال غزوہ ذی قرد، سریہ دومتہ الجندل سریہ فدک، سریہ وادی القریٰ، سریہ عرنیہ بھی واقع ہوئے ہیں۔

اسی ۶ ہجری میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ کی زیر سرکردگی چالیس آدمیوں کی ایک جماعت حموم کی طرف روانہ کی جس نے قبیلہ مزینہ کی ایک عورت حلیمہ اور اس کے شوہر کو گرفتار کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپؐ نے میاں بیوی دونوں کو آزاد کر دیا۔ تاریخ کامل بن اثیر ج ۲ ص ۷۸ والرق فی السلام مصنفہ عتیق الرحمٰن عثمانی ج ا ص ۷ ۱۰

۷ ہجری کے اہم واقعات

جنگ خیبر

خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً پچاسی میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی بستی تھی اس کے باشندے یونہی اسلام کے عروج و اقبال سے جل بھن رہے تھے کہ مدینہ میں جلا وطن یہودیوں نے ان سے مل کر ان کے حوصلے بلند کر دیئے۔ انہوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کے بھروسہ پر مدینہ کو تباہ و برباد کر ڈالنے کا منصوبہ باندھا اور اس کے لئے مکمل فوجی تیاریاں کر لیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے عزم و ارادے کی خبر ہوئی تو آپ ۱۴ صفر ۷ ہجری کو چودہ سو پیدل اور اور دو سو سوار لے کر فتنہ کو فرو کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے اور خیبر میں پہنچ کر قلعہ بندی کر لی اور مسلمان انہیں محاصرہ میں لے کر ان سے مسلسل لڑتے رہے لیکن قلعہ قموص فتح نہ ہو سکا۔

تاریخ طبری و خمیس اور شواہد النبوۃ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے فتح قلعہ کے لئے حضرت عمرؓ کو بھیجا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کو روانہ کیا۔ اس کے بعد پھر حضرت عمرؓ کو حکم جہاد دیا۔ لیکن یہ حضرات ناکام واپس آئے۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۳ میں ہے کہ تیسری مرتبہ جب علم اسلامی پوری حفاظت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ رہا تھا۔ راستہ میں بھاگتے ہوئے لشکر والوں نے سپہ سالار کی بزدلی پر اجماع کر لیا اور سالار لشکر ان لشکریوں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کل میں علم اسلام ایسے بہادر کو دوں گا جو مرد ہو گا اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہو گا اور کسی حال میں بھی میدان جنگ سے نہ بھاگے گا وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہو گا اور خدا و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ اس وقت تک میدان سے نہ پلٹے گا۔ جب تک خداوند عالم اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دے دے گا۔

پیغمبر اسلامؐ کے اس فرمانے سے اہل اسلام میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی اور ہر ایک کے دل میں یہ امنگ آموجود ہوئی کہ کل علم انسلام کسی صورت سے مجھ ہی کو ملنا چاہئے طبری ج ۳ کے ص ۹۳ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے سرداری کا حوصلہ آج کے روز سے زیادہ کبھی نہ ہوا تھا۔ مورخ کا بیان ہے کہ تمام اصحاب نے انتہائی بے چینی میں رات گذاری اور علی الصباح اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ اصحاب کو اگرچہ توقع نہ تھی۔ لیکن بتائے ہوئے صفات کا تقاضا تھا کہ علی علیہ السلام کو آواز دی جائے کہ ناگاہ زبان رسالتؐ سے **"این علی ابن ابی طالب"** کی آواز بلند ہوئی لوگوں نے کہا حضور وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں آ نہیں سکتے۔ حکم ہوا کہ جا کر کہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں۔ پیغامبر نے آواز رسالت گوش امیر

المومنین علیہ السلام میں پہنچائی اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اصحاب کے کندھوں کا سہارا لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے علی علیہ السلام کا سر اپنے زانوں پر رکھا اور بخار اتر گیا لعاب دہن لگایا ' آشوب چشم جاتا رہا حکم ہوا ' علیؑ میدان جنگ میں جاؤ اور قلعہ قموص کو فتح کرو۔ علی علیہ السلام نے روانہ ہوتے ہی پوچھا حضورؐ کب تک لڑوں اور کب واپس آؤں فرمایا جب تک فتح نہ ہو۔

حکم رسولؐ پا کر علی علیہ السلام میدان میں پہنچے پتھر پر علم نصب کیا۔ ایک یہودی نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے ؟ فرمایا "علی ابن ابی طالب" اس نے اپنوں سے کہا کہ توریت کی قسم یہ شخص ضرور فتح کرلے گا۔ کیونکہ اس قلعہ کے فاتح کی جو صفات توریت میں بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل درست ہیں اس میں سب صفات پائے جاتے ہیں الغرض حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے لوگ نکلنے لگے ' اور فنا کے گھاٹ اترنے لگے سب سے پہلے حارث نے جنگ آزمائی کی اور ایک دو واروں کے ردو بدل میں ہی واصل جہنم ہو گیا۔ حارث چونکہ مرحب کا بھائی تھا اس لئے مرحب نے جوش میں آکر رجز کہتے ہوئے آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے اس کے تین بھالے والے نیزے کے وار کو رد کر کے ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ اس سے آہنی خود سر اور سینے تک دو ٹکڑے ہو گئے۔ مرحب کے مرنے سے اگرچہ ہمتیں ختم ہو گئی تھیں۔ لیکن جنگ جاری رہی اور عنتر ربیع یاسر جیسے پہلوان میدان میں آتے اور موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ آخر میں بھگدڑ مچ گئی مورخین کا بیان ہے کہ دوران جنگ میں ایک شخص نے آپ کے دست مبارک پر ایک ایسا حملہ کیا کہ سپر چھوٹ کر زمین پر گر گئی اور دوسرا یہودی اسے لے بھاگا حضرتؑ کو جلال آگیا آپؑ آگے بڑھے اور قلعہ خیبر کے آہنی در پر بایاں ہاتھ رکھ

کر زور سے دبایا۔ آپؑ کی انگلیاں اس کی چوکھٹ میں اس طرح در آئیں جیسے موم میں لوہا در آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے جھٹکا دیا اور خیبر کے قلعہ کا دروازہ جسے چالیس آدمی حرکت نہ دے سکتے تھے، جس کا وزن بروایت معارج النبوۃ آٹھ سو من اور بروایت روضتہ الصفاء تین ہزار من تھا اکھڑ کر آپ کے ہاتھ آگیا اور آپ کے اس جھٹکے سے قلعہ میں زلزلہ آگیا اور صفیہ بنت حئی ابن اخطب منہ کے بل زمین پر گر پڑی۔ چونکہ یہ عمل انسانی طاقت سے باہر تھا اس لئے آپؑ نے فرمایا "میں نے در قلعہ خیبر کو قوت ربانی سے اکھاڑا ہے اس کے بعد آپؑ نے اسے سپر بنا کر جنگ کی اور اس در کو پل بنا کر لشکر اسلام کو اس پار اتار لیا۔ مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۲ میں ہے کہ جب مکمل فتح کے بعد آپ واپس تشریف لے گے تو پیغمبر اسلام آپ کے استقبال کے لئے نکلے اور علی علیہ السلام کو سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے علیؑ خدا اور رسولؐ جبرائیل و میکائیل بلکہ تمام فرشتے تم سے راضی و خوش ہیں۔ علامہ شیخ قندوزی کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہیں خدا نے وہ فضیلت دی ہے کہ اگر میں اسے بیان کرتا تو لوگ تمہاری خاک قدم بطور تبرک اٹھا کر رکھتے۔ تاریخ میں ہے کہ فتح خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوہری خوشی ہوئی تھی ایک فتح خیبر کی اور دوسری حبش سے مراجعت جعفر طیار کی کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر ایک عورت زینب بنت حارث نامی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھنے ہوئے گوشت میں زہر دیا تھا اور اسی جنگ سے واپسی میں بمقام صہبار رجعت شمس ہوئی تھی۔ (شواہد النبوۃ ص ۸۶-۸۷)

حضرت علی علیہ السلام کے لئے رجعت شمس

مورخین کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر سمیت

خیبر سے واپسی میں مقام وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مقام صہبا میں پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے تو ایک دن آپؐ پر وحی کے نزول کا سلسلہ ایسے وقت میں شروع ہوا کہ غروب آفتاب سے قبل ختم نہ ہوا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کی آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے۔ جب سلسلہ وحی منقطع ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ اے علیؑ تم نے نماز عصر بھی پڑھی یا نہیں عرض کی، مولا نماز کیسے پڑھتا، آپؐ کا سر مبارک زانو پر تھا اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سن کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا بلند کیا اور کہا کہ "بار الٰہی علیؑ تیرے اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا" اس کے لئے سورج کو پلٹا دے تاکہ یہ نماز عصر ادا کرلیں۔ چنانچہ سورج پلٹ آیا اور علی علیہ السلام نے نماز عصر ادا کی۔ (حبیب اسیر، روضتہ الصفاء، روضتہ الاحباب) شرح شفا قاضی عیاض تاریخ خمیس بعض روایات میں ہے یہ ہے کہ رسول خدا نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ سورج کو حکم دو وہ پلٹے گا، چنانچہ علی علیہ السلام نے حکم دیا۔ اور سورج پلٹ آیا علامہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث رجعت شمس صحیح ہے۔ ثقہ راویوں سے مروی ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آن کہ در آفاق گردوں بوتراب
بازگرداند زمغرب آفتاب

تبلیغی خطوط

حضرتؐ کو ابھی صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے سکون نصیب ہوا ہی تھا کہ آپؐ نے ۷ ہجری میں ایک مہر بنوائی جس پر "محمد الرسول اللہ" کندہ کرایا۔ اس کے بعد

شاہان عالم کو خطوط لکھے۔ ان دنوں عرب کے ارد گرد چار بڑی سلطنتیں قائم تھیں۔ حکومت ایران جس کا اثر وسط ایشیا سے عراق تک پھیلا ہوا تھا۔ حکومت روم جس میں ایشیائے کوچک ، فلسطین شام اور یورپ کے بعض حصے شامل تھے۔ مصر. حکومت حبش جو مصری حکومت کے جنوب سے لے کر بحرۂ قلزم کے مغربی ساحل پر حجاز و یمن کے متوازی قائم تھی اور اس کا اثر صحرائے اعظم افریقہ کے تمام علاقوں پر تھا حضرتؐ نے بادشاہ حبش نجاشی شاہ ، روم قیصر ہرقل ، گورنر مرص بریں ابن مینا قبطی عرف مقوقش ، بادشاہ ایران خسرو پرویز اور گورنر یمن باذان والی دمشق حارث وغیرہ کے نام خطوط روانہ فرمائے۔

آپؐ کے خطوط کا مختلف بادشاہوں پر مختلف اثر ہوا۔ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا شاہ ایران نے آپ کا خط پڑھ کر غیظ و غضب کے تحت خط کے ٹکڑے کر دیئے قاصد کو نکال دیا اور گورنر یمن کو لکھا کہ مدینہ کے دیوانہ (آنحضرتؐ) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دو سپاہی مدینہ بھیجے تاکہ حضورؐ کو گرفتار کریں حضرتؐ نے فرمایا جاؤ تم کیا گرفتار کرو گے تمہیں خبر بھی ہے تمہارا بادشاہ انتقال کر گیا ہے۔ سپاہی جو یمن پہنچے تو سنا کہ شاہ ایران داعی اجل کو لبیک کہہ چکا ہے۔ آپ کی اس خبر دہی سے بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ قیصر روم نے آپ کے خط کی تعظیم کی۔ گورنر مصر نے آپ کے قاصد کی بڑی مدارات کی اور بہت سے تحفوں سمیت اسے واپس کر دیا۔ ان تحفوں میں ماریہ قبطیہ زوجہ آنحضرتؐ اور ان کی ہمشیرہ (زوجہ حسان بن ثابتؓ) ایک دلدل نامی جانور برائے حضرت علی علیہ السلام ۔عفور نامی دراز گوش مابو نامی خواجہ سرا شامل تھے۔

حصول فدک

فدک نواح خیبر میں ایک قریہ ہے ، فتح خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو فدک والوں کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں دعوت اسلام دے کر مسلمان کریں' ان لوگوں نے اس بات پر صلح کرنی چاہی کہ نصف زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیں اور نصف پر خود قابض رہیں۔ حضرتؐ نے منظور فرما لیا' طبری جلد ۳ صفحہ ۹۵ میں ہے کہ چونکہ یہ فدک بلاجنگ و جدال ملا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ قرار پایا۔ درمنثور میں جلد ۷ صفحہ ۱۷۷ میں ہے کہ فدک کے قبضہ میں آتے ہی حکم خدا نازل ہوا "وات ذالقربی حقہ" اپنے قرابت دار کو حق دے دو۔ شرح مواقف کے صفحہ ۷۳۵ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اعطاھا فدک نحلتہ" فاطمہ زہراؑ کو بطور عطیہ فدک دے دیا۔ روضتہ الصفا جلد ۲ صفحہ ۳۷۷' معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریری تصدیق نامہ یعنی بذریعہ دستاویز جائداد فدک جناب سیدہؑ کے نام ہبہ کر دی یہی کچھ صواعق محرقہ صفحہ ۲۱ - ۲۲' وفاء الوفاء ج ۲ صفحہ ۶۲ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۴۳' روضتہ الصفا ج ۲ صفحہ ۱۳۵ ج ۱ صفحہ ۸۵ 'معارج النبوت معین کاشفی رکن ۴ صفحہ ۲۲۱ معجم البلدان میں اس زمین کو بہت زرخیز بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ زمین بہت سے چشموں سے سیراب ہوتی تھی۔ اس میں کافی نخلستان بھی تھے ابوداؤد کی کتاب خراج میں اس کی آمدنی چار ہزار دینار (اشرفی) سالانہ لکھی ہے۔

ایک واقعہ

اسی سال مقام صہبا سے واپسی میں غزوہ وادی القریٰ واقع ہوا۔ یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اسی سال مسلمانوں کے مشہور واضع حدیث حضرت ابوھریرہؓ مسلمان ہوئے' یہ اسلام کے قبل یہودی تھے۔ تین سال عہد

رسالتؐ میں زندگی بسر کی ' آپ نے ۵۳۰۴ احادیث نقل کی ہیں۔ شرح مسلم نودی صفحہ۳/۷۷ صحیح بخاری مسلم ج۲ صفحہ ۵۰۹ ' الفاروق جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ ' میزان الکبریٰ جلد اصفحہ ۷۱ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر ' حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؑ انہیں جھوٹا جانتے تھے۔

۸ ہجری کے اہم واقعات

جنگ موتہ

جنگ موتہ اس مشہور جنگ کو کہتے ہیں جس میں اسلام کے تین سپہ سالار پے درپے شہید ہوئے۔ جن میں نمایاں درجہ حضرت جعفر طیارؓ کو حاصل تھا موتہ شام کے علاقہ بلقاء کا ایک قریہ ہے اس جنگ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی دعوت نامہ دیگر سلاطین اور رؤسا کی طرح شام کے حاکم عیسائی شرجیل بن عمر غسانی کے پاس بھی بھیجا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد حارث ابن عمیرؓ کو بمقام موتہ قتل کر دیا۔ چونکہ اس نے اسلامی توہین کے ساتھ ساتھ دنیا کے بین الاقوامی قانون کے خلاف کیا تھا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار کی فوج دے کر اپنے غلام زیدؓ کو روانہ کیا اور یہ پروگرام بنا دیا کہ جب یہ شہید ہو جائے تو جعفر طیارؓ پھر ان کے بعد عبداللہ ابن رواحہؓ علمبرداری کریں۔ میدان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کا لشکر آیا ہے۔ حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا زیدؓ نے جنگ کی اور شہید ہو گئے' حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا اور انتہائی بہادری اور بے جگری کے ساتھ وہ لڑنے لگے فوج میں ہلچل ڈال دی۔ لیکن سینے پر نوے زخم کھا کر تاب نہ لا سکے اور زمین پر آگرے' عبداللہ ابن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور

مشغول نبرد آزمائی ہوئے۔ بالاخر انہوں نے بھی شہادت پائی۔ ایک اور بہادر نے علم سنبھالا کامیابی کے بعد مدینہ واپسی ہوئی مسلمانوں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس جنگ میں تین سپہ سالاروں کے قتل ہونے کا سخت ملال ہوا۔ جعفر طیارؓ کے لئے آپ نے فرمایا "خدا نے انہیں جنت میں پرواز کے لئے دو زمرد کے پر عطا کئے ہیں" مورخین کا کہنا ہے کہ اسی لئے آپ کو جعفر طیارؓ کہا جاتا ہے تاریخ کامل میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب جعفرؓ کے گھر گئے تو ان کی بیوی کو محو گریہ دیکھ کر اپنے گھر پہنچے تو فاطمہؑ کو سوتے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سب کو تسلی دی اور جعفر طیارؓ کے گھر کھانا پکوا کر بھیجا۔ یہ جنگ جمادی الاولی ۸ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔

ذات السلاسل

اسی جمادی الاول ۸ ہجری میں یہ سریہ ذات السلاسل بھی واقع ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین سو سپاہیوں کے ہمراہ عمرو عاص کو قبیلہ قضاء کی سرکوبی کے لئے بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے تو ابو عبیدہ بن جراح کو روانہ فرمایا انہوں نے کامیابی حاصل کی۔

منبر نبوی کی ابتداء

اب سے پہلے آحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے مسجد میں کوئی منبر نہ تھا آپ ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ کے لئے عائشہ انصاریہ نے تین درجے کا منبر اپنے رومی غلام "باقوم" نامی سے جو نجاری کا کام جانتا تھا۔ بنوا دیا۔

فتح مکہ

لقد صد ق اللہ وسولہ الرء یا بالحق لتد.خلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رء وسوکم و مقصرین لاتخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحا" قریبا" ○ (سورہٗ فتح ۔ ۲۷)

ترجمہ : یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ سچا کر دکھایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اپنے بال کترواتے ہوئے تم خوف نہ کرو گے پس اسی نے وہ چیز ظاہر کر دی جو تم نہیں جانتے تھے پھر اس نے اس کے علاوہ ایک قریبی فتح قرار دی۔

انا فتحنا لک فتحا" مبینا یقیناً فتح کی ہم نے تمہارے لئے ایک نمایاں فتح۔

صلح حدیبیہ کی رو سے دس سال تک باہمی جنگ و جدال ممنوع ہونے کے باوجود قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چڑھائی کر دی اور قریش کی مدد سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالاخر حالات سے مجبور ہو کر بنی خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس ہزار پر مشتمل لشکر تیار کر کے مکہ کا ارادہ کیا۔ ابو سفیان نے جب یہ تیاری دیکھی تو یہ درخواست پیش کرنے کے لئے صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کر دی جائے۔ مدینہ آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسولؐ کے گھر گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر اسے بستر رسول سے ہٹا دیا کہ تو کافر و مشرک ہے(ابو الفداء) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی پھر حضرت علی علیہ السلام سے ملا۔ انہوں نے بھی منہ نہ لگایا۔ پھر

حضرت فاطمہ علیہا السلام کے پاس پہنچا اور امام حسن علیہ السلام کے واسطہ سے امان مانگی، انہوں نے بھی کوئی سہارا نہ دیا اس کے بعد مسجد میں تجدید صلح کا اعلان کر کے واپس چلا گیا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوری توجہ کے ساتھ جنگ کی خفیہ تیاریاں کر لیں۔ مگر یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ کس طرف جانے کا ارادہ ہے اسی خفیہ تیاری کی اسکیم کے ماتحت آپ نے مکہ کی آمد و رفت مطلقاً بند کر دی تھی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ اگر مکہ والوں کو قبل از وقت اطلاع مل جائے گی تو کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ مگر ایک چغل خور صحابی حاطب ابن بلعہ نے جس کے بڑے مکہ میں تھے ایک عورت کے ذریعے سے حملہ کا مکمل حال لکھ بھیجا۔ وہ تو کہئے کہ حضرتؐ کو اطلاع مل گئی آپ نے علی علیہ السلام کو تعاقب میں بھیج کر خط واپس کرا لیا۔

الغرض ۱۰ رمضان ۸ ہجری کو آپ غیر معروف راستوں سے اچانک مکہ پہنچے اور مکہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر "سرالظہران" پر پڑاؤ ڈالا۔ لشکر کی کثرت کا چرچہ ہو گیا۔ ابو سفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے لئے یہ رعایت کر دی کہ جو اس کے گھر میں فتح مکہ کے موقع پر پناہ لے اسے چھوڑ دیا جائے۔ ابو سفیان مکہ واپس گئے اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے اعلان کر دیا کہ جو مکہ میں میرے مکان میں پناہ لے گا محفوظ رہے گا۔ جو ہتھیار لگائے بغیر سامنے آئے گا۔ اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے گا اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مکہ پر قبضہ ہو گیا۔ سپہ سالار لشکر حضرت علی علیہ السلام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ناقہ قصویٰ پر سوار مکہ میں داخل ہوئے۔ اور زبیر کے لگائے ہوئے اسلامی جھنڈے کے قریب جا کر اترے خیمے

نصب ہوئے آپ نے قریش سے فرمایا بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ سب نے متفق اللفظ کہا آپؐ کریم ابن کریم ہیں۔ ہمیں معاف فرمائیں آپ نے معافی دی۔ اور آپ سات مرتبہ طواف کے بعد داخل حرام کعبہ ہو گئے اور ان تمام بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا جو نیچے تھے اور اونچے بتوں کو توڑنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے کندھے پر چڑھایا ' علی علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ گویا پتھر کے خداؤں کو مٹی میں ملا دیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جس جگہ مہر نبوت تھی اور جہاں معراج کی شب کتف رسولؐ پر ہاتھ رکھا ہوا محسوس ہوا تھا اسی جگہ علی علیہ السلام نے پاؤں رکھ کر بت شکنی کی۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو رسولؐ نے اپنی پشت پر سوار کیا اور جبرائیلؑ نے بت شکنی کے بعد اپنے ہاتھوں سے اتارا۔ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۹۲) زندگانی محمد ص ۷۷ عجائب القصص ص ۲۷۸ میں ہے کہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔

دعوت بنی خزیمہ

مکہ مکرمہ فتح ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چند افراد کو تبلیغ اسلام کے لئے بعض اطراف میں بھیجا جن میں خالد بن ولید بھی تھے۔ یہ لوگ جب بنی خزیمہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا۔ لیکن ابن ولید نے کوئی پرواہ نہ کی اور ان پر غیر اخلاقی ظلم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب اس تعدی کی خبر سنی تو آپؐ نے اپنے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر ہر قسم کا تاوان ادا کیا۔ اور خون بہا دیا۔ (طبری ج ۳ ص ۱۲۴)

جنگ حنین

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسلہ و علی المومنین وانزل جنودا لم تروھا وعذب الذین کفروا و ذلک جزاء الکفرین ○

(سورۂ توبہ - ۲۵ - ۲۶)

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تمہاری نصرت کر چکا ہے اور حنین کے دن بھی جب کہ تمہیں تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈال دیا تھا پس تمہارے کام کچھ بھی نہ آیا اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر تسکین اتاری اور ایسا لشکر اتارا جسے تم نے (کبھی) نہ دیکھا تھا اور ان لوگوں کو عذاب دیا جو کافر ہوئے اور کافروں کی سزا یہی ہے۔

حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام ہے فتح مکہ کی خبر سے بنی ہوازن بنی ثقیف بنی جیشم اور بنی سعد نے باہمی اجماع میں فیصلہ کیا کہ سب مل کر مسلمانوں سے لڑیں انہوں نے اپنا سردار لشکر مالک ابن عوف نفری اور علمبردار "ابو جرول" کو قرار دیا اور وہ اپنے ہمراہ "درید ابن عمہ" نامی ۱۲۰ برس کا تجربہ کار سپاہی برائے مشورہ لے کر پانچ ہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر سمیت حنین اور طائف کے درمیان مقام "اوطاس" پر جمع ہو گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ ۱۲ یا ۱۶ ہزار کا لشکر لے کر جس میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ ۶ شوال ۸ ہجری کو دلدل پر

سوار مکہ سے نکل پڑے حضرت علی علیہ السلام حسب معمول علمبردار لشکر تھے۔ میدان میں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ہم اتنے کثیر ہیں کہ آج شکست نہیں کھا سکتے۔ میدان جنگ میں اس قسم کے منصوبے باندھے جا رہے تھے کہ وہ دشمن جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے نکل آئے اور تیروں اور نیزوں اور پتھروں سے ایسے حملے کئے کہ بزدلوں کو جان کے لالے پڑ گئے سب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے کسی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خبر نہ تھی۔ وہ پکار رہے تھے اے بیعت رضوان والو کہاں جا رہے ہو لیکن کوئی سنتا نہ تھا۔ غرضیکہ ایسی بھگدڑ مچی کہ اصولی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت علی علیہ السلام حضرت عباس ابن حارث اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے علاوہ سب بھاگ گئے (سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۹) اس موقع پر ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ ابھی کیا ہے مسلمان سمندر پار بھاگیں گے حبیب السیر اور روضتہ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد ابن ولید بھاگے ان کے پیچھے قریش کے نومسلم چلے پھر ایک ایک کر کے مہاجر و انصار نے راہ فرار اختیار کی۔ اسی دوران میں دشمنوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا جسے جان نثاروں نے رد کر دیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود لڑنے کے لئے آگے بڑھے مگر حضرت عباسؓ نے گھوڑے کی لگام تھام لی اور مسلمانوں کو پکارا آپؐ کی آواز پر سو مسلمان واپس آ گئے اور دشمن بھی سب کے سب مقابل ہو گئے گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ ابوجرول علمبردار لشکر نے مقابل طلب کیا حضرت علی علیہ السلام علمبردار لشکر اسلام مقابلہ میں تشریف لائے اور ایک ہی وار میں اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا مسلمانوں کے حوصلے بڑھے اور کامیاب ہو گئے۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۱ میں ہے کہ اس جنگ میں چار مسلمان اور ۷۰ کافر قتل ہوئے جن میں سے ۴۰ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارے گئے اس جنگ میں غیبی امداد ملی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

اس کے بعد مقام اوطاس میں جنگ ہوئی اور وہاں بھی مسلمان کامیاب ہوئے اور دونوں جنگوں میں کافی مال غنیمت ہاتھ آیا اور اوطاس میں اسماء بنت حلیمہ سعدیہ بھی ہاتھ آئیں۔

حلیمہ سعدیہؓ کی سفارش

جنگ حنین کی بچی ہوئی فوج طائف میں پناہ گزین ہو گئی آپ نے شوال ۸ ہجری میں اس کے محاصرہ کا حکم دیا اور ۲۰ یوم تک محاصرہ جاری رہا اس کے بعد آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور مقام جوانہ پر چلے گئے۔ وہاں ۵ ذیقعد کو بنی ہوازن کی طرف سے درخواست آئی کہ ہم آپؐ کی اطاعت قبول کرتے ہیں آپؐ ہماری عورتوں اور مال واپس کر دیجئے۔ بنی ہوازن کی سفارش میں جناب حلیمہ سعدیہ بھی آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی سفارش منظور فرمائی۔

غزوۂ طائف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم **اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس ید خلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا** (سورۂ نصر)

ترجمہ : پڑھ ساتھ مدد اللہ تعالیٰ کے جو نہایت مہربان (اور) نہایت رحم والا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج ہو کر داخل ہوتے ہیں پس تو حمد کے ساتھ اپنے پروردگار کی تسبیح کرتا رہ اور اس سے بخشش طلب کر یقیناً وہ بڑا رجوع قبول کرنے والا ہے۔

قبیلہ ہوازن اور ثقیف اپنی شکست کے بعد طائف چلے گئے تھے اور وہیں

آباد ہو گئے تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوسفیان بن حارث کو آخری شکست کے لئے طائف بھیجا مگر ابوسفیان کو شکست ہوئی اور وہ واپس آگئے۔ پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر طائف روانہ ہوئے جو کہ مکہ سے چودہ فرسخ پر واقع ہے۔ آپ نے طائف کو اپنے محاصرہ میں لے لیا جو کہ چوبیس روز تک جاری رہا۔

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو چند افراد کے ساتھ بھیجا تا کہ طائف کے بتوں کو توڑ دیں راستہ میں آپؑ کی خثعم قبیلہ سے گھمسان کی جنگ ہوئی اس معرکہ کو سر کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ان کے بت خانہ تک پہنچ گئے اور بتوں کو توڑ دیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو کامیاب و کامران واپس آتے دیکھا تو نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا دست مبارک پکڑ کر انہیں خلوت میں لے گئے اور وہاں پر بڑی دیر تک راز و نیاز ہوتے رہے۔

غزوۂ طائف میں بنی ثقیف کے بہت بڑے بہادر نافع بن غیلان بن معتب کو بھی حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا باقی زندہ بچنے والوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح بنی ہوازن اور بنی ثقیف کا یہ معرکہ بھی اختتام کو پہنچا یہ ۸ ہجری ذیقعد میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۹ ہجری کے اہم واقعات

فلس کی تباہی

قبیلہ بنی طے جس میں شہور سخی حاتم طائی پیدا ہوا تھا۔ "فلس" نامی بت کو

پوچھتا تھا فتح مکہ کے کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ڈیڑھ سو سواروں سمیت ربیع اولیٰ ۹ ہجری میں اس کی طرف حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا۔ عدی ابن حاتم جو سردار قبیلہ تھا مفرور ہو گیا۔ بہت سا مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انسان اور مال، لشکر میں تقسیم فرما دیا اور عدی کی بہن یعنی حاتم طائی کی بیٹی "سفانہ" کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا اس نے شرافت خاندان کا حوالہ دے کر رحم کی درخواست کی۔ آپؐ نے اسے آزاد کر دیا اور زاد سفر دے کر اس کو اس کے بھائی عدی کے پاس بھجوا دیا۔ آپؐ کے اس حسن اخلاق سے عدی بہت متاثر ہوا اور ۱۰ ہجری میں آکر مسلمان ہو گیا۔

غزوۂ تبوک

"غزوۂ" تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان ۱۲ یا ۱۴ منزل پر تھا۔ حضرتؐ کو اطلاع ملی کہ نصاریٰ شام نے ہرقل بادشاہ روم سے چالیس ہزار فوج منگوا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے حفظ ماتقدم کے پیش نظر پیش قدمی کی۔ مدینہ کا نظام حضرت علی علیہ السلام کے سپرد فرمایا اور تیس ہزار فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی مولا ! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اسی طرح اپنا جانشین بنا کر جاؤں جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون کو بنا کر جایا کرتے تھے (صحیح بخاری کتاب المغازی) اے علیؑ خدا کا حکم ہے کہ مدینہ میں، میں رہوں یا تم رہو (فتح الباری ج ۳ ص ۳۸۷)

غرضیکہ آپ روانہ ہو کر منزل تبوک تک پہنچے۔ آپ نے وہاں دشمنوں کا ۲۰ یوم انتظار کیا لیکن کوئی بھی مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ دوران قیام میں اطراف و جوانب میں دعوت اسلام کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر واپس تشریف لائے۔ یہ واقعہ رجب ۹ ہجری کا ہے۔

واقعہ عقبہ

تبوک سے واپسی میں ایک گھاٹی پڑتی تھی جس کا نام عقبہ ذ تلتق تھا۔ یہ گھاٹی سواری کے لئے انتہائی خطرناک تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ کہیں ناقہ کا پاؤں پھسل نہ جائے کہ حضرتؐ کو گزند پہنچے۔ اسی بناء پر منادی کرا دی گئی کہ جب تک حضرتؐ کا ناقہ گزر نہ جائے کوئی بھی گھاٹی کے قریب نہ آئے۔ غرضیکہ روانگی ہوئی حضرتؐ سوار ہوئے۔ حذیفہؓ نے مہار پکڑی عمارؓ ہنکاتے ہوئے روانہ ہوئے یہ حضرات سمجھ رہے تھے کہ نہایت پر امن جا رہے ہیں اچانک بجلی چمکی اور ان کی نظر چند ایسے سواروں پر پڑی جو چہروں کو کپڑے سے چھپائے ہوئے تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے حذیفہؓ تم نے پہچانا یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے۔ پھر آپؐ نے سب کے نام بتا دیئے اور کہا کسی سے کہنا نہیں ورنہ فساد ہو گا روضتہ الاحباب میں ہے کہ وہ اکابر صحابہ تھے۔

تبلیغ سورۂ برات

۹ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو آدمیوں کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ کو حج اور تبلیغ سورۂ برات کے لئے بھیجا ابھی آپ زیادہ دور نہ جانے پائے تھے کہ واپس بلا لئے گئے اور یہ سعادت حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کر دی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے خدا کا یہی حکم

ہے کہ میں جاؤں یا میری آل میں سے کوئی جائے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ دونوں کے دونوں مامور تھے۔ مگر معزول کیے گئے قرۃ العین ص ۲۳۴ صحیح بخاری پ ۲ ص ۲۳۰۸ کنزالعمال ج ا ص ۱۲۶ درمنثور ج ۳ ص ۳۱۰ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵۷ تا ۱۶۰ خصائص نسائی ص ۶۱ روض الانف ج ۲ ص ۳۲۸ طبری ج ۳ ص ۱۵۴ ریاض النضرہ ص ۱۷۴۔
شیخین

جنگ وادی الرمل

وادی الرمل مدینہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں عربوں کی ایک بڑی جمعیت نے مدینہ پر شب خون مارنے اور اچانک شہر پر قبضہ کر کے اسلامی قوت کو پاش پاش کر دینے کا منصوبہ تیار کیا۔ حضرتؐ کو جونہی اطلاع ملی آپؐ نے ان کی طرف ایک لشکر بھیج دیا اور علمبرداری حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کی۔ انہیں ہزیمت ہوئی پھر حضرت عمرؓ کو علمدار بنایا وہ بھی خیر سے گھر کو آگئے' پھر عمر بن عاصؓ کو روانہ کیا وہ بھی شکست کھا گئے جب کامیابی کسی طرح نہ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دے کر روانہ کیا خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شاندار کامیابی عطا کی۔ جب علی علیہ السلام واپس ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت علی علیہ السلام کا استقبال کیا (حبیب السیر معارج النبوت)

وفود

۹ ہجری میں وفود آنا شروع ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات سے پہلے تقریباً عرب کا بڑا حصہ مسلمان بن گیا۔ اسی سن میں حکم نجاست مشرکین بھی نازل ہوا۔

وصولی صدقات

اسی ۹ ہجری میں بنی طے سے عدی بن حاتم طائی بنی خنطلہ سے مالک ابن نویرہ بنی بخران سے حضرت علی علیہ السلام جزیہ و صدقات وصول کرنے گئے اور مال بھجوا دیا (ابن خلدون)

۱۰ ہجری کے اہم واقعات

یمن میں تبلیغی سرگرمیاں

۱۰ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو تبلیغ دین کے خیال سے یمن بھیجا یہ وہاں جا کر چھ ماہ تک ادھر ادھر پھرتے رہے اور کوئی کام نہ کر سکے۔ یعنی ان کی تبلیغ سے کوئی بھی مسلمان نہ ہو سکا۔ تو حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا گیا آپؑ نے زور علم اور تبلیغی سلیقہ کی وجہ سے سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان کر لیا اس کے بعد اہل یمن مسلسل داخل اسلام ہونے لگے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ شاندار کامیابی معلوم ہوئی تو آپؐ نے سجدہ شکر ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کے لئے دعا کی اور فرمایا خدا قبیلہ ہمدان پر سلامتی نازل کرے (تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۹)

یمن میں حضرت علی علیہ السلام کی شاندار کامیابی پر مخالفوں کی حاسدانہ روش

مورخین کا بیان ہے کہ یمن میں خالد بن ولید مطلقاً کامیاب نہیں ہوئے پھر جب حضرت علی علیہ السلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی تو بعض لوگوں نے

حضرت علی علیہ السلام پر مال غنیمت کے سلسلہ میں اعتراض کیا۔

کتاب خلافت و امامت ک ۷۹ مطبع لاہور میں ہے کہ "جب جناب امیرؑ تبلیغ اہل یمن کے لئے مامور کئے گئے تھے اور آپؑ کے خلاف چند لوگوں کی شکایت سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھ سے علیؑ کی برائی نہ کرو "**فانہ منی وانا منہ و ھو ولیکم بعدی**" علیؑ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ اور وہ میرے بعد تمہارا حاکم ہے بعض احادیث میں الفاظ "**وھو ولیکم بعدی**" کے نہیں پائے جاتے اور بعض میں **وھو مولی کل مومن ومومنۃ** پائے جاتے ہیں شکایت یہ ہے کہ جناب امیر نے خمس میں سے ایک لونڈی منتخب کر لی تھی۔ امام بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکایت سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا **فان لم فی الخمس اکثر من ذالک**" علی کا حصہ خمس میں اس سے بھی زیادہ ہے یہ حدیث بھی اہلسنّت کی تمام معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہے اور اس سے جو منزلت جناب امیر کی ظاہر ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں"

یمن کا نظام حکومت

اسی ۱۰ ہجری میں باذان حاکم یمن نے انتقال کیا۔ اس کی وفات کے بعد یمن کو مختلف حصوں میں مختلف حاکموں کے سپرد کر دیا گیا۔ صنعا کا گورنر باذان کے بیٹے کو، ہمدان کا عامل عامر ابن شہر ہمدانی کو، مارب کا حاکم ابو موسیٰ اشعری کو، جند کا افسر یعلی ابن امیہ کو، ملک و اشعر میں طاہر ابن ابی ہالہ کو، نجران میں عمر ابن خرم کو، بخران زمع زبید کے درمیان سعید ابن عاص و، سکاسک و سکون میں عکاشہ ابن ثور کو مقرر کر دیا گیا۔

واقعہ مباہلہ

نجران یمن میں ایک مقام ہے وہاں عیسائی رہتے تھے اور وہاں ایک بڑا کلیسا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی دعوت اسلام بھیجی انہوں نے تحقیق حالات کے لئے ایک وفد زیر قیادت عبدالمسیح عاقب مدینہ بھیجا وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں آکر ٹھہرا حضرت سے مباحثہ ہوا مگر وہ قائل نہ ہوئے حکم خدا نازل ہوا **فقل تعالوا ندع ابناء نا الخ** اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ دونوں اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو لاکر مباہلہ کریں چنانچہ فیصلہ ہو گیا اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو پنجتن پاک جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لئے نکلے نصاریٰ کے سردار نے جونہی ان کی شکلیں دیکھیں کانپنے لگا اور مباہلہ سے باز آیا خراج دینا منظور کیا جزیہ دے کر رعایا بننا قبول کیا۔ (معارج العرفان ص ۱۳۵ ' تفسیر بیضاوی ص ۷۴)

عدالت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں " قاضی کی زبان آگ کے دو شعلوں کے درمیان ہے حتیٰ کہ وہ فیصلہ کرے اور اس کی تقدیر معین ہو جائے اگر وہ عادلانہ فیصلہ دے تو بہشت کی جانب اور ناانصافی کرے تو دوزخ کی جانب بھاگتا ہے" (وسائل الشیعہ ج ۳ ۳۹۶)

نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم دیتے ہیں "جو شخص لوگوں کے مابین فیصلے کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ان کے درمیان ہر لحاظ سے عدالت کی رعایت کرے' یہاں تک کہ دیکھنے اشارہ کرنے اور جگہ کا تعین کرنے کے سلسلے میں بھی ان کے درمیان کوئی فرق نہ رکھے اور ایک کے لیے اپنی آواز بلند نہ

کرے بجز اس کے کہ دوسرے سے بھی اسی انداز سے گفتگو کرے" (جواہر کتاب القضاء)

نیز فرماتے ہیں "اس غرض سے کہ لوگوں کی قاضی تک ہروقت رسائی ہو سکے اسلام نے اسے اپنے لیے حاجب دربان تعینات کرنے سے منع فرمایا ہے"

نیز فرمایا " جو شخص کسی طرح بھی لوگوں پر ولایت رکھتا ہو اور اپنے لیے حاجب مقرر کرے قیامت کے دن خدا تعالیٰ بھی اس پر مہربانی کی نگاہ نہیں ڈالے گا' حالانکہ وہ اس دن محتاج اور ضرورت مند ہو گا" (جواہر کتاب القضاء)

فرمایا کہ "قاضی بھوک ' غصے ' نیند کی غنودگی میں فیصلہ مت کرے" (مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۱۹۵)

نیز حکام کو سبھی کے ساتھ مساوی سلوک روا رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور ایسے حضرات سے خرید فروخت سے منع فرمایا ہے کہ تجارت کرتے کرتے ان میں جان پہچان اس حد تک بڑھے کہ منصفانہ فیصلہ کرنے میں دشواری ہو۔

رشوت سے پرہیز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ! "خدا تعالیٰ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے اور ان کے درمیان جو دلال ہو ان سب پر لعنت کرے" (بحارالانوار ج ۲۴ ص ۹)

نیر فرمایا " رشوت لینے سے بچو کیونکہ یہ کام کفر ہے اور رشوت لینے والے شخص کے نتھنوں میں بہشت کو خوشبو نہیں پہنچتی" (ایضاً)

ہمدردی

حکام و سلاطین کو اپنی عوام سے اظہار ہمدردی کرنا ضروری ہے ورنہ اسلامی مملکت کے مسائل سخت پیچیدہ ہو جائیں گے اس کے لئے بطور نمونہ چند ایک واقعات اور احادیث پیش ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوش کلامی اور حسن خلق کی واضح مثالیں موجود ہیں۔

مولانا مہرالدین "ہمدردی سیرت رسولؐ کی روشنی میں" ایک مقالہ برائے سیرت نمبر محکمہ اوقاف) میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حاضر خدمت ہو کر یہ کہنے کی جسارت کر دی کہ یہود کی بعض باتیں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ ارشاد ہو تو ان کو نوٹ کر لیا کریں یہ سن کر آپؐ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا جس سے ناراضگی کے اثار ٹپک رہے تھے آپؐ نے ہمدردی سے فرمایا کہ تمہیں کیا کمی محسوس ہو رہی ہے ؟ کہ میں تو تمہارے لیے ایک صاف ستھری اور روشن ہدایت لے کر آیا ہوں، کیا تم حصول ہدایت میں اہل کتاب کی طرح حیران ہو؟ بخدا اگر تم میری لائی ہوئی ہدایت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ فرض کرو اگر آج حضرت موسیٰؑ موجود ہوتے تو نجات میں وہ بھی میری اتباع کو ضروری سمجھتے ۔ سبحان اللہ کیا مشفقانہ انداز تبلیغ ہے"

پھر کہتے ہیں ۔ مال غنیمت تقسیم ہو رہا ہے اچانک ایک ناعاقبت اندیش نے یہ کہہ دیا کہ آپ تقسیم میں انصاف کریں جس پر آپ نے پورے تحمل سے جواب دیا او بے سمجھ اگر میں نے انصاف نہ کیا تو پھر اور کون کرے گا' جس پر بعض صحابہ اس پر برافروختہ ہو گئے اور اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ مگر آپؐ نے نرمی کی اور اس کے قتل سے منع فرمایا"

منافقین : کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی ان سے رحمت بھرا سلوک روا رکھا اور ان کے برے اعمال پر کبھی سختی کرنے کا خیال نہیں فرمایا۔ صرف زبانی طور پر ان کو متاثر کرنے کا جہاد کرتے رہے اور دیکھئے منافقین نے مسجد ضرار بنائی جس کا مقصد صرف اسلام کی مخالفت تھی۔ تبوک سے واپسی پر انہوں نے مشہور کیا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمان مہاجرین اور ان کے معاونین کو ذلیل کہہ کر مدینہ سے نکال دو۔ انہوں نے اسلام کا ایک ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اور ہم سب کو تنگ اور بے چین کر رکھا ہے اور اپنی فوقیت کے لئے نئے نئے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ یہودیوں اور کفار مکہ وغیرہ نے مفسدوں سے مل کر کئی دفعہ اسلام کو مٹانے کی کوششیں کیں۔ کمزور اہل اسلام کو گمراہ کرنے کی انتہائی سرگرمیوں میں منہمک رہے۔ بارہا جہاد میں گئے، نہ یہ کہ سفر میں بزدلی کی باتیں کرتے رہے بلکہ عین محاذ پر غداری کر کے واپس آگئے۔ اور کبھی ناقابل اعتبار عذر کر کے گھر میں ہی بیٹھے رہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور متعدد واقعات دہرائے جا سکتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی ان کے ساتھ رابطہ محبت و شفقت نہیں توڑا اور ان کے کردار قبیح کو نظرانداز فرماتے رہے اور دوسروں کو بھی نرم برتاؤ پر آمادہ کرتے رہے۔ ان کے خلاف قتل کی کبھی کوشش نہیں کی، ہر ناقابل عفو معاملہ سے درگزر فرماتے رہے اہل اسلام کو ان کے میل ملاپ سے منع نہیں فرمایا حتیٰ کہ ان کی تجہیز و تکفین میں مصروف و شامل رہے جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کی خبث باطنی کی وجہ سے منع نہ کیا۔ دعا اور استغفار کرتے رہے، سبحان اللہ ظاہری و باطنی مخالفت پر کیا اخلاق کریمانہ انداز رفیقانہ کا اظہار ہے۔

حسن اخلاق

" اگر تم تند مزاج اور سخت ہوتے تو یہ تمام لوگ تمہارے ارد گرد سے پراگندہ ہو گئے ہوتے (آل عمران ۔ ۱۵۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص نیک اخلاق کا مالک ہو اس کا ثواب اس شخص کے مانند ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور عبادت کرتا ہے" (وسائل الشیعہ ۲۹ ص ۲۲۱)

نیز فرمایا " جو چیزیں ہماری بیشتر امت کو بہشت میں لے جائیں گی وہ خدا کا خوف اور نیک اخلاق ہیں" (ایضاً)

فرمایا " بد اخلاق شخص کبھی گناہ کے خوف سے توبہ نہیں کر سکتا کیونکہ جب کبھی وہ ایک گناہ ترک کرتا ہے اس سے زیادہ بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے" (وسائل الشیعہ ج ٦ ص ۴۸۵)

اپنے قرابت داروں کو فرمایا اے عبدالمطلبؑ کے فرزند ! تم روپے پیسے سے سب لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے لیکن ان کے سامنے خندہ پیشانی اور نیک اخلاق کے ساتھ آؤ تاکہ وہ تمہیں محبوب سمجھیں کیونکہ مال خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو محدود ہوتا ہے لیکن حسن خلق اور خوش روئی کا سرمایہ ختم ہونے والا نہیں" (وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۲۲۲)

اسلامی حکمرانوں کی فکری و عملی ترقی کے لئے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا نہج البلاغہ سے خطبہ جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر فرماتے ہوئے دیا "اسلام دین حکمت" سے ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

" خراج کے کام کی طرف توجہ دو۔ مقصد یہ ہے کہ خراج دہندگان کی حالت درست کی جائے کیونکہ دوسروں کی حالت کی درستی بھی خراج اور ان کی

وصولیابی پر موقوف ہے اس کے بغیر دوسروں کی حالت بھی درست نہیں ہو سکتی کیونکہ سب لوگ یا تو خراج دینے والے ہیں یا خراج کی رقم سے فائدہ اٹھانے والے۔ اس سلسلے میں زمین کی آبادکاری پر توجہ مرکوز رکھ تاکہ خراج کی وصولی زیادہ ہو کیونکہ خراج کی آمدنی میں اس وقت اضافہ ہو گا جب زمینیں آباد ہوں' جو شخص صرف خراج وصول کرنا چاہتا ہے اور زمین کی آبادکاری کے متلعق نہیں سوچتا وہ ملک کو ویران اور لوگوں کو تباہ کرنا چاہتا ہے ایسے شخص کی حکومت زیادہ دن نہیں چل سکتی"

صوبے کے صدر مقام اور دوسرے شہروں کے سوداگروں اور دست کاروں کا خیال رکھو لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ان میں بہت سے لالچی اور بخیل ہیں کئی سوداگر صرف نفع کمانے کی فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ عوام کو نقصان پہنچاتے ہیں اور حکام کی بدنامی کا باعث ہیں۔ اس لئے کسی کو ذخیرہ اندوزی نہ کرنے دو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے خرید و فروخت میں رواداری کی ضرورت ہے۔ ناپ تول بالکل درست ہونا چاہیے اور قیمتیں ایسی ہوں کہ نہ خریدار کو نقصان ہو نہ بیچنے والے کو خسارہ۔

معاشی مسائل میں اسلامی حکومت کے فرائض سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حکام کو ہمیشہ عوام کے مفاد کا خصوصاً غریبوں کے مفاد کا لحاظ رکھنا چاہیے اور امیروں کو ناجائز فائدہ نہیں اٹھانے دینا چاہئے۔ مثال کے طور پر ہم مالک اشتر ہی کے نام خط سے ایک اور حصہ نقل کرتے ہیں "ان کاموں میں زیادہ دل چسپی لو جو زیادہ صحیح اور زیادہ منصفانہ ہوں اور جن سے عوام خوش ہوں کیونکہ اگر عوام خوش ہے تو اونچے طبقے کی ناراضگی کو باآسانی نظرانداز کیا جا سکتا ہے"

ایک اچھے حکمران کا کام معاشرے کو اعتدال میں رکھنا ہے اگر معاشرہ اتار

چڑھاؤ کا شکار ہو گیا تو کوئی بھی اسے نہیں بچا سکے گا بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک برائی کو مٹانے کے لئے دوسری برائی کو جنم دیا جاتا ہے۔ جیسے ایک جھوٹ سو جھوٹوں کو جنم دیتا ہے۔ اگر حکمران عدالت سے کام لیں اور عدل وانصاف کو اپنا شعار بنا لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ معاشرہ اپنے مقام پر برقرار نہ رہے' خرابیاں تب ہی پیدا ہوتی ہیں جب کچھ لوگوں کو نوازہ جائے اور کچھ کو نظرانداز کیا جائے۔

معاشرے میں عدل وانصاف قائم کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے کیوں کہ معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہی بنیادی نقطہ ہے لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے "**لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتب والمیزان لقیوم النلس بالقسط**" (سورۂ حدید ۲۵) "ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح ہدایت دے کر بھیجا ان کے ساتھ کتاب اور حق و باطل کی پہچان کے لئے میزان بھیجی تاکہ لوگ عدالت قائم رکھیں"

انسانی مساوات

آج کل مساوات کے جو معنی لیے جا رہے ہیں اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے انسان معاشرے میں سب مساوی ہیں اور نسل' طبقے اور قوموں کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جا سکتا' اسلام اس کے قطعاً خلاف ہے' آج کل کی مساوات صرف معاشی طور پر دیکھی جا رہی ہے اور معاشی طور پر لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ بظاہر یہ ایک خوش کن امر ہے لیکن اسی نظام سے معاشرہ کا سارا نظام تلپٹ ہو جاتا ہے۔ احترام انسانیت ختم ہو جاتا ہے لوگوں میں جذبہ محبت ختم ہو کر تن آسانی اور سہل انگاری اور دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

انسانی مساوات اسلام کے نزدیک صرف اتنی ہے کہ سبھی انسان برابر ہیں اور کنگھی کے دانوں کی طرح ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واضح فرما دیا ہے کہ تمہارا باپ آدمؑ ہے اور آدمؑ مٹی سے بنے۔ اور قرآن بھی واضح فرما رہا ہے کہ " **ان هذہ امتکم امۃ واحدہ وانا ربکم فاعبدون** " (سورۂ انبیا ۔ ۹۲) "تحقیق تم ایک ہی امت ہو اور تمہارا پرودگار میں ہوں پس میری ہی عبادت کرو"

اسلام اگر انسانوں میں سے کسی کو اہمیت دیتا ہے تو وہ صرف متقی و پرہیزگار کو **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** " اگر کوئی صاحب وقار و صاحب عزت ہستی ہے تو وہ صرف متقی و پرہیزگار ہے باقی سب مساوی ہیں ان میں کچھ فرق نہیں۔

حقوق کے بارے میں مساوات

اسلام کسی خاص شخص یا گروہ کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ دوسروں پر حکومت کرے اور دوسرے محکوم ہی رہیں معاشرے میں سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک طبقہ تو تعلیم حاصل کرے اور دوسرے کو محروم کر دیا جائے۔ ایک طبقہ صنعت و حرفت کے لئے پیدا کیا گیا اور دوسرا مزدوری کرنے کے لئے۔ نہیں اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں اور معاشرے میں سبھی کو یکساں حقوق دیئے گئے ہیں یہاں بھی اگر کسی کو فوقیت و اہمیت ہے تو تقویٰ ہی معیار ہے۔ جتنا تقویٰ میں ترقی کرتا چلا جائے گا اسی قدر حقوق کی وصولی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا ورنہ حقوق سبھی کے برابر ہیں۔

اقتصادی مساوات

تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ انسان صرف اس سے فائدہ اٹھا سکتا

ہے اس فائدہ اٹھانے میں سبھی انسان یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں فرمایا صرف اتنا ہے کہ جتنا کوئی فائدہ اٹھاتا چلا جائے گا اتنے حصے کا وہ مالک بنتا چلا جائے گا اور اس قدر اس کا نصیبہ مقرر ہو گا۔

حصول تعلیم اور آزادی فکر میں مساوات

انسان کو اسلام میں جتنی آسانیاں ہیں وہ کوئی اور نظام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یکساں عقل و فہم عطا کی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ معاشرہ ان کی صلاحیتوں کو دبا دے اور جابر و ظالم حکمران کی بھینٹ چڑھ جائیں۔ اور کچھ لوگوں کو پہنچنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس طرح وہ معاشرے کے اہم فرد کہلانے کے حق دار بن جائیں۔ اسی طرح اگر دوسروں کو بھی علم کی روشنی سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا تو یقیناً وہ کبھی کمال تک پہنچتے۔ عادل حکمران وہی ہے جو سبھی کے لئے یکساں مواقع فراہم کرے تاکہ اسلامی معاشرہ ایک مثالی معاشرہ کی حیثیت سے ابھرے۔

کام کرنے میں مساوات

طبعی وسائل سے فائدہ اٹھانے کا حق سبھی کو ہے ' لیکن یہ حق تب میسر آئے گا جب کام کرنے کا شوق و جذبہ بھی ہو۔ لہٰذا عادل حکمران تمام انسانوں کو کام کرنے کے یکساں مواقع فراہم کرے گا اور اس معاملے میں لوگوں کی رہنمائی کرے گا تاکہ لوگوں کی فکری ' ذہنی اور تخلیقی قوت معاشرے کے لئے کار آمد ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔

اجتماعی عہدوں میں مساوات

اسلامی نظام میں سبھی انسانوں کو حکومت کے اجتماعی عہدوں پر فائز ہونے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ عہدے کے مطابق اس کی لیاقت و صلاحیت کو نہ دیکھا جائے' لہٰذا ایسے عادل حکمران کا ہونا ضروری ہے کہ وہ صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر عہدوں کی تقسیم کرے نہ کہ کنبہ پرورں اور رشوت و شفارش سے عہدوں کی خالی آسامیوں کو پر کر لیا جائے۔ اس سے جہاں نظام حکومت معطل ہو گا وہاں عوام بھی بدظن ہوں گے۔

انسانوں میں تمام جگہوں پر مساوات تب ہی قائم رہ سکتی ہے جب کہ ایک عادل حکمران موجود ہو۔ جو خود بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر کاربند ہو۔ پہلے وہ قانون جو معاشرے کے لئے بنائے' اپنے اوپر بھی لاگو کرے۔ جو قانون کی حکومت چلانا چاہتا ہو اس میں عوام کے ساتھ جواب دہی کا حوصلہ بھی ہو۔ جو خود کو عوام کے سامنے پیش کرنے کو تیار ہو گا۔ عوام بھی اپنا محاسبہ کرنے کی جرات کریں گے۔ اس طرح برائیاں تقریباً ختم ہوتی جائیں گی اور معاشرہ ترقی کرتا چلا جائے گا۔

حکمرانوں کو زیادہ توجہ خود سازی پر دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ جو قانون بناتے ہیں اس میں معاشرے کی فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھا جاتا ہے' لوگوں کو حقوق حاصل کرنے اور فرائض ادا کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے' اس طرح حکمرانوں پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اگر حکمران صرف حقوق حاصل کریں اور فرائض سے غافل ہو جائیں تو معاشرہ خود بخود ان کے اقتدار میں فرائض سے غافل ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اس کے علاوہ پاک باز لوگ اور متقی و پرہیزگار ہی اچھی طرح ماحول کو

سازگار بنا سکتے ہیں اور اس کی نگرانی کر سکتے ہیں جو کتاب و سنت سے صحیح طرح واقفیت رکھتے ہوں۔ اور اس سے معاشرے کے لوگوں کے لئے قانون بنا سکتے ہوں۔ قانون ہی ایک ایسی جان ہے جو حکومت کو زندہ رکھتی ہے اور فساد و فتنہ کو ختم کر سکتی ہے اور لوگوں میں زندگی کی رمق باقی رہتی ہے ورنہ مایوسی' (ظالموں سے چھٹکار مشکل ہے) کفر کی حد تک لے جائے گی۔

منصفانہ سماجی نظام کو وجود میں لانے اور اسے قائم رکھنے کے لئے ضروری عناصر

"اسلام دین حکمت" میں تحریر ہے اور منصفانہ سماجی نظام کے قیام اور بقا کے لئے مندرجہ ذیل عناصر کا وجود ضروری ہے۔

(۱) قانون

(۲) قانون کی بنیاد پر معاشرے کا نظم و نسق

(۳) لوگوں کی قانون سے واقفیت۔ اس پر اعتماد اور قانون نافذ کرنے والوں پر بھروسہ اور ان کا اعتبار

(۴) لوگوں میں قانون کا احترام اس کے نافذ کرنے والوں کے ساتھ وفاداری اور اس کے نتیجے میں نظم و ضبط کی پابندی

(۵) قانون نافذ کرنے والوں اور معاشرے کے رہنماؤں اور ذمے داروں کی مستقل نگرانی تاکہ اس میں لگاؤ پیدا نہ ہو اور وہ خود غرض اور خود سر نہ ہو جائیں

خلاصہ بحث

جیسا کہ ہم جان چکے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ

ہر انسان کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے

" لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات والا صفات ہر عیوب سے پاک ہے اور ہر طبقہ انسانی کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہے اگر کوئی بھی انسان کسی بھی حالت میں یہ چاہتا ہے کہ کامیاب زندگی گذارے تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی کو نمونہ عمل بنائے۔

پہلے ہم حکمرانوں کا تذکرہ کر آئے ہیں لیکن طوالت کے باعث وہیں روکنا پڑا چند ایک مثالیں کتاب "نبوت" سے درج کی جاتی ہیں۔

آپ پہلے لوگوں کا خیال رکھتے تھے پھر اپنا

آپ ہمیشہ ان قائدین اور راہنماؤں کے برعکس جو خطرے کے وقت اپنی جان کو بچانے کی فکر میں ہوتے ہیں یا فرار کر جاتے ہیں اور ہجرت کر جاتے ہیں اور اپنے پیروکاروں اور اردگرد کے لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں رہے اور اپنے پیروکاروں کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت بھی آپ نے پہلے مسلمانوں کو بھیجا اور پھر آپ نے ہجرت کی۔

پھر مزید ایک اہم نکتہ جو حکمرانوں کی رہنمائی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جن کاموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص حکم صادر نہ ہوا ہو اور خود امت اور امت کے مشورے پر چھوڑ دیا گیا ہو کبھی کبھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دیا کرتے تھے مثلاً جنگ احد میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

مشاورتی کونسل بنائی تھی لیکن مسلمان جنگ کے لئے مدینہ سے باہر نکلیں یا خود مدینہ کے اندر رہ کر مورچوں میں جنگ کریں اس بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مشورہ لیا خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور بعض دوسرے اصحاب کی رائے یہ تھی کہ مورچوں کے اندر لڑیں لیکن اکثر جوان لوگ جو آپ کے اصحاب تھے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مائل تھے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہم آپ کے تابع ہیں لیکن چونکہ آپ نے ہم سے رائے مانگی ہے اس لئے ہم باہر نکل کر جنگ کرنے کا خیال رکھتے ہیں یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دوسروں کے نظریات پر ان کے مشورہ اور نوجوان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی اور فوراً اسلحہ لیکر باہر نکل پڑے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آیہ مبارکہ " **وشاورھم فی الامر** (سورۃ آل عمران ۔ ۱۵۹) جنگ احد کی شکست کے بعد نازل ہوئی اور اگرچہ جنگ احد میں اصحاب کے منصوبے کی وجہ سے وقتی شکست بھی ہوئی لیکن خدا تعالیٰ یہ فرمان دیتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا اعتماد کم ہو جائے اور **شاورھم فی الامر** " (پھر بھی ان سے مشورہ کیا کریں) لیکن آخری فیصلہ خود رہبر کو کرنا ہے کیونکہ قرآن مجید اس آیت کے آخر میں فرماتا ہے " **فاذا عزمت** " جس وقت تو فیصلہ کرے اس وقت خدا پر توکل رکھ اور اپنا کام شروع کر دے۔ مزید سمجھنے کے لئے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۹ کی تفسیر کا مطالعہ ضروری ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر کچھ بھی لکھ سکوں یقیناً یہ مجھ جیسے گناہگار انسان سے ممکن نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت لکھیں تو بارہ آئمہ جیسی ہستیاں لکھیں۔ عام انسان کے بس کا روگ نہیں۔ انسانی تاریخ میں کتنی ہی تعداد میں اس موضوع پر کتابیں لکھی گئی مگر ابھی تک

تشنگی باقی ہے بھلا میں کیسے اس سیرت پاک کو مکمل سمجھ لوں یہ کتابچہ تو صرف ایک نذرانہ عقیدت کے طور پر متصور ہو گا۔

وہ ایسی ذات کہ جن کے قدم مبارک کی جگہ کو ملائکہ متبرک سمجھیں اور اللہ تعالیٰ نے جسے اپنا مہمان بنایا ہو' جو عالم غیب ہو' جن کے بارے میں جناب ڈاکٹر محسن قرائتی اپنی کتاب نبوت میں رقمطراز ہیں۔

"علم غیب" انبیاء کرام کا دوسرا امتیاز ان کی علم غیب کی صلاحیت ہے قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے " **عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احد الا من ارتضی من رسولہ** ......(سورۂ جن ۲۷ ـ ۲۶) خدا تعالیٰ غیب کا علم رکھتا ہے اور کسی دوسرے کو اس سے واقف نہیں کرتا لیکن صرف ان لوگوں کو اس علم سے آشنا کرتا ہے جو اس کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔

سوال : قرآن مجید کی بعض آیات میں ہم پڑھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا **وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو** (انعام ـ ۵۹) ان دلائل کے باوجود کہ علم غیب صرف خدا ہی جانتا ہے آپ کس طرح اس علم کو پیغمبروں کے لئے بھی ثابت کر سکتے ہیں ؟

جواب : علم غیب صرف خدا کے لئے ہی ہے اور اگر پیغمبر اس علم میں سے کچھ جانتے ہیں تو وہ بھی خدا ہی دیتا ہے' نہ یہ کہ خدا کی طرح پہلے سے اسے جانتے ہیں ایک راز دارانہ بات تھی کہ ایک دفعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ نے آپ سے سوال کیا کہ یہ بات آپ کو کچھ معلوم ہو گئی ؟ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا " **نبانی علیم الخبیر** " (تحریم آیہ ۳) اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے جو ہر چیز سے واقف ہے۔

دوسرا یہ کہ علم غیب دو قسم کا ہے ایک تو راز کے مطالب ہیں جو خدا سے ہی مخصوص ہیں اور خدا کے بغیر کوئی شخص اس کو نہیں جانتا جیسا کہ ہم دعائیں پڑھتے ہیں " **وبحق علمک الذی استاثرت بہ نفسک** " اے خدا تجھے اس علم کا واسطہ جو صرف تیرے لئے ہی ہے"

لیکن بعض اور مطالب بھی ہیں کہ اگرچہ وہ غیب سے تعلق رکھتے ہیں مگر خدا اپنے اولیاء کو دے دیتا ہے۔

یہ علم غیب ' خدا کی بندگی ' عصمت ' معجزہ ' لگن ' عشق اور دعائیں ہیں جن کی وجہ سے انبیاء کرام کا مقام دوسروں سے بلند ہو جاتا ہے۔ ہم نے کم و بیش خدا کے مصلح بندوں کو دیکھا ہے یا سنا ہے جن سب کا مقصد ایک ایسے معاشرے کو بنانا ہے جس کے افراد صالح نیک اور فرض شناس ہوں۔

اور دوسرے یہ صرف پیغمبر ہی ہوتے ہیں جو ایک طرف تو اعلیٰ صفات رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کو غیبی امداد بھی ملتی رہتی ہے جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

جب ہم نے مختصر طور پر انبیاء کی مجموعی صفات مثلاً علم غیب رکھنا' بلند درجوں کا مالک ہونا' عصمت' بندگی اور یقین رکھنا وغیرہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ تھوڑا سا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کے بارے میں بھی گفتگو کی جائے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی سے واقفیت آپ کی امت کے لئے ایک سبق ہو"

لہٰذا ایک ایسی عظیم ہستی کی سیرت طیبہ پر قلم اٹھاتے ہوئے ایک بے انداز علم کی ضرورت ہے بے انتہا طاقت کی ضرورت ہے وہ ہستی کہ جو انسانوں ہی

سے نہیں حیوانوں سے بھی پیار و شفقت سے پیش آتی ہو چنانچہ وہ عرب جو قتل و غارت گری میں ضرب المثل ہوں ان میں بیٹھ کر یہ حکم دینا کہ اگر کوئی شخص اپنے جانور کو مکہ کے سفر کے دوران تھکا دے تو اس شخص کی گوائی قابل قبول نہیں کیونکہ وہ شخص تنگ دل اور ظالم ہے اور ایسے انسان کی گواہی جائز نہیں ایسے محبت بھرے پیغام سے انسانوں میں زندگی عود کر آتی ہے مردوں میں جان پڑ جاتی ہے۔

ایسی عظیم ہستی کہ جو یا تو آسمانی سواری براق پر سوار ہو اور یا پھر بے پالان گدھے پر بھی سواری میں عیب نہ جانے۔ دنیا میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بڑھ کر اور کوئی نظر نہیں آتی۔ کہاں جبرئیلؑ حاضر ہو کر اذن حضور طلب کریں اور کہاں انسانیت کو درس دینے کے لئے بچوں کو بھی سلام کئے بغیر گزرنا ناجائز قرار دیا جائے۔ کیا لکھ سکتا ہوں ایسی ہستی کے متعلق جو سوائے خدا کی مرضی کے کلام ہی نہ کرتا ہو' جو رحمت للعالمین ہو' جس کو اللہ نے شفاعت کا حق دیا ہو۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آخری لمحات زندگی

حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد آپ کی وہ علالت جو بروایت مشکوۃ خیبر میں دیئے ہوئے زہر کے کروٹ لینے سے ابھرا کرتی تھی مستمر ہو گئی آپ اکثر علیل رہنے لگے۔ بیماری کی خبر عام ہوتے ہی جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہونے لگے۔ جن میں مسلمہ کذاب ' اسود عنی ' طلیح ' سجاح زیادہ نمایاں تھے لیکن خدا نے انہیں ذلیل کیا۔ اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہی ہے۔ آپ نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ کہیں وہ حملہ نہ کر
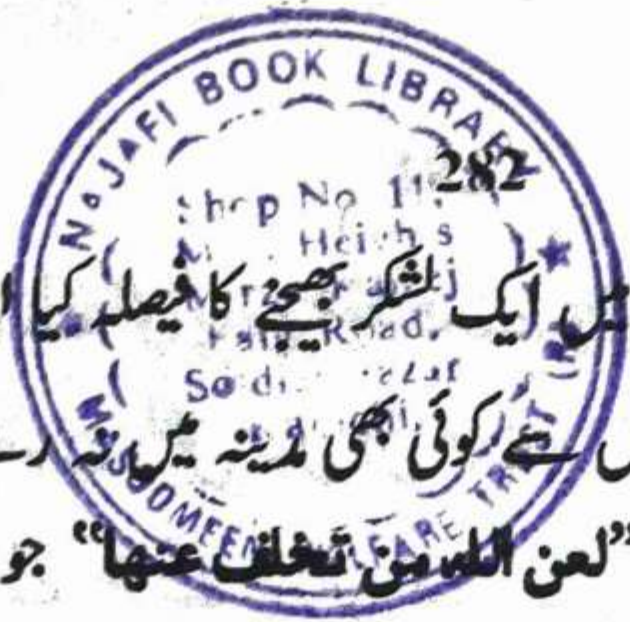
دیں اسامہ ابن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ علی کے علاوہ اعیان مہاجر و انصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ یہ تک فرما دیا "لعن اللہ من تخلف عنها" جو اس جنگ میں نہ جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہو گی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کیا انہوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں کیمپ لگایا اور اعیان صحابہ کا انتظار کرنے لگے لیکن وہ لوگ نہ آئے، مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۸۸ و تاریخ اکمل ج ۲ صص ۱۲۰ و طبری ج ۳ ص ۱۸۸ میں ہے کہ نہ جانے والوں میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۹۴ میں ہے کہ آخری سفر میں جب کہ آپ کو شدید درد سر تھا آپ رات کے وقت اہل بقیع کے لئے دعا کی خاطر تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ نے سمجھا کہ میری باری میں کسی اور بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔ اس پر وہ تلاش کے لئے نکلیں تو آپؐ کو بقیع میں محو دعا پایا۔

اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ اچھا ہوتا اے عائشہ کہ تم مجھ سے پہلے مر جاتیں اور میں تمھاری اچھی طرح تجہیز و تکفین کرتا انہوں نے جواب دیا کہ آپ چاہتے ہیں مر جاؤں تو آپ دوسری شادی کر لیں۔ اسی کتاب کے ۴۹۵ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری آپ کے اہل بیت کرتے تھے ایک روایت میں ہے کہ اہل بیت کو تیمارداری میں پیچھے رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

واقعہ قرطاس

حجتہ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم اپنی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے اب آخری وقت میں آپ نے یہ ضروری سمجھتے ہوئے کہ اسے دستاویزی شکل دے دوں اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم دوات اور کاغذ دے دو تاکہ میں تمھارے

لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمہیں گمراہی سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لئے کافی ہو یہ سن کر اصحاب میں باہمی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ لوگوں کے رجحانات قلم و دوات دے دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "**ان الرجل یھجر حسبناک کتاب اللہ**" یہ مرد ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے (صحیح بخاری پ ۳۰ ص ۸۴۲ ' علامہ شبلی لکھتے ہیں روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا (الفاروق ص ۶۱) لغت میں ہذیان کے معنی "بیہودہ گفتن" یعنی بکواس کے ہیں (صراح ج ۲ ص ۱۲۳) شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں "جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انہوں نے تو دھینگا مستی سے منصوبہ ہی چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کافی ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبرؐ صاحب کے حواس بجا نہیں ہیں۔ کاغذ قلم دوات نکالنا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا کیا لکھوا دیں گے (امہات الامتہ ص ۹۲) اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے جھنجلا کر فرمایا تو مراعنی میری اس محفل سے اٹھ کر چلے جاؤ نبی کے روبرو شور و غل انسانی ادب نہیں ہے۔ علامہ طریحی لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں پانچ افراد نے حضرت ابوبکر صدیق ' حضرت عمر ' حضرت ابوعبید ' عبدالرحمٰن ' سالم غلام حذیفہ رضی اللہ عنہم نے متفقہ عہد و پیان کیا تھا کہ "**لا نزد ھنا الا مرنی بنی ہاشم**" پیغمبر کے انتقال کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے (مجمع البحرین) میں کہتا ہوں کون یقین کر سکتا ہے کہ جیش اسامہ میں رسولؐ سے سرتابی کرنے والوں جس میں لعنت تک کی گئی ہے اور واقعہ قرطاس میں حکم کو بکواس بتلانے والوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز کی امامت کا حکم دے دیا ہو گا میرے نزدیک امامت

نماز کی حدیث ناقابل قبول ہے۔

وصیت اور احتضار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آخری وقت میں آپ نے فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ میں نے اپنے باپ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو بلایا انہوں نے پھر یہی فرمایا تو میں نے علی علیہ السلام کو بلا بھیجا آپ نے علی کو چادر میں لے لیا اور آخر تک سینے سے لپٹائے رہے (ریاض النضرہ ص ۱۸۰) مورخین لکھتے ہیں کہ جناب سیدہؑ اور حسنینؑ کو طلب فرمایا اور حضرت علی علیہ السلام کو بلا کر وصیت کی اور کہا جیش اسامہ کے لئے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا۔ اسے ادا کر دینا اور اے علیؑ تمہیں میرے بعد سخت صدمات پہنچیں گے تم صبر کرنا اور دیکھو جبکہ اہل دنیا ' دنیا پرستی کریں تو تم دین اختیار کئے رہنا (روضتہ الاحباب ج ۱ ص ۵۵۹' مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۱' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۱۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام سے وصیت فرمانے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام جن کے زانو پر سر مبارک رسالتمابؐ تھا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذن حضورؐ چاہا میں نے داخلہ سے منع کر دیا اور کہا اے شخص یہ وقت ملاقات نہیں ہے اس وقت واپس چلا جا اس نے کہا میری واپسی ناممکن ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاضر ہو جاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا اے فاطمہؑ اجازت دے دو یہ ملک الموت ہیں فاطمہؑ نے اجازت دے دی اور وہ داخل خانہ ہوئے پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی مولا ! یہ پہلا دروازہ ہے

جس پر مین نے اجازت مانگی ہے اور اب آپ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت طلب نہ کروں گا (عجائب القصص علامہ عبدالواحد ص ۲۸۲ و روضتہ الصفاء ج ۲ ص ۲۱۶ و انوار القلوب ص ۱۸۸)

الغرض ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بتاریخ ۲۸ صفر ۱۱ ہجری دو شنبہ بوقت دوپہر ظاہری خلعت حیات اتار دیا (مودۃ القربیٰ ص ۴۹ م ۱۴ طبع بمبئی ۱۳۱۰ ہجری اہل بیت کرام میں رونے کا کہرام مچ گیا حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر محلّہ سخ گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ وفات کو نشر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور باطل مشوروں کے لئے بنایا گیا (غیاث اللغات) اور انہیں کے ساتھ ابوعبیدہ بھی چلے گئے۔ جو غسال تھے غرضیکہ اکثر صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاش چھوڑ کر ہنگامہ خلافت میں جا شریک ہوئے۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے غسل و کفن کا بندوبست کیا حضرت علی علیہ السلام غسل دینے میں فضل ابن عباس حضرت کا پیراہن اونچا کرنے میں عباس اور قثم کروٹ بدلوانے میں اور اسامہ و شقران پانی ڈالنے میں مصروف ہو گئے اور انہیں چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپ کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا جہاں آپ نے وفات پائی تھی ابو طلحہ نے قبر کھودی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہم آپ کے غسل و کفن اور نماز میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی کنزالعمال ج ۳ ص ۱۴۰ ازجح المطالب ص ۶۷۰، المرتضیٰ ص ۳۹، فتح الباری ج ۶ ص ۴) وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔) تاریخ ابوالفدء ج ۱ ص ۱۵۲)

وفات اور شہادت کا اثر

سرور کائنات کی وفات کا اثر یوں تو تمام لوگوں پر ہوا اصحاب بھی روئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ماتم کیا (مسند احمد جنبل ج ۲ ص ۲۷۴ و تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۲ و تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۷) لیکن جو صدمہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچا اس میں وہ متفرد تھیں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سے عالم علوی اور عالم سفلی بھی متاثر ہوئے اور ان میں جو چیزیں ہیں ان میں بھی اثرات پیدا ہوئے علامہ زمخشری کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ام معبد کے ہاں قیام فرمایا آپ کے وضو کے پانی سے ایک درخت اگا۔ جو بہترین پھل لاتا رہا ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کے پتے جھڑے ہوے ہیں اور میوے گرے ہوئے ہیں میں حیران ہوئی کہ ناگاہ خبروفات سرور عالمؐ پہنچی پھر تیس سال بعد دیکھا گیا کہ اس میں تمام کانٹے اگ آئے تھے بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت علی نے شہادت پائی پھر مدت مزید کے بعد اس کی جڑ سے خون تازہ ابلتا ہوا دیکھا گیا بعد میں معلوم ہوا حضرت امام حسین علیہ السلام نے شہادت پائی ہے اس کے بعد وہ خشک ہو گیا (عجائب القصص ص ۲۵۹ بحوالہ ربیع الابرار مخشری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شہادت کا سبب

یہ ظاہر ہے کہ حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہو' کوئی زہر سے شہید ہوا کوئی تلوار سے شہید ہوا ' ان میں ایک خاتون تھی حضرت فاطمہؑ بنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وہ ضرب شدید سے شہید ہوئیں اور چودہ معصوموں میں تقریباً تمام کی شہادت کا سبب واضح ہے لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شہادت کے سبب

سے اکثر حضرات ناواقف ہیں اس لئے میں اس پر روشنی ڈالتا ہوں۔

حجتہ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی کی کتاب سرالعالمین کے ص ۲۷ کتاب الطب سے مستفاد اور مستنبطہ ہوتا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دوا میں زہر ملا کر دیا گیا تھا"

میرے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بستر علالت پر ہونے کے وقت کے واقعات و حالات کے پیش نظر دوا میں زہر ملا کر دیا جانا غیر متوقع نہیں ہے علامہ محسن فیض "کتاب الوانی" کی ج ا ص ۱۶۶ میں بحوالہ تہذیب الاحکام تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ میں زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ الخ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں زہر خورانی کی تشہیر اخفائے جرم کے لئے کی گئی ہے۔

ازواج

چند کنیزوں کے علاوہ جن میں ماریہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں آپ کی گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ اور زینب بنت خزیمہ نے آپ کی زندگی میں وفات پائی تھی اور نو بیویوں نے آپ ؐ کی وفات کے بعد انتقال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیویوں کے نام درج ذیل ہیں۔

خدیجتہ الکبریٰ ' سودہ ' عائشہ ' حفصہ ' زینب بنت خزیمہ ' ام سلمہ ' زینب بنت جحش ' جویریہ بنت حارث ' ام حبیبہ ' صفیہ ' میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اولاد

آپ ؐ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی جناب ابراہیم کے علاوہ دو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے باقی دو بچے حضرت خدیجہ ؓ کے

بطن سے تھے حضورؐ کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت قاسم طیب = آپ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

جناب عبداللہ = جو طاہر کے نام سے مشہور تھے۔ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

جناب ابراہیم = ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰ ہجری میں انتقال کر گئے۔

حضرت فاطمتہ الزہراؓ = آپ پیغمبر اسلامؐ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپ کے شوہر حضرت علیؓ اور بیٹے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم تھے۔ آں جنابہ کی نسل سے گیارہ امام پیدا ہوئے اور ان ہی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسل بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف نصیب ہوا اور وہ قیامت تک "سید" کہی جائے گی۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں میرے سلسلہ نسب کے علاوہ سارے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور کسی کا رشتہ کسی کے کام نہ آئے گا (صواعق محرقہ ص ۹۳) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے۔ ہمارے نبی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ (روضتہ الشہداء ص ۴۰۴) امام المسلمین علامہ جلال الدین فرماتے ہیں کہ "حضرات حسنینؑ کی اولاد کے لئے سیادت مخصوص ہے مرد ہو یا عورت جو بھی ان کی نسل سے ہے وہ قیامت تک "سید" رہے گا۔ "و یجب علی اجمع الخلق تعظیمھم ابدا" اور ساری کائنات پر واجب ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ان کی تعظیم کرتی رہے۔ (لوامع التنزیل ج ۳ ص ۴۔ ۳ اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار شبلنجی ص ۱۱۴ طبع مصر)

ادارہ منہاج الحسین (رجسٹرڈ) لاہور

ادارہ منہاج الحسین لاہور کی مطبوعات

- ☆ احکام حج
- ☆ اسلام اور نئی منزلیں
- ☆ دین اور سیاست
- ☆ اصول دین
- ☆ نور ولایت
- ☆ بعثت سے ہجرت تک
- ☆ نماز امامیہ
- ☆ استعمار عیسائیت کے روپ میں
- ☆ علیؑ کا راستہ
- ☆ قول جلی فی عقد بنت علیؑ
- ☆ جام غدیر
- ☆ حسن کلام
- ☆ نظام مصطفیٰ بزبان مرتضیٰؑ (زیر طبع)
- ☆ زندگانی امام رضاؑ (زیر طبع)
- ☆ سیرت معصومینؑ
- ☆ کتاب الامثال

Rs. 75.00